انا اعطینک الکوثر
ساری کثرت پاتے ہیں
کوثر الخیرات
لسید السادات
صلی اللہ علیہ وسلم
عمدۃ الاذکیا شرف العلماء ابوالحسنات
مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی زیدمجدہم
اہل السنۃ پبلی کیشنز دینہ ضلع جہلم

إِنَّا أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ

ساری کثرت پاتے یہ ہیں

(امام احمد رضا بریلوی)

لسید السادات

صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تالیف

عمدۃ الاذکیاء مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ

شیخ الحدیث دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف

Phone:0541-634759
Mobile:0333-5833360

نام کتاب .... کوثر الخیرات

تالیف .... علامہ محمد اشرف سیالوی
شیخ الحدیث سیال شریف

سن اشاعت .... جنوری 2007ء

صفحات 416

قیمت .... روپے

ناشر مکتبہ فیضان باہو 0321-7641096

ملنے کے پتے

☆ جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام کالج روڈ سرگودھا

☆ مکتبہ جمال کرم 9 مرکز الاویس دربار مارکیٹ لاہور 042-7324948

☆ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور 042-7312173

☆ مکتبہ نوریہ رضویہ گلبرگ اے فیصل آباد 041-626046

☆ احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5558320

انتساب

میں اپنی اس ناچیز کوشش کو حضرت شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ محمد قمر الدّین صاحب دامت برکاتہم العالیہ زیب سجادہ آستانۂ عالیہ سیال شریف (سرگودھا) کی بارگاہِ اقدس میں بصد عقیدت و نیاز پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جن کی نگاہِ التفات کی بدولت ہزاروں قلوب حبِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے نور سے جگمگا رہے ہیں۔

ابو الحسنات محمد اشرف السیالوی

تعارف

استاذ العلماء، عمدۃ الاذکیاء، مولانا علامہ ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی شیخ الحدیث دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف (سرگودھا) موجودہ دور کے متبحر فاضل اور تحریر و تقریر، تدریس و مناظرہ میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ حافظہ اس غضب کا ہے کہ طویل عربی اور فارسی عبارتیں بلا تکلف پڑھ دیتے ہیں، اخلاقِ جمیلہ میں اپنی مثال آپ ہیں۔

آپ ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء میں ضلع جھنگ کے ایک دیہات غوثیوالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ ماجد جناب فتح محمد صاحب مدظلہ نہایت نیک سیرت بزرگ ہیں۔ قصبہ بڑانہ میں مڈل تک تعلیم حاصل کر کے جامعہ محمدی (جھنگ) میں داخل ہوئے اور مولانا حافظ محمد شفیق سے ایک سال میں ابتدائی کتابیں پڑھیں، بعد ازاں ڈیڑھ سال سیال شریف (سرگودھا) میں مولانا صوفی حامد علی رحمہ اللہ تعالیٰ اور مولانا محمد عبد اللہ جھنگوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کافیہ اور شرح تہذیب وغیرہ کتب پڑھیں، اسی دوران تین ماہ پپلاں (میانوالی) میں رہ کر مولانا احمد سعید اور مولانا محمد حسین شوق سے استفادہ کیا۔ چھ ماہ مرولہ شریف (سرگودھا) میں حضرت مولانا غلام سدید الدین مدظلہ العالی (سجادہ نشین) سے ابتدا سے شروع کر کے قطبی تصدیقات سے آخر تک اور شرح جامی مرفوعات سے حال کی بحث تک پڑھی۔ بعد ازاں چھ ماہ میں مولانا سلطان اعظم دیچھپڑ شریف، سرگودھا) سے شرح جامی پڑھی، پھر ماہِ ربیع الاول شریف (۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء) میں استاذ العلماء، ملک المدرسین حضرت مولانا الحاج عطا محمد چشتی مدظلہ العالی کی خدمت میں حاضر ہو کر، چھ ماہ گولڑہ شریف، دو سال سیال شریف اور ایک سال دارالعلوم امدادیہ مظہریہ، بندیال (سرگودھا)

میں رہ کر تمام کتبِ درسیہ کی تکمیل کی۔ رمضان المبارک (۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء) میں حضرت شیخ القرآن مولانا محمد عبد الغفور ہزاروی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دورۂ قرآنِ پاک میں شریک ہوئے، اسی سال ماہِ شوال میں حضرتِ محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قدس سرہ کی خدمت میں جامعہ رضویہ (لائلپور) حاضر ہو کر درسِ حدیث لیا اور سندِ فراغت حاصل کی۔

ماہِ شوال (۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء) میں تدریس کا آغاز کیا، دو سال سیال شریف، دو سال جامعہ نعیمیہ (لاہور) پانچ سال سلانوالی، ایک سال رکن الاسلام (حیدر آباد) میں پڑھاتے رہے، ۱۹۷۱ء سے سیال شریف کے عظیم الشان دار العلوم میں شیخ الحدیث ہیں۔ آپ کے تلامذہ کا حلقہ خاصا وسیع ہے۔ مسئلۂ سماعِ موتی پر مبسوط کتاب "جلاء الصدور" لکھ چکے ہیں، سورۂ کوثر کی تفسیر پیشِ نظر ہے جس کے مطالعہ سے مصنف کے تبحرِ علمی کا پتہ چلتا ہے۔

روحانی طور پر سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے مشہور فاضل بزرگ شیخ الاسلام حضرت الحاج محمد قمر الدین دامت برکاتہم العالیہ سجادہ نشین سیال شریف، سے بیعت ہیں اور اپنے شیخ سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں

محمد عبد الحکیم شرف قادری

۳۰ر جولائی ۱۹۷۵ء

پیشِ لفظ

سورۂ کوثر قرآنی اعجاز کا منہ بولتا ثبوت ہے، انتہائی مختصر ہونے کے باوجود غیر محدود معانی و مطالب کو متضمن ہے۔ مفسرینِ کرام نے اپنے اپنے انداز میں اس کے مطالب کو بیان کیا ہے لیکن جو فخر المفسرین امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے جس کمالِ محبت سے اس کے لطائف و دقائق اور نِکات و حقائق کو بیان کیا ہے، وہ انہی کا حصہ ہے۔ ضرورت تھی کہ اُن چند نادیدہ خزاں گلہائے سرسبد کی طرب انگیز خوشبو سے عامۃ المسلمین کے دل و دماغ کو بھی معطر کیا جائے جنہیں مفسرینِ کرام نے بڑی عرق ریزی کر کے گلستانِ جمالِ مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء سے حاصل کیا ہے۔

چونکہ یہ سورۂ کریمہ فضائل و کمالاتِ مصطفویہ کا ناپیدا کنار سمندر ہے اور غیر محدود و غیر متناہی درجات و مراتب کا خزانہ ہے اور یہی حبرِ امّت ترجمانِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان فرمودہ معنٰی ہے کہ الکوثر ھو الخیر الکثیر کلہ لہٰذا اس کتاب کو کوثر الخیرات لسیّد السادات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات کے نام سے موسوم کرتا ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالٰی میری اس سعی کو بہ طفیلِ سید الانام علیہ السلام قبولِ تام سے سرفراز فرماتے ہوئے اس ناکارۂ خلائق کے لئے ذریعۂ نجات و غفران بنائے۔ آمین۔

ابوالحسنات محمّد اشرف سیالوی عفی عنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله ذی المجد والعلیٰ خالق الارض والسماء وما بینهما وما تحت الثریٰ والصلوٰة والسلام علیٰ افضل رسله و سید الانبیاء الذی دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحیٰ الیه ربه ما اوحیٰ محمدن المبعوث الیٰ کافة الناس بشیرا و نذیرا وداعیا الی الله باذنه وسراجا منیرا وعلیٰ اٰله واصحابه الکرماء الشرفاء والتابعین لهم بالاحسان الیٰ یوم الجزاء۔ **اما بعد**

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝

(ترجمہ) "بیشک ہم نے اے محبوب آپ کو کوثر عطا کیا، پس اپنے رب کے لئے نماز ادا کریں اور قربانی دیں، یقیناً آپ کا دشمن بے نام و نشان اور نیست و نابود ہونیوالا ہے۔"

قرآن کریم کی یہ مختصر ترین سورت تین آیات پر مشتمل ہے اور کل بیالیس حروف کا مجموعہ ہے، لیکن معانی و مطالب لطائف و دقائق اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بحرِ ناپیدا کنار ہے۔ اس کی تفسیر و تفصیل میں جو کچھ لکھا گیا ہے یا لکھا جائیگا وہ اس کے علوم و معارف اور اسرار و رموز کے بحرِ زخار سے چند قطرے ہیں۔

جب قرآن کریم کی صداقت کو چیلنج کیا گیا اور صاحب قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شاعر کہہ کر ناقابل اعتبار سمجھا گیا، کتاب مبین کے مضامین کو افسانوی اور من گھڑت حکایات و قصص کہکر ناقابل عمل قرار دیا گیا تو قرآن کریم نے کفار عرب کو، مشرکین مکہ کو اور اپنی فصاحت و بلاغت پر اترانے والوں کو مقابلہ کی دعوت دی۔ پہلے پہل انہیں پورے قرآن کی مثل ایک کتاب بنانے اور اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کی دعوت

دی؛ جب وہ عاجز آگئے تو اپنے مطالبہ میں لچک پیدا کر دی، نرمی سے کام لیا اور فرمایا صرف دس سورتوں جیسی سورتیں بنا کر لے آؤ۔ جب فصحائے عرب یہاں بھی بے بس ہوئے اور مقابلہ کی تاب نہ لا سکے تو اپنے مطالبہ میں لچک پیدا کر دی اور ماہرینِ علم و ادب، بلغاءِ عرب، نامور شاعروں اور نثر نگاروں کو چھوٹی سے چھوٹی سورت جیسی سورت بنا لانے کا حکم دیا اور اتمامِ حجت کے لئے آخری موقع دیا لیکن کسی کو بھی مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی۔ تمام کفار و مشرکین، ان کے مددگار و معاندین مختصر ترین سورت جیسی سورت بھی نہ بنا سکے اور نبی امی (فداہ ابی و امی) کے لائے ہوئے کلام جیسا کلام نہ لا سکے، سب کی زبانیں گنگ ہو گئیں اور راہوارِ عقل و خرد لنگ ہے

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

وہ انتہائی مختصر ہونے کے باوجود مخالفین و معاندین کو عاجز و بے بس کرنے والی یہی سورۂ کوثر ہے، قرآنِ پاک کے کلامِ خدا ہونے اور صاحبِ قرآن علیہ السلام کے رسولِ برحق اور پیغمبرِ آخر الزمان ہونے کی دلیلِ ناطق یہی سورتِ عظیمہ ہے، اس نے روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک منہ سے جو کلام نکلا، وہ ان کا اپنا بنایا ہوا نہ تھا بلکہ زبان ان کی تھی اور کلام رب العالمین کا جو ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں ہے

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

یہ سورۂ کریمہ محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کے حسن و جمال، رفعت و کمال کا ایک گلدستہ ہے اور رب العزت کے لطف و کرم، انعام و اکرام اور تعظیم و توقیر کا اعلیٰ نمونہ بلکہ سیادت و قیادتِ کائنات کا عظیم منشور ہے۔ ہر مرتبۂ عالی، ہر درجۂ بلند، ہر مقامِ رفیع اور ہر منصبِ منیع کی عطا و بخشش کا اس میں اعلان ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک!

ارشاد فرمایا انا اعطینٰك الكوثر ہ فصل لربك وانحر ہ ان شانئك هو الابتر۔ ان آیاتِ مقدسہ سے پہلے چند کمالاتِ مصطفوی متعدد سورتوں میں بیان فرماکر یہاں ان کی تکمیل فرمادی اور آنے والی سورتوں اور آیاتِ مبارکہ کے لئے اساس و بنیاد بھی اسی سورتِ عظیمہ کو بنایا۔ سورۃ والضحیٰ میں فرمایا ما ودعك ربك وما قلیٰ "اے حبیب تمہارے رب نے تمہیں نہیں چھوڑا اور نہ تم سے ناراض ہوا" وللاٰخرة خیر لك من الاولیٰ "اور ہر پچھلی ساعت آپ کے لئے پہلی سے بہتر ہے۔" ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ "اور ضرور تمہیں تمہارا پروردگار اتنا عطا فرمائیگا کہ جس پر آپ راضی ہو جائیں گے۔"

سورۃ الانشراح میں فرمایا الم نشرح لك صدرك "ہم نے آپ کے سینۂ اقدس اور دل مبارک کو بہت کشادگی اور وسعت بخشی۔" ووضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك "اور ہم نے آپ سے اس بوجھ کو اتار دیا جو آپ کی پیٹھ توڑ دینے والا تھا اور رنج و محنت میں ڈالنے والا تھا۔" ورفعنا لك ذكرك "اور ہم نے تمہارے لئے تمہارے ذکر کو بلند فرمایا۔"

سورۃ والتین میں ارشاد فرمایا وهذا البلد الامین "اس شہر کی قسم جو تیرے تلووں کی بدولت امن و سلامتی کا مرکز بنا۔" الا الذین اٰمنوا وعملوا الصلحٰت "کوئی انسان بھی دوزخ کی آگ سے نجات نہیں پاسکے گا جب تک تمہاری غلامی و اطاعت اختیار نہیں کرے گا اور تمہاری اتباع نہیں کرے گا۔" فلهم اجر غیر ممنون ہ "جو تمہارے ہو گئے وہ نہ ختم ہونیوالے اجر و ثواب کے مستحق ہو گئے۔"

سورۃ اقراء میں حکم ہوا اقرا باسم ربك الذی خلق "آپ پڑھیں اپنے رب کے نام کی اعانت و برکت سے جو پیدا کرنیوالا ہے۔" فلیدع نادیه سندع الزبانیة "تمہارا دشمن مغلوب و مقہور ہے اگر ہمت آزمانا چاہتا تو وہ اپنے معاونین اور مددگار بلالے ہم اپنے فرشتوں کو بلالیں گے۔" واسجد واقترب "آپ اعداء اور بدخواہوں سے بے نیاز ہوکر اپنے رب کو سجدہ ...

سورۂ عادیات میں فرمایا والعادیات ضبحاً "ان گھوڑوں کی قسم جو ہانپتے ہوئے جہاد کے لئے دوڑتے ہیں۔" فالموریات قدحاً "ان گھوڑوں کی قسم جو پتھر پر ٹاپیں مار کر دوڑتے وقت آگ نکالتے ہیں۔" فالمغیرات صبحاً "ان گھوڑوں کی قسم جو صبح کے وقت حملہ کرتے ہیں اور زمین کے باوجود غبار اڑاتے ہیں۔"

غرضیکہ سورۂ کوثر تک جتنی بھی سورتیں ہیں ان تمام میں اپنے محبوب کی مختلف خصوصیات اور کمالات کو بیان کیا۔ ان کے غلاموں کے اوصاف و کمالات، اجر و ثواب کو بیان فرمایا بلکہ اپنے حبیب کے دشمنوں کو ہلاک و برباد کرنے والے مجاہدین کے گھوڑوں کی بھی قسم اٹھائی اور ان کی عظمت و حرمت واضح فرمائی، دشمنوں کی ذلت و رسوائی، دنیا و آخرت میں ناکامی و محرومی، ابابیل جیسے کمزور و ناتواں پرندوں کے ذریعے تباہی و بربادی، آخرت میں جہنم کی دہکتی آگ کا ایندھن بننا وغیرہ بیان کر کے فرمایا انا اعطینٰک الکوثر یعنی تیرے کن اوصاف و کمالات کو گنا جائے؟ کن خوبیوں کا احاطہ کیا جائے؟ کس ذہن میں یہ تاب و تواں کہ تیرے مدارج و مراتب کو پا سکے۔

خلاصہ یہ کہ ہم نے آپ کو اتنا دیا جو شمار و حساب سے باہر ہے اور عدد جس کے احاطہ سے قاصر ہے۔ اعلیٰحضرت بریلوی فرماتے ہیں ؎

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ کہ کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضاؔ نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا مولیٰ کہوں تجھے

یہ سورتِ طیبہ بعد والی سورتوں کے لئے مبدأ و اساس ہے اور آنے والی آیات بینات کے لئے اصل اور بنیاد ہے کیونکہ اللہ رب العزت نے فرمایا قل یاایھا الکفرون ؗ لا اعبد ما تعبدون ؗ "اے محبوب بد مذہب لوگوں کو فرما دو کہ اے کافرو! میں ان باطل معبودوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔"

تمام مخالفین کو ایسا پیغام دینا بڑا مشکل کام ہے اس میں ان کے مذہب پر اعتراض

ہے۔ باطل معبودوں پر تنقید ہے حالانکہ مذہب اتنی عزیز چیز اور پیاری متاع ہوتا ہے جس پر جان قربان کی جاتی ہے۔ اولاد کی قربانی سے دریغ نہیں کیا جاتا اور مال دبے کر دین و مذہب کی حفاظت غنیمت سمجھی جاتی ہے لہٰذا ان کے مذہب پر اعتراض کرنا گویا ساری دنیائے کفر کی مخالفت و دشمنی مول لینا ہے۔

حضرت موسےٰ علیہ السلام کو جب فرعون کی طرف بھیجا گیا اور فرعون پر اس کی بے راہروی اور گمراہی واضح کرنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے عرض کیا اخاف ان یقتلون "مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں" لیکن یہاں ایک فرعون نہیں ساری دنیا کے فرعونوں سے ٹکر لینے کا حکم دیا ہے اور ان کے مذہب و عقیدہ کی بنیادوں کو ہلا دینے کا حکم دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کو یہ بھی علم ہے کہ کفّار انہیں اپنے مقصد سے باز رکھنے کے لئے اپنے خزانے پیش کریں گے سارے عرب کی تاجداری اور بادشاہت کی پیشکش کریں گے اگر کامیاب نہ ہو سکے تو خون کے پیاسے بن جائیں گے اور ہر قسم کی ایذائیں اور تکالیف پہنچانے کی کوشش کریں گے لہٰذا اس حکم سے پہلے ہی فرمایا انا اعطینٰک الکوثرؕ اے رسول کفار آپ کو اپنے محدود اور معمولی خزانے پیش کریں گے لیکن ہم نے اپنے غیر محدود اور لافانی خزانے، دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں تمہیں عطا کر دی ہیں۔ تمہاری جان کا محافظ و نگہبان میں ہوں واللہ یعصمک من الناس، فتح و نصرت تمہارے قدم چومے گی اذا جاء نصر اللہ والفتح جو تمہاری گستاخی کرے گا اور تکلیف پہنچائے گا تباہ و برباد ہو جائے گا تبت یدا ابی لھب و تب۔ اگر بزدل دشمن جادو اور سحر سے کام لے تو اپنے رب کے نام کو اپنے لئے تعویذ بنانا قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ لینا ان کے ساحرانہ حربے بیکار ہو جائیں اور جادوانہ اثرات کافور ہو جائیں گے۔

اسی لئے محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کفار کو فرمایا جبکہ وہ آپ کے شفیق چچا ابوطالب کی وساطت سے آپ کو تبلیغِ حق سے رک جانے کیصورت میں تمام اموال وامتعہ اور عرب کی بادشاہت و تاجداری کی پیشکش کر رہے تھے اگر تم سورج کو میرے دا ہنے ہاتھ اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ کر ...

والبطالِ باطل سے باز نہیں آؤنگا اور اگر کوئی بھی میرا ساتھ نہ دے تو میں پھر بھی جب تک دم میں دم ہے اس مقصد کی تکمیل کے بغیر چین سے نہیں بیٹھوں گا۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ

یہ آیتِ کریمہ اپنے اسلوب اور اندازِ بیان کے لحاظ سے کئی لطائف و دقائق اور نکات و حکم پر مشتمل ہے اور بے شمار نفائس عجائب و نعم علاکو شامل ہے۔

حکمت اُولیٰ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ خطاب کرنے والا ہے اور محبوب مخاطب ہے۔ اندازِ خطاب ایسا ہے جیسا کہ دونوں ذاتیں بے حجابانہ ایک دوسرے کے سامنے ہوکر محوِ گفتگو ہوں درمیان میں کوئی پردہ اور حجاب حائل نہ ہو، کوئی واسطہ اور ترجمان نہ ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سیدالرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرتِ موسٰے علیہ السلام والی شانِ کلیمی و ہمکلامی سے نوازا گیا ہے۔ نہیں نہیں وہ صرف مقامِ کلیمی ہی نہیں وہ تو مقامِ امر تھا۔ بارِ نبوت ان کے کاندھوں پر ڈالا جارہا تھا۔ فرعون کے دربار میں پہنچ کر کلمۂ حق سنانے کا حکم دیا جارہا تھا۔ یہاں تو اپنے حبیب کی تربیت کی جارہی ہے ان کے حسن و جمال کو نکھارا جارہا ہے۔ ان کے مراتب و کمالات کو ظاہر کیا جارہا ہے ان سے اپنا تعلق و پیار اور لطف و کرم بیان کیا جارہا ہے اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو کائناتِ عالم کی تاجداری سے نوازا ہے اور صاحبِ کوثر بنایا ہے۔ یہ خطاب جن تسلیوں، خوشخبریوں اور بشارتوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے وہ بیان سے باہر ہے۔

حکمتِ ثانیہ

انا اعطینا فرمایا ہم نے عطا کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہ ہے کوئی اس کا ثانی و شریک نہیں، عطا و بخشش میں کوئی اس کے ساتھ حصہ دار نہیں لہٰذا جو عبارت اس مقام کے لئے موزون تھی وہ انی اعطیت " میں نے عطا کیا" تھی اور مقتضئے مقام و حال یہی تھا لیکن اس سے عدول کیا اور انا اعطینٰک الکوثر کہکر

یہ اشارہ فرما دیا کہ اے میرے رسول تیری تعظیم و توقیر میں میں اکیلا تو نہیں بلکہ میں نے اپنی تمام مخلوق پر تمہاری خدمت وطاعت، تعظیم وتکریم اور مدح و ثنا لازم کر دی ہے۔ فرشتے آپ پر درود و سلام بھیجتے ہیں ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی۔ انبیاء و رسل تمہاری غلامی وطاعت پر کمربستہ ہیں واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ الآیۃ۔ خلیل علیہ السلام تمہارے لئے دعا کر رہے ہیں ربنا وابعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم اٰیٰتک۔ حضرت موسٰے کلیم اللہ علیہ السلام آپ کی امت میں داخل ہونے کی تمنا کر رہے ہیں رب اجعلنی من امۃ محمد علیہ السلام اور حضرت عیسٰی روح اللہ علیہ السلام آپ کی تشریف آوری کی بشارت دے رہے ہیں ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ جن تمہاری حقانیت وصداقت کی تصدیق پڑھ رہے ہیں انا سمعنا کتابا عجبا یھدی الی الرشد فاٰمنا بہ۔ انسان تمہارے نام پر اپنی جان ومال کو قربان کر رہے ہیں الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ۔ چاند وسورج، شجر وحجر تمہارے اشارے کے منتظر ہیں یاایھا الذین اٰمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ جلد اول میں فرماتے ہیں:

جمع کرد حق تعالٰے عالم علوی وسفلی را بر ثنا و دعائے وے صلی اللہ علیہ وسلم واعلان کرد بذکر وے در اولین و آخرین و نشر کرد مناقب اورا در آفاق شرقاً و غرباً براً و بحراً و در آسمانہا و عرش و کرسی۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

عرش پہ تازہ چھیڑ چھاڑ فرش پہ طرفہ دھوم دھام
کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے

حکمتِ ثالثہ اللہ تعالٰے اگرچہ واحد و یکتا ہے لیکن اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ کے اعتبار سے مخلوقات میں سے کوئی طبقہ اور فرد خواہ فرشتے ہوں

یا اولیاء کرام، رسلِ عظام ہوں یا انبیاء کرام انفرادی یا اجتماعی کسی بھی لحاظ سے اس کے برابر نہیں والارض جمیعًا قبضتہ یوم القیمۃ ۔ ساری زمینیں قیامت کے دن اس کے دستِ قدرت میں سمٹی ہوئی ہوں گی اور سارے آسمان اس کے دستِ قدرت میں سمٹے ہوئے ہوں گے والسموات مطویات بیمینہ ۔ وہ جو چاہے کُنْ کہہ کر پیدا فرما دیتا ہے انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون ۔ اور جب چاہے گا تو اسرافیل کی پھونک سے موجودات کو ہلاک بھی فرما دے گا اور جب دوبارہ اٹھانا چاہے گا تو صورِ اسرافیل کی ایک آواز سے گلی سڑی ہڈیوں کو بھی نئی حیات عطا فرما دے گا ۔ ایسی عظیم قدرتوں کا مالک واحد ہونے کے باوجود گویا کئی قدرتوں اور طاقتوں کا مجموعہ ہے اسی لئے ارشاد فرمایا! "انا اعطینا" سب قوتوں اور قدرتوں کے مالک نے تمہیں عطا کیا ۔

حکمتِ رابعہ عظیم ہستی اور بلند مرتبت شخصیت اگر تھوڑی سی چیز بھی کسی کو عطیہ اور ہدیہ کے طور پہ دے تو اسے بھی عظیم انعام اور رفیع اکرام سمجھا جاتا ہے مثلاً بادشاہ روئے زمین اپنے ہاتھ سے ایک غلام کو سیب کا ایک دانہ عطا کرے تو اس غلام کے لئے یہ انتہائی عزت و افتخار کا باعث ہوگا اور لوگوں میں عزت افزائی کا موجب ہوگا اور جب احکم الحاکمین رب العالمین اپنے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو براہِ راست اپنے دستِ قدرت سے خزائن ملک و ملکوت عطا فرماتے ۔ دنیا و آخرت میں امامت کل اور سیادتِ کل کا اعزاز بخشے تو اس عطیہ کی عظمت اور اس عبد خاص اور حبیبِ خاص کی عزت و عظمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے فیا لہا من نعمۃ ما اعظمہا واجلہا ویا لہا من تشریف ما اعلاہا واحلاہا ۔

حکمتِ خامسہ عطیہ اگرچہ بہت نفیس اور قیمتی ہو لیکن جب تک اس میں دوام اور ہمیشگی نہ ہو نعمتِ کاملہ نہیں بنتا اور جب تک واپس لئے جانے کا احتمال ختم نہ ہو قابلِ فخر نہیں بنتا اور نہ ہی موجب راحت و سرورِ تام ہو سکتا ہے ہاں اگر اس ہدیہ و عطیہ کے مقابل کوئی عوض ہو اگرچہ بالکل معمولی اور قلیل و حقیر ہی کیوں نہ ہو لیکن اب اسے واپس نہیں لیا جا سکتا اور شرعًا اس میں رجوع جائز نہیں لہذا اس صورت میں

وہ عطاء نعمت کامل ہوگی اور موجب سرور و راحت دائم ہوگی۔ اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوبِ پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو دنیا و آخرت کے سارے خزانے عطا فرمائے اور غیر محدود اور غیر متناہی عطیات و ہدایا سے سرفراز فرمایا اور ساتھ ہی ایک تھوڑا سا عوض اور بدلہ طلب فرمالیا فصل لربک وانحر۔ اپنے رب تعالےٰ کے لئے نماز ادا کریں اور قربانی پیش کریں" تاکہ ہر ایک کو یقین ہوجائے کہ اب اس ہدیہ اور نعمت میں رجوع نہیں ہوگا بلکہ یہ انعام و اکرام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سیدانام علیہ السلام کو حاصل رہے گا اور دنیا و آخرت میں ہر ایک ان کی رفعت و سربلندی کا قائل ہوگا۔

حکمتِ سادسہ اللہ تعالےٰ نے مقامِ عطا میں یہ نہیں فرمایا کہ ہم تمہیں کوثر اور خیرِ کثیر عطا کریں گے بلکہ فرمایا ہم نے عطا کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء دنیا میں ظہور فرما ہونے سے پہلے اللہ تعالےٰ کے ہاں معظم و مکرم ہیں اور تمام نِعَم اور خزائن کے مالک و مختار ہیں بخلاف دیگر تمام رسولانِ عظام اور انبیاء کرام کے علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ وہ شرفِ وجود سے مشرف ہونے کے بعد ان اکرامات اور اعزازات کے مستحق ہوئے جو انہیں عطا کئے گئے۔ اس لئے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کنت نبیا و اٰدم بین الروح والجسد "میں اس وقت ملکِ رسالت کا تاجدار تھا اور خلعت نبوت و خلافت سے سرفراز جبکہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر اور مجسمہ تیار کیا جارہا تھا۔

اس آیتِ کریمہ میں یہ بشارت بھی موجود ہے کہ جس پیارے کو ہم نے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے نہ بھلایا۔ اسے اب کیونکر بھلائیں گے بلکہ ہم تو ہر وقت ان کے محافظ و نگران ہیں اور ناصر و نگہبان ہیں فانک باعیننا۔ واللہ یعصمک من الناس۔

نیز یہاں یہ بھی وضاحت فرمادی کہ ہم نے اپنے عبدِ خاص اور مقبول بارگاہِ ناز کو جو کچھ دیا ہے وہ ان کی اطاعت گزاری و فرمانبرداری اور عبادت و ریاضت کے عوض نہیں دیا ورنہ جب تک وہ طاعت و عبادت نہ کرتے ان فیوضات و انعامات کے مستحق نہ ہوتے حالانکہ ہم نے انہیں پہلے ان عطاؤں سے سرفراز فرمایا اور دنیا میں ظہور فرمانے کے بعد ان سے عبادت و طاعت

کا مطالبہ کیا ہے لہٰذا جو کچھ انہیں حاصل ہوا یہ محض فضل و کرم خداوندی اور اس کے لطف و نوازش کی بدولت ہے اور جو لطفِ محض اور کرمِ خاص کی بدولت حاصل ہو وہ ہمیشہ رو بہ ترقی ہی رہتا ہے اس میں کمی و نقصان نہیں ہو سکتا و للآخرۃ خیر لک من الاولیٰ۔

حکمتِ سابعہ خالقِ حقیقی اور مالکِ حقیقی جل و علا نے فرمایا اعطینٰک "ہم نے تمہیں عطا فرمایا" مقامِ عطاء و بخشش میں اپنے حبیب کے کسی منصب کو ذکر نہیں فرمایا۔ نہ وصفِ رسالت و نبوت کو ذکر فرمایا نہ صفتِ بشیر و نذیر کو ذکر فرمایا بلکہ اسمِ ضمیر کو ذکر کیا جو محض ذات سے عبارت ہے اور اس انعام و اکرام کی سببیت و علیت بیان کرنے سے قاصر ہے لہٰذا حق یہ تھا کہ فرمایا جاتا انا اعطینا الرسول "ہم نے رسول کو عطا کیا" انا اعطینا النبی "ہم نے نبی کو عطا کیا" وعلیٰ ہذا القیاس۔ کیونکہ اس اسلوب و انداز میں ہر آدمی یہی سمجھتا ہے کہ یہ عطا محض منصبِ نبوت و رسالت کیوجہ سے ہے اور وصفِ بشیر و نذیر کی بدولت ہے جب منصب و عہدہ کا ذکر کئے بغیر محض ذاتِ اقدس کو خطاب کرتے ہوئے مژدہ عطا سنایا تو ہر ایک کو معلوم ہو گیا کہ منصب و عہدہ کوئی نہ ہوتا اور نبوت و رسالت کی ذمہ داری ان پر نہ ڈالی جاتی تو بھی اس محبوب کی رسائی انہی بلندیوں تک ہوتی اور کائنات عالم کی سیادت اور دنیا و آخرت کی تاجداری انہی کے ساتھ مختص ہوتی اور سدرہ و عرش کی رفعتیں اور لامکان کی وسعتیں ان کی کمند عروج و وصول کی زد میں ہوتیں یکاد زیتھا یضیئ ولو لم تمسسہ نار نور علیٰ نور۔

حکمتِ ثامنہ ربِ کریم نے اعطینٰک فرمایا اور 'اٰتینٰک' نہیں فرمایا "ہم نے عطا کیا" فرمایا اور "ہم نے دیا" کو ذکر نہ فرمایا کیونکہ فرض و واجب کی ادائیگی پر بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا 'اٰتوا الزکوٰۃ' "زکوٰۃ ادا کرو" مال و دولت اور سیم و زر میں سے ایک معین حصہ کی ادائیگی کا مطالبہ کرتے وقت "ایتاء" کا لفظ استعمال کیا گیا لہٰذا اگر یہاں بھی 'اٰتینا' کا لفظ استعمال کیا جاتا تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ مالکِ ملک نے یہ سب کچھ دیگر کسی فرض و واجب کو ادا فرمایا ہو حالانکہ اس پر کوئی چیز لازم و فرض نہیں وہ جو کچھ بھی عطا فرماتا ہے یا عطا فرمائے گا یہ محض اس کا فضل و کرم ہے اور لطف و نوازش ہے لہٰذا اعطینا

فرمایا تاکہ ہر وہم وگمان کا شائبہ بھی باقی نہ رہے اور جب یہ واضح ہو گیا کہ یہ عطا و بخشش کسی حق کی ادائیگی نہیں بلکہ عطاءِ محض ہے تو یہ بھی واضح ہو گیا کہ اس عطاء میں انقطاع اور تعطل نہیں ہوگا کیونکہ کریم جب اپنے فضل و احسان کی بارش برسانا شروع کرے تو پھر اسے بند کرنا اس کی شانِ کریمی کے لائق نہیں ہوتا بلکہ اس میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا ہے۔ نیز واجب و فرض کی ادائیگی میں مقدارِ واجب سے تجاوز نہیں کیا جاتا لیکن جب فضل و محض ہے تو اس میں کوئی حد معین اور مقدار محدود نہیں ہوگی بلکہ یہ عطا اتنے وقت تک جاری رہے گی جب تک محبوب راضی نہیں ہوگا وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى "تمہیں تمہارا رب اتنا عطا کرے گا، بس پھر آپ راضی ہو جائیں گے" گویا ہماری عطا کا پیمانہ تمہاری رضا ہے۔

نیز مقامِ عطا میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال اور مطالبہ کو ذکر نہیں فرمایا کیونکہ اگر ان کا سوال اور مطالبہ مذکور ہوتا تو ہر آدمی کہتا کہ یہ عطا اس سوال اور عرضداشت کے مطابق ہوگی۔ جب کسی آرزو اور تمنا کا ذکر نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ یہ عطا معطیِ کریم اور جوادِ مطلق کے شایانِ شان ہوگی اور جب عطا کرنے والا غیر محدود اور غیر متناہی قدرتوں اور خزانوں کا مالک ہے تو عطا بھی حد و نہایت سے منزہ اور پاک ہوگی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں مدارج النبوۃ جلد اول اور اخبار الاخیار :-

هر مرتبه که بود در امکاں بروست ختم
هر نعمتے که داشت خدا شد برو تمام
برداشت از طبیعتِ امکاں قدم که او
اسریٰ بعبده سبحٰن من المسجد الحرام
تا عرصهٔ وجوب که اقصائے عالم است
کانجا نه جاست نے جهت نے نفس نه نام
شاهِ رسل شفیعِ امم خواجهٔ دو کون
نورِ هدیٰ حبیبِ خدا سیدِ انام

مقصود ذاتِ اوست دگر جملگی طفیل!
مقصود نورِ اوست دگر جملگی ظلام

حکمتِ تاسعہ الله تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں کئی وجوہ سے تاکید فرمائی ہے جملہ اسمیہ ذکر فرمایا، خبر جملہ فعلیہ ہے اور لفظِ "اِنّ" کے ساتھ ابتدا کی گئی ہے جو مقامِ قسم میں ذکر کیا جاتا ہے اور معنی یہ بنا بے شک ہم نے ہی آپ کو عطا کیا اور صاحبِ عقل و دانش یہ جانتا ہے کہ ایسی کلام اس وقت ذکر کی جاتی ہے جب مخاطب متردد ہو یا منکر ہو۔ کلام میں ریب و تردد کی گنجائش ہو۔ یہاں کلام کرنے والا رب العالمین ہے اور مخاطب رحمۃ للعالمین ہے۔ الله تعالیٰ کی ذات و صفات کی جتنی معرفت اس نبی رحمت صلی الله علیہ وسلم کو حاصل ہے اتنی کسی اور مخلوق کو حاصل نہیں نہ کسی فرشتہ و رسول کو اور نہ ہی جن و بشر کو۔ تو پھر یہ ممکن ہی نہیں کہ آپ کو شک و تردد پیدا ہو اور الله تعالیٰ اس کو زائل فرمانے کے لئے کلام میں اتنی تاکیدیں ذکر فرمائے۔

لیکن جب الله تعالیٰ نے اتنی عطا و بخشش کو ذکر فرمایا جو بہت کم ہی کسی کے حصہ میں آسکتی ہو۔ تو سننے والوں کو جو الله تعالیٰ اور اس کے حبیبِ کریم کے درمیانی تعلق کو اور باہمی محبت و محبوبیت کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ اس میں تردد ہو سکتا تھا بلکہ انکار کی نوبت آسکتی تھی اس لئے تاکیدیں ذکر فرما کر اور پہلے اپنا ذکر فرما کر ان کے وہم و گمان اور ریب و تردد کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا اور فرمایا عطیہ کو دیکھنے سے پہلے عطا کرنے والے کو دیکھو وہ کتنا عظیم ہے اکس قدر سچے قول اور پکے وعدے والا ہے لہٰذا کسی کو جائز نہیں کہ وہ اس مقام میں انکار اور بے یقینی کی راہ پر چل کر اپنی عاقبت برباد کرے۔

نیز یہ بھی قانون ہے کہ کبھی متکلم اپنی کلام میں تاکیدیں ذکر کرتا ہے اور مخاطب نہ منکر ہوتا ہے نہ متردد اور نہ ہی کسی دوسرے کے تردد اور ریب و شک کو زائل کرنا مقصود ہوتا ہے بلکہ محض اپنی رغبتِ کاملہ، قلبی توجہ اور دلچسپی کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ اس حکم و خبر کی اہمیت، اس کی عظمت و وقعت اور اس کے مدلول و مفہوم کے ساتھ دلی محبت والفت

کا اظہار مقصود ہوتا ہے جیسا کہ منافقین جب مسلمانوں کے پاس آتے تو انہیں کہتے "امنا"
"ہم ایمان لے آئے ہیں" اور اپنے کفر و عناد سے باز آگئے ہیں لیکن جب ان سے الگ ہوتے
اور اکابرِ کفار کے پاس پہنچتے تو کہتے انا معکم انما نحن مستھزءون "ہم تو ہمیشہ
ہمیشہ کے لئے تمہارے ساتھ ہیں اور یہ بات یقینی اور قطعی ہے اور مسلمانوں کو جو کچھ کہتے ہیں وہ
حقیقت پر مبنی نہیں اس کا تعلق صرف زبان سے ہے اور دل میں تو کفر و نفاق اور بغض و عناد
راسخ ہے ہم تو یقیناً ہمیشہ کے لئے ان کے ساتھ استہزاء اور ٹھٹھا کرنے والے ہیں"
انہوں نے اپنی اس کلام کو کئی وجہ سے موکد کیا۔ اسمیتِ جملہ بھی موجود ہے۔ اِنَّ
بھی مذکور ہے اور کلمۂ حصر اِنَّمَا بھی موجود ہے اور ایک مقصد کے لئے دو قریب المعنیٰ جملوں کا
تکرار بھی۔ یہ سارے وجوہ کسی کے انکار و تردد کو زائل کرنے کے لئے نہیں ورنہ مومنین کے
سامنے جو کلام کی تھی اس میں تاکید کی جاتی۔ وہاں ایک وجہِ تاکید بھی مذکور نہیں بلکہ محض عقائدِ کفریہ
اور نظریاتِ باطلہ سے قلبی ربط و تعلق اور کفار و مشرکین کی معیت و رفاقت کے ساتھ قلبی میلان
اور دلی رغبت بیان کرنا مقصود ہے اور مسلمانوں کے ساتھ دائمی فریب کاری اور دھوکا بازی
کے جنون اور شوق کا اظہار مطلوب ہے ورنہ ان کے مخاطب نہ ان کی معیت کے منکر ہیں نہ ان کے
کفر و نفاق میں کلام۔ لہٰذا اس قاعدہ کی بنا پر قطع نظر سامعین اور معاندین کے تردد و ارتیاب
اور اس کے ازالہ و ابطال کے اللہ تعالیٰ کو اپنی عنایت اور نظرِ التفات بیان کرنا منظور ہے اور
اپنے حبیب کے لئے اتمامِ نعمت اور تکمیلِ مکارمِ اخلاق اور رفعتِ درجات لطفِ عمیم اور عطاءِ
جزیل اکرمِ عام اور فیضِ تام کے ساتھ اپنی رغبت و محبت کا بیان مطلوب ہے اور قرآنِ پاک
میں بے شمار مقامات پر کلامِ پاک میں یہ اسلوب اختیار فرمایا گیا اور اپنے رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ و
التسلیم کی تربیت و تکمیل اور تعظیم و توقیر کے مقام پر اس اندازِ بیان کو اپنایا گیا ہے یاایھا النبی
انا ارسلنٰک شاھدًا و مبشرًا و نذیرًا و داعیًا الی اللہ باذنہٖ و سراجًا منیرًا۔
قد نریٰ تقلب وجھک فی السماء فلنولینک قبلۃً ترضاھا۔ وللاٰخرۃ
خیر لک من الاولیٰ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ ، وغیرھا
من الاٰیات ...

فصلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ قدرہ حسنہ وجمالہ وجاہہ وجلالہ وبرہ ونوالہ۔

حکمت عاشرہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مقام انعام وعطا میں پہلے اپنا ذکر فرمایا انا اعطینٰک الکوثر۔ یقیناً ہم نے آپ کو کوثر اور خیر کثیر عطا فرمایا۔"

حالانکہ مقام کا تقاضا یہ تھا کہ عطاء وبخشش کا ذکر پہلے کیا جاتا اور عطا کرنیوالے کریم وجواد کا ذکر بعد میں ہوتا لیکن اس مربیٔ حقیقی نے اپنی ذات کو پہلے ذکر فرما کر اور عطیہ کو بعد میں ذکر فرما کر اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ تعلیم دی ہے، آپ کی اخلاقی تربیت اور تکمیل فرمائی ہے کہ اے حبیب! ہم نے آپ کو سب نعمتوں سے سرفراز فرمایا، خزائن ملک و ملکوت کا مالک ومختار بنایا اور قوت ظاہری وباطنی اور ارزاق روحانی وجسمانی کا قاسم بنایا لیکن بایں ہمہ تمہاری تمام تر توجہ اور التفات صرف عطا کرنے والے پر مرکوز ہونا چاہیئے اور نظر ہمت اسی میں منحصر اور مقصور رہنی چاہیئے اور تمہارا مطلوب ومقصود صرف میری ذات ہونی چاہیئے اور ان عطاؤں کیطرف دھیان ومیلان ہو تو صرف اسی صورت میں کہ یہ اسی کریم ورحیم کی عطا کی ہوئی ہیں اور انہیں اس کی طرف ایک خصوصی نسبت اور تعلق ہے اور محض ان عطیات وہدیات میں مصروف ومشغول رہ جانا یہ تمہارے منصب ومرتبہ کے لائق نہیں۔

اگر ہم سیرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی عبودیت اور عبدیت مخصوصہ کو اس تعلیم وتربیت کے آئینہ میں ملاحظہ کرنا چاہیں تو معلوم ہوگا کہ اس عظیم المرتبت رسول نے باقی نعم وعطیات میں انہماک واستغراق تو درکنار اپنی ذات کی طرف توجہ والتفات اتنے وقت تک نہیں کیا جب تک پہلے مالک وخالق حقیقی کیطرف توجہ والتفات نہیں کیا۔ ہجرت کے وقت غار ثور میں جلوہ فرما ہیں۔ کفار غار کے سر پر کھڑے ہیں، یار غار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں اگر وہ اپنے قدموں کیطرف دیکھیں تو ان کی نظریں سیدھی ہم پر پڑیں گی اور وہ آپ کو ایذا رسانی کی ہر ممکن کوشش کریں گے فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا غم نہ کیجیئے بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

ذاتِ خداوندی کا ذکر پہلے فرمایا اور اپنا ذکر بعد میں کیا لیکن ایسے ہی مقام پر حضرتِ موسٰے علیہ السلام کا کلام ملاحظہ کریں تو واضح ہو جائے گا کہ مقامِ کلیم اللہ علیہ السلام کیا ہے اور مقامِ حبیبِ خدا علیہ التحیۃ والثنا کیا ہے۔ حضرتِ موسٰے علیہ السلام دریا کے کنارے پہنچے، بنی اسرائیل ساتھ ہیں، دریا عبور کرنے کا کوئی ظاہری ذریعہ نہیں، پیچھے سے فرعون اپنے لشکر سمیت آپہنچا، بنی اسرائیل پکار اٹھے انا لمدرکون۔ "اب ہم قابو آگئے اور پکڑے گئے"۔ حضرتِ موسٰے علیہ السلام نے فرمایا کلا ان معی ربی "ہرگز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے"۔

پہلے اپنا ذکر فرمایا اور پھر اپنے رب تعالٰے کا، تو معلوم ہوا کہ مقامِ حبیب علیہ السلام یہ ہے ما رأیت شیئا الا رأیت اللہ قبلہ "جس شئی پر نظر پڑی اس سے پہلے اس کے خالق کا جلوہ نظر آیا" اور مقامِ کلیم یہ ہے ما رأیت شیئا الا رأیت اللہ بعدہ، "جس شئی کو دیکھا اس نے اپنے خالق کا راستہ بتلایا"۔ وشتان بینھما۔

معراج شریف کے موقع پر پہلے ذاتِ خداوندی تک وصول، اس کے حریمِ قدس میں رسائی ما زاغ البصر وما طغی کی شان سے اس کا دیدار، نگاہوں کو اپنے محبوبِ حقیقی سے ادھر ادھر پھیرے بغیر اس کا مشاہدۂ انوار، پھر اس کے بعد فاوحی الی عبدہ ما اوحی کے سمندرِ علوم میں غوطہ زنی، فعلمت ما فی السموات والارض و تجلی لی کل شیٔ وعرفت "اس کے دستِ بے کیف کے دو کندھوں کے درمیان رکھے جانے کے بعد کائنات ارضی و سماوی، مخلوقات علوی و سفلی میں سے ہر چیز کی معرفت و واقفیت"، اس مرتبہ کمال کی اعلیٰ مثال ہے اور مقامِ حبیب کی روشن دلیل ہے۔ خلیل علیہ السلام بھی ملکوت آسمان و زمین دیکھ کر اس صانع و خالق کیطرف رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام بھی علم اسماء و کائنات سے مالک الملک کا پتہ پاتے ہیں لیکن حبیبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کا یہ رتبہ علیا ہے کہ پہلے قصرِ دنی فتدلی میں فکان قاب قوسین او ادنی کی قربتوں میں جلوۂ ذات کا نظارہ فرمایا اور اسی کی ذات میں گم ہو کر اس کے سارے مظاہر و آثار کا مشاہدہ فرمایا، فسبحٰن الذی اسری بعبدہ لیلاً

[illegible]

من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا انہ ھو السمیع البصیر۔ انا اعطینٰک الکوثر۔

نیز اس آیۂ پاک میں مسند الیہ اور محکوم علیہ یعنی "اِنَّا" کو مسند اور محکوم بہ یعنی جملہ فعلیہ (اعطینٰک) پر مقدم فرمایا جس سے حکم میں تقویت بھی پیدا ہوگئی اور تحقیق و تاکید مزید بھی حاصل ہوگئی اور اس کے ساتھ تخصیص اور حصر کے معنے پر تنصیص بھی ہوگئی یعنی اس عطاء و بخشش میں ماسوی اللہ کی مداخلت و مشارکت یا غیر اللہ کی انفرادیت و استقلال وا لے وہم کو زائل و باطل کر کے اس انعامِ جزیل اور اکرامِ عظیم کو صرف اپنی ذات کے ساتھ مختص کر دیا اور فرمایا صرف میں نے ہی آپ کو لا محدود و غیر معدود اور بے نہایت و غایت عطاؤں سے سرفراز فرمایا اگرچہ ساری کائنات تمہاری مدح و ثنا اور تعظیم و تکریم میں مصروف ہے اور آپ کی طاعت و غلامی میں مشغول ہے لیکن آپ کی تکمیل اور تربیت و تہذیب میں مَیں ہی متفرد ہوں اور کسی دوسرے کا آپ پر کوئی احسان نہیں اور عطاء مراتب و کمالات میں حصہ نہیں۔ یتیمی کے زمانہ میں مسندِ عزت و تکریم پر بٹھایا تو ہم نے اَلَمۡ یجدک یتیمًا فاٰوٰی۔ عشق و جذب کی وارفتگیوں سے نکال کر مقامِ استقامت پر پہنچایا تو ہم نے وَ وجدک ضالا فھدیٰ۔ ہر قسم کی محتاجی اور مجبوری سے بے نیاز کیا تو ہم نے وَ وجدک عائلا فاغنیٰ۔ آپ کے سینہ اور دل اقدس کو وسعت و فراخی بخشی تو ہم نے اسے عالمِ غیب و شہادت کے اسرار و رموز کا گنجینہ بنایا تو ہم نے الم نشرح لک صدرک۔ تمہارے اوپر سے بھاری بوجھ کو اتارا تو ہم نے ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک۔ تمہارے ذکر کو اولین و آخرین میں، ملک و ملکوت میں، عالمِ بالا و اسفل میں بلند کیا تو ہم نے ورفعنا لک ذکرک۔

جب میرا ہر فعل تمہارے لئے ہے تو تمہارا ہر فعل میرے لئے ہونا چاہیے

فصل لربک وانحر صرف اپنے رب کے لئے سرِ نیاز خم کیجئے اور عبادات بدنیہ اور مالیہ ادا کیجئے قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العلمین لاشریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین ٥

قولہ تعالےٰ انا اعطینٰك الكوثر،

لفظ کوثر کے مفسرین کرام نے بہت سے معانی و مطالب بیان فرمائے ہیں جن میں سے ہر ایک پر دلائل و شواہد موجود ہیں۔ ہر معنے قدرِ محبوب کے لائق ہے اور ہر ایک ان کی ذاتِ والاصفات کو حاصل ہے۔ کوثر کا لفظی و لغوی معنی کثرت ہے اور کثرت ہی کثرت جو اعداد و شمار اور گنتی و حساب سے باہر ہو الکوثر الشیءُ الکثیر کثرۃ مفرطۃ۔ الکوثر کی تفسیر میں جو معنے بھی ذکر کیا جائے اس میں اس کثرت کا اعتبار و لحاظ ضروری ہے اور انشاء اللہ العزیز ہر معنے میں یہ وضاحت کی جائیگی کہ اس خوبی اور نعمت و کمال کو کوثر سے تعبیر کیوں کیا گیا ہے اور دوسرے موزون الفاظ کی موجودگی میں اس عنوان کو کیوں ترجیح دی گئی ہے۔

الکوثر (نہرِ جنت)

۱۔ "الکوثر" سے مراد جنت کی وہ نہر ہے جس کی تعریف و توصیف خود محبوبِ کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے اپنی زبان اقدس سے فرمائی۔ اس کے کنارے موتیوں سے بنے ہوتے ہیں۔ اس کی تہ خالص کستوری سے ہے۔ پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے جس پر ایسے پرندے ہیں جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی مانند ہیں۔ جو ان پرندوں کا گوشت کھالے گا اور اس نہر کا پانی پی لے گا وہ پھر کبھی بھوک اور پیاس محسوس نہیں کرے گا۔ اس کے بعد انکا کھانا پینا محض تلذذ کے طور پر ہوگا نہ کہ بھوک اور پیاس دور کرنے کے لئے۔

دنیا کی ہر نہر اور جنت کی دوسری تمام نہروں کو لفظِ نہر سے ہی تعبیر کیا گیا ہے تو اس قاعدہ اور اطلاق و استعمال کی رُو سے اسے بھی لفظِ نہر سے ہی تعبیر کیا جانا چاہیئے تھا لیکن اسے کوثر کہہ کر واضح فرما دیا کہ دنیا و آخرت کی کسی نہر کو اس نہر سے نسبت نہیں ہے جو میں نے اپنے محبوب کو عطا کی ہے۔ اس نہر کا پانی سب سے زیادہ، اس میں منافع اور فوائد سب سے زیادہ، اس سے سیراب ہونے والے سب سے زیادہ بلکہ جنت کی تمام انہار کا منبع اور سرچشمہ بھی یہی ہے۔ وہ سب نہر کہلانے میں، جاری رہنے میں، پیاسوں کو سیراب کرنے

[illegible] وغیرہ [illegible]

ہیں اس کی طرف محتاج ہیں۔ تمام انبیاء کرام اور امم سابقہ جن نہروں سے اپنی پیاس اور تشنگی دور کریں گے وہ محبوبِ خدا محمدِ مصطفٰے علیہ التحیۃ والثنا کی اس نہر سے ہی جاری ہوں گی لہذا یہ نہر نہر نہیں بلکہ کوثر ہے اس لئے فرمایا انا اعطینٰک الکوثر۔

۲۔ الکوثر (حوضِ کوثر)

یہ وہ حوض ہے جو میدانِ محشر میں ہوگا اور گرمیٔ محشر سے گھبرائے ہوئے امتیوں کو حساب و میزان کی ہولناکیوں سے پریشان غلاموں کو اس حوض پر ساقیٔ مئے وحدت کے دستِ اقدس سے ایک جام ملے گا تو ساری تلخی اور گھبراہٹ کافور ہو جائے گی، دل کو آرام و سکون نصیب ہوگا اور پھر کبھی پیاس نہ ستائے گی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان موعدکم الحوض وانی لانظر الیہ وانا فی مقامی ھذا "میری اور تمہاری ملاقات کا مقامِ موعود حوضِ کوثر ہے اور میں اب اپنے اس مقام پر کھڑا ہونے کے باوجود اس حوض کو دیکھ رہا ہوں" و لا نیتہ اکثر من نجوم السماء "اس حوض پر جو برتن رکھے ہوئے ہیں وہ آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہیں" سن وایاہ سواء "اس کے کنارے برابر اور مربع شکل کے ہیں، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ لذیذ و شیریں ہے۔

سوال:۔ پہلا اور دوسرا معنٰے ایک ہی لفظ سے اسی خاص استعمال میں مراد لیا جانا بعید ہے کیونکہ ہر ایک دوسرے سے مقام کے لحاظ سے مختلف ہے، شکل و صورت میں الگ ہے۔ نہر کوثر جنت میں اور حوض کوثر محشر میں ہوگا لہذا دونوں مراد لینا کیسے مناسب ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ یہ دونوں معانی یہاں مراد لینے میں کوئی بُعد نہیں بلکہ آیتِ کریمہ میں دونوں کی بشارت دی گئی ہے میدانِ محشر میں اور جنت میں بھی محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو یہ امتیازی مقام حاصل ہوگا۔ درحقیقت کوثر جنت کی اس نہر کا نام ہے جس کی خصوصیات پہلے بیان ہو چکی ہیں لیکن محشر کی شدت و سختی کے پیش نظر

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اس کے پانی سے اس حوض کو جاری کر دیا جائے گا تاکہ اس میدانِ آزمائش وامتحان میں اس کوثر سے پیاسوں کی پیاس کو دور کر دیا جائے۔

حدیث پاک میں ہے فیہ میزابان یمدانہ من الجنۃ احدھما من ذھب والاخر من ورق۔ "اس حوض میں جنت کیطرف سے دو پرنالے جاری کئے جائیں گے جو اس پانی کو ختم نہیں ہونے دیں گے ایک سونے کا ہوگا اور دوسرا چاندی کا۔ لہٰذا جب وہ نہر کوثر ہے تو یہ حوض جو اسی کے پانی سے لبریز ہوگا، بھی کوثر ہے۔

سوال: نہرِ کوثر ہو یا حوضِ کوثر، وہ قیامِ قیامت کے بعد اس سیدِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں آئیں گے نہ یہ کہ زمانہ ماضی میں ان پر قبضہ و تصرف دیدیا گیا لہٰذا موزوں تو یہ تھا کہ فرمایا جاتا انا نعطیک الکوثر "ہم آپ کو کوثر عطا کریں گے" حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہم نے آپ کو عطا کر دیا لہٰذا یہ دونوں معانی مراد لینے کیونکر صحیح ہو سکتے ہیں۔

جواب: حوضِ کوثر پر قیامت کے دن اور نہرِ کوثر پر جنت میں داخل ہونے کے بعد سیدِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف واقتدار ظاہر ہوگا نہ یہ کہ مالک اس وقت بنایا جائے گا گویا باری تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ ہم نے یہ حوض اور نہر آپ کو عطا کر دیئے خواہ ان پر قبضہ آپ عالمِ آخرت میں کریں بلکہ ہم نے تمہارے ظہور فرمانے سے قبل انہیں تمہارے لئے مختص کر دیا ہے وہ تمہارا حق ہے لہٰذا نہر کوثر اور حوضِ کوثر حبیبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ملک میں ہے اور اب تصرف نہ کرنے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ آپ کے ملک سے باہر ہوں بلکہ سید اولادِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج اس کا مشاہدہ فرمایا اس کے پانی کی لطافت و نظافت، اسکی خوشبو و نکہت، حسن منظر اور رنگت کا ملاحظہ فرمایا۔ حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا ما ھذا یا جبرائیل قال ھذا الکوثر الذی اعطاک ربک۔ "اے جبریل! یہ کیا ہے عرض کیا یہ وہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے لہٰذا اس پر قبضہ و تصرف بھی ثابت ہوگیا گویا

قیامت میں اور جنت میں جو تصرف ظاہر ہوگا وہ امت کے لحاظ سے ہے نہ کہ ذاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لحاظ سے، فالحمد للہ علیٰ ذلک ۔

الکوثر (اولادِ پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم)

اس آیتِ پاک میں الکوثر سے مراد اولادِ پاک اور نسلِ اطہر ہے اور محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشارت دی گئی ہے کہ آپ کی نسلِ پاک بے حد وحساب ہوگی اور تمام قبائل واقوام سے زیادہ ہوگی۔ کوئی قبیلہ اور قوم گنتی وشمار اور فضائل وکمالات کے لحاظ سے ان کی برابری نہیں کرسکے گی۔

جب حضرتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ وصال فرماگئے تو کفار ومشرکین نے آپ کو "ابتر" کہنا شروع کردیا۔ ان کا گمان یہ تھا کہ رسول وپیمبر کی اولاد صلبی نہیں جو کہ ان کی قائم مقام ہو اور ان کے دین ومذہب کو جاری رکھ سکے لہٰذا یہ سلسلہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکے گا اور یہ مذہب بہت جلد ختم ہوجائیگا۔

اللہ تعالےٰ نے اس آیتِ کریمہ میں کفار ومشرکین اور معاندین کے اس واہمہ کو زائل فرمایا اور محبوب ومطلوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی کہ اے میرے رسول میں نے آپ کو اتنی اولاد عطا فرمائی ہے کہ وہ قیامت تک ختم نہ ہوگی اور یہ مسلک ومذہب اور دین وملت ان کے فیوض وبرکات سے ہمیشہ قائم ودائم رہے گا۔ ان کی مخلصانہ اور بے لوث مساعیٔ جمیلہ سے دینِ اسلام کا پودا ہمیشہ تروتازہ اور سرسبز وشاداب رہے گا۔

اس غیبی خبر کی صداقت اور حقانیت کا اندازہ کیجئے اور پیغمبرِ آخرالزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس معجزہ کی واقعیت اور حقیقت کا ملاحظہ کیجئے وہ گستاخ وبے ادب اور طعنہ زن کفار نیست ونابود ہوگئے لیکن دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہ ہوگا جہاں آنحضور شافعِ یوم النشور علیہ السلام کی اولادِ پاک اور سادات موجود نہ ہوں۔ وہ دشمن جنہوں نے اہلِ بیت کو دنیا سے مٹانے کی کوشش کی وہ خود مٹ گئے لیکن اہلِ بیتِ نبوت کو نہ مٹاسکے، آج نہ یزید ہے نہ ابنِ زیاد، نہ ان کا نام ونشان لیکن ایک عابدِ بیمار حضرت امام زین العابدین رضی

اللہ عنہ کی نسلِ اقدس میں اللہ تعالیٰ نے وہ برکت عطا فرمائی کہ تمام اطراف و اکنافِ عالم میں یہ نوری نسل پھیلی ہوئی ہے اور شفیعِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتابِ حسن و جمال کی یہ نورانی کرنیں اہلِ جہاں کے دلوں کو منور کئے ہوئے ہیں اور تمام عالم کے لئے سرچشمۂ رشد و ہدایت بنی ہوئی ہیں۔

ربِ کریم جل و علا نے انہیں مختلف خصوصیات سے سرفراز فرمایا اور ہر ایک کو نبی پاک صاحبِ لولاک علیہ الصلاۃ والسلام کے حسن و کمال کا مظہر بنایا اور ہر ایک سے محبوب کی نئی شان کو ظاہر فرمایا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شجاعت و جرأت، حق گوئی و بے باکی ساری دنیا کے لئے عظیم مثال ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی جود و عطا، صبر و حوصلہ اہلِ عالم کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ سید الشہداء امام حسین نے اپنے خون سے کشتِ ملت کی آبیاری کی اور گلشنِ اسلام کو سرسبز و شاداب کیا۔ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت و امارت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر کے امتِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کو کشت و خون اور افتراق و انتشار سے محفوظ فرمایا اور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی بشارت کو پورا کر دکھایا "ابنی ھذا سید یصلح اللہ بہ بین الفئتین العظیمتین من المؤمنین" میرا یہ بیٹا عظیم سردار ہے جس کی بدولت اللہ تعالےٰ مؤمنین کے دو گروہوں میں اتحاد و اتفاق اور اصلاح و اخلاص پیدا فرمائیگا۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اپنے زہد و تقوےٰ کے لحاظ سے سب زُہّاد اور متقین کے لئے امام و پیشوا اور سب عابدین کے لئے سرمایۂ عز و افتخار، امام محمد باقر رضی اللہ عنہ اپنی خدا داد فہم و فراست اور ذہانت و بصیرت کی بدولت سب علوم پر حاوی و غالب، ہر مسئلہ و عقدہ کی تہ تک پہنچنے والے ہیں اور اسی بناء پر باقر کا لقب پانیوالے ہیں، امام جعفرِ صادق رضی اللہ عنہ ایسے عالم و فاضل اور مجتہد کامل کہ امام ابو حنیفہ جیسے مقتداء زمانہ بھی ان کے شاگرد اور فیض یافتہ اور انہی کے خرمنِ علم سے خوشہ چیں ہیں۔

حضرت شیخ عبد القادر الجیلانی رضی اللہ عنہ گلستانِ زہراء رضی اللہ عنہا کے

وہ پھول جن سے حسنی و حسینی نکہت بیک وقت مشامِ جان کو معطر کرتی ہے جو ملکِ معنی اور عالمِ حقیقت کے تاجدار ہیں، سلطنتِ روحانیت کے شہنشاہ ہیں اور تمام اولیائے زمانہ، اغواث و اقطاب وقت کی گردنوں پر ان کا قدم ہے قدمی ھذا علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ "میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے"۔ اعلیٰحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

جس کی منبر بنی گردنِ اولیاء

اس قدم کی کرامت پہ لاکھوں سلام

خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ جو حسنی حسینی باغ کے نادیدہ خزاں پھول ہیں جنہوں نے کفرستانِ ہند میں شمعِ اسلام کو روشن فرما کر لاکھوں دلوں کو نورِ ایمان سے منور فرمایا اور جن کے فیضِ تربیت سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جیسے ولی کامل پیدا فرمائے جنہوں نے اپنے نورِ ولایت سے بلاواسطہ اور بالواسطہ ایسے چراغِ ولایت روشن کئے جنہوں نے ایک عالم کو نورِ ہدایت سے منور فرمایا، فریدالملۃ والحق بابا فریدالدین گنجشکر رضی اللہ عنہ ان کی نگاہِ لطف سے شیخ الاسلام بنے اور اسی دنیا پر بہشتی دروازہ کھولا اور نظام الدین محبوبِ الٰہی رضی اللہ عنہ مقامِ محبوبیت پر فائز ہوئے اور دنیا کا شاید ہی کوئی گوشہ ہو جس میں ان کے روحانی فرزند اور معنوی اولاد دنیا والوں کے لئے روشنی کا مینار نہ بنے ہوتے ہوں اور اہلِ عالم کو اپنے انفاسِ قدسیہ سے بابرکت نہ بنا رہے ہوں۔

الغرض اہل بیت کے یہ انوار فسق و فجور اور کفر و الحاد کی تاریکیوں میں مینارِ نور ثابت ہوئے اور کشتیٔ امت مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے لئے ناخدا، اہلِ بیت کے ان نونہالوں اور گلشنِ مصطفوی کے ان نادیدہ خزاں پھولوں کی طہارت و پاکیزگی، نزاہت و پاکدامنی پر قرآنِ پاک شاہدِ صادق ہے اور دلیلِ ناطق ہے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرًا "اے اہلِ بیت نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ نے تمہارے اصل اور خمیر کو نورانی بنایا۔ اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ انوار سے تمہیں پیدا فرمایا اور تمہارے ظاہر کو بھی ہر قسم کی نجاست اور پلیدی سے

محفوظ فرمایا۔ اعلیحضرت عظیم المرتبت فاضل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:۔

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا

خونِ خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر — ان کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام
آبِ تطہیر سے جس میں پودے جمے — اس ریاضِ نجابت پہ لاکھوں سلام
پارہائے صحف، غنچہ ہائے قدس — اہلِ بیتِ نبوت پہ لاکھوں سلام

الحاصل اللہ تعالٰے نے اپنے پیارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو وعدہ فرمایا بلکہ انہیں جو مژدہ سنایا اسے اس طرح پورا فرمایا کہ نہ اعداد و شمار اور گنتی و حساب میں اولادِ پاک مصطفٰے علیہ افضل الصلوات والثنا کی برابری ہوسکتی ہے اور نہ ہی شرف و فضل، رفعت و مرتبت اور بلندی درجات و کمالات کے لحاظ سے ان پر کسی کو برتری کا دعوٰی ہوسکتا ہے اسی لئے فرمایا کہ تمہاری اولاد تو کوثر ہے۔ کفار و مشرکین اور مخالفین و معاندین کا یہ وہم و گمان لغو و باطل ہے۔ آپ کے دل پر ان کی بے ادبیوں اور گستاخیوں سے گرد ملال نہیں آنا چاہیے فسیکفیکھم اللہ والسمیع العلیم۔

نکتہ

والدہ کی نسبت مغلوب ہوتی ہے اور باپ کی نسبت غالب ہوتی ہے اور تمام نسل باپ کیطرف ہی منسوب ہوتی ہے لیکن سیدِ ولدِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کی لختِ جگر، نورِ نظر حضرتِ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی اولادِ پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب ہے۔

حضرتِ حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا ابنی ھٰذا سید " میرا یہ بیٹا سردار ہے۔" جب ان کی ولادت ہوئی تو حضرتِ علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے پوچھا ماسمیت ابنی " تو نے میرے بیٹے کا نام کیا رکھا؟"

جب امامِ حسین رضی اللہ عنہ کا تولد ہوا تو اسوقت بھی حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ سے یہی پوچھا کہ تم نے میرے بیٹے کا نام کیا رکھا؟ پھر حضرتِ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کی تجویز کے برعکس

ان دونوں شہزادوں کا نام حسن و حسین رکھا۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا
لکل بنی اب عصبۃ الا ابنی فاطمۃ فانا ولیہما وعصبتہما "ہر مولود کی اپنے والد کی طرف سے برادری ورشتہ داری ہوتی ہے لیکن سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کے دونوں صاحبزادوں کا ولی اور سرپرست میں ہوں اور ان کا قبیلہ و خاندان حسب و نسب مجھ سے ہے۔
بعض روایات میں ہے کہ آقائے دوجہاں علیہ السلام نے فرمایا من فرق بینی و بین آلی بعلی فہو کذا وکذا "جو شخص میری اولاد اور میرے درمیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے فرق کرے اور کہے یہ حضرت علی کی اولاد ہے اور نبی الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نہیں وہ ملعون و مردود ہے اور ذلیل و رسوا ہے۔
سوال :- اولادِ پاک اور نسلِ اطہر کی یہ بشارت اور خوشخبری صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہونے والے اہلِ بیت اطہار کے حق میں صادق آتی ہے حالانکہ محبوب رب العالمین علیہ صلوٰۃ اللہ والملٰئکۃ اجمعین کی صاحبزادیاں چار تھیں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہن، جیسا کہ کتبِ احادیث و سیر اور تواریخ سے ثابت ہے اور قرآنِ کریم میں اس کی طرف واضح اشارہ موجود ہے فرمایا یا ایہا النبی قل لازواجک و بناتک و نساء المؤمنین یدنین علیہن من جلابیبہن "اے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی ازواج مطہرات اور اپنی صاحبزادیوں اور تمام مومنین کی بیویوں کو فرمادیں کہ وہ اپنی چادروں کو اچھی طرح اپنے اوپر لپیٹ لیں تاکہ پہچانی نہ جاسکیں اور حجاب و ستر میں کمی نہ آنے پائے۔
لفظِ بنات جمع ہے اور عربی لغت میں جمع تین سے کم پر اطلاق نہیں کی جاتی اور زیادہ کی حد نہیں ہوتی اسی لئے فارسی اور اردو میں واحد کے بعد جمع کا درجہ ہے لیکن عربی میں واحد کے بعد تثنیہ (دو) اور پھر جمع کا مرتبہ ہے لہٰذا حضور کی صاحبزادیاں اس آیت کے پیشِ نظر تین سے کم نہیں اور ازواج اور نساء دونوں جمع کے لفظ ہیں جن سے تعدد و تکثر صاف ظاہر ہے اور مراد بھی لہٰذا اگر آپ کی نورِ نظر متعدد نہ ہوتیں

تو دو جموں کے درمیان بیٹیوں کو لفظِ جمع کے ساتھ ذکر نہ کیا جاتا کیونکہ اس سے تعدد اور کثرت کا متوہم ہونا یقینی تھا اور قرآن پاک جو کہ سرچشمۂ ہدایت ہے وہ اس مغالطہ اور گمراہی میں بھی ضرور ہدایت فرماتا لیکن اس کے برعکس یہاں خود قرآن کریم سے یہ گمراہی لازم آئے گی (نعوذ باللہ منہ) نیز اگر روحانی بیٹیاں مراد ہوتیں تو مومنین کی بیویاں بھی روحانی اولاد میں انہیں الگ ذکر نہ کیا جاتا لہٰذا قرآن کریم کے اس ارشاد اور بیشمار روایات کی موجودگی میں دوسری تین صاحبزادیوں کی اولاد کے حق میں اس بشارت کا نہ پایا جانا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ یہ مژدہ ان کے حق میں صادق آنا ضروری تھا اور یہ فضیلت ان کی ذاتوں میں پائی جانی قطعی تھی لہٰذا تم اس بشارت کو صرف حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولادِ پاک میں منحصر کر دینا صحیح نہیں۔

جواب: نبی الانبیاء، فخر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ امجاد صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے چلی اور حضرت زینب اور حضرت - - - - - - - - - - - - - رقیہ رضی اللہ عنہا سے اگرچہ اولاد ہوئی لیکن وہ زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکی اور ان سے آگے سلسلہ اولاد جاری نہ ہو سکا۔

حضرتِ زینب رضی جن کا نکاح ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے تھا اسے ایک لڑکا پیدا ہوا جو کہ بلوغت سے پہلے ہی راہئ ملکِ بقا ہو گیا اور حضرتِ رقیہ رضی اللہ عنہا جن کا نکاح عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہوا جو کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن اروی بنت ام حکیم بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے ہیں، سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا تولد ہوا لیکن وہ بھی چھ سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ سے واصل ہو گئے اور حضرتِ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے وصال فرمانے کے بعد حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا لیکن ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی اور وہ وصال فرما گئیں۔

لہٰذا یہ بشارت اس بنا پر حضرت سیدۃ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کی اولادِ پاک میں منحصر ہوگی کیونکہ دوسری صاحبزادیوں سے نرینہ اولاد باقی نہ رہی اور ان کا سلسلۂ

نسب اولادِ نرینہ میں جاری نہ رہ سکا۔ اگر ان کی نسلِ پاک باقی رہتی اور اولادِ نرینہ زندہ رہتی تو یقیناً ہم اس بشارت کو ان کے حق میں بھی ثابت کرتے اور ان فضائل و کمالات کے ساتھ قطعی طور پر انہیں بھی موصوف مانتے۔

الحاصل یہ بشارت اولادِ نرینہ کے اعتبار سے ہے اور وہ صرف خاتونِ جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پھیلی اور حضرتِ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے بالخصوص لہٰذا ہم نے اس خصوصیت کو حضرتِ سیدہ رضی اللہ عنہا سے ظاہر ہونے والے انوار پر ہی چسپاں کیا۔

سوال :۔ یہ تمام انوارِ نبوی اور گلہائے باغِ رسالت، فخرِ بنی آدم و آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی صلبی اور بلا واسطہ اولاد نہیں ہیں بلکہ حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کی صلبی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی نرینہ اولاد کو باقی رکھ کر اور ان میں یہ برکت عطا فرما کر اور اس کثرت سے مشرف فرما کر پورا نہ فرمایا جبکہ اس کی قدرت سے یہ بعید بھی نہ تھا اور بد باطنوں، بدکیشوں نے اعتراض بھی حضور کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے وصال پر کیا تھا اور اس رسولِ معظم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتے ہوئے "ابتر" کہا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس الزام اور گستاخی کا ازالہ اس صورت میں علی الوجہ الاتم ہوتا جبکہ آپ کی اپنی صلبی نرینہ اولاد باقی رہتی۔

جواب :۔ اس سوال کا جواب تحریر کرنے سے قبل یہ نکتہ ضروری ہے کہ بظاہر حضرتِ آدم علیہ السلام تمام نسلِ انسانی "بشمول انبیاء کرام علیہم السلام" حتیٰ کہ سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل ہیں۔ وہی خلیفۂ اول ہیں اور نبی اول اور باقی سب ان کی اولاد، ان کی فرع اور ان کے تابع ہیں لیکن حقیقت وہ ہے جسے خود ترجمانِ حقیقت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد، دوسری روایت میں ہے کنت نبیا و آدم لمنجدل فی طینتہ "میں اس وقت تاجِ نبوت پہنے ہوئے تھا جبکہ آدم علیہ السلام کے روح کا تعلق جسم

سے مکمل نہیں ہوا تھا اور فرمایا میں اس وقت تختِ رسالت پر جلوہ گر تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی مٹی کے ایک پتلے کی شکل میں موجود تھے لہٰذا اہلِ حقیقت اور اربابِ بصیرت یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ جس طرح نسلِ انسانی کی اصل حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور باقی سب فرع، اسی طرح تمام موجودات اور علی الخصوص حضرت آدم علیہ السلام کی اصل سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور باقی ان کی فرع، بلکہ حضرتِ آدم علیہ السلام خود اس ذاتِ مقدس کو اسی طرح خطاب فرمایا کرتے تھے یا ابنی صورۃ وابی معنیً "اے وہ ذات جو بظاہر میری فرع اور میرے نخل ہیں لیکن درحقیقت میری اساس اور میرے اصل ہیں۔"

عارف باللہ حضرت ابن فارض قدس سرہ العزیز نے اس حقیقت کو رسالتآب صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے اپنی زبان فیض نشان سے یوں ادا فرمایا ہے:

انی وان کنت ابن آدم صورۃ
فلی فیہ معنیً شاھد بابوتی

"میں اگرچہ صورت اور ظاہر کے اعتبار سے حضرت آدم علیہ السلام کی فرع اور نسل ہوں لیکن میرے لئے ان میں ایسے شواہد اور دلائل موجود ہیں جو اس بات کے شاہد عادل ہیں کہ وہ میری فرع ہیں اور میں ان کی اصل ہوں۔"

امام اہلِ سنت مولانا احمد رضا خان صاحب نے فرمایا ؎

ظاہر میں میرے پھول حقیقت میں میری نخل
اس گل کی یاد میں یہ صدا ابو البشر کی ہے

اگر اس مقصدِ تخلیق کائنات اور باعثِ ایجادِ موجودات علیہ افضل الصلوات و التسلیمات کا وجودِ باجود نہ ہوتا تو کوئی ممکن عدم سے وجود میں نہ آتا۔ حدیث قدسی میں ہے لولاک لما خلقت الافلاک " اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک پیدا نہ فرماتا۔"

حضرت آدم علیہ السلام نے جب آنحضور کے توسل سے مغفرت چاہی اور آپ کو

مژدۂ قبولِ توبہ سنایا گیا تو ساتھ ہی فرمایا لولا محمد لما خلقتک "اگر ذاتِ مصطفیٰ علیہ السلام نہ ہوتی تو میں تمہیں پیدا ہی نہ کرتا۔" گویا تمہاری پیدائش ان کے طفیل، قبولِ توبہ ان کے طفیل، بلکہ خلافت ان کی بدولت، مسجودِ ملائکہ ہونا ان کی برکت سے اور علومِ اسماء ان کے فیض سے، اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

مقصود یہ ہیں آدم و نوح و خلیل سے
تخمِ کرم میں ساری کرامت ثمر کی ہے
ہوتے کہاں خلیل و بناء کعبہ و منیٰ
معراج والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

نیز جس طرح سلسلۂ نبوت و رسالت کی اصل اور بنیاد آپ ہیں اسی طرح اس سلسلہ کی غایت اور منتہیٰ بھی آپ ہیں۔ لوحِ رسالت کا نقش آخرین اور قصرِ رسالت کی آخری اینٹ بھی آپ ہیں۔ شجرۂ نبوت اور درختِ رسالت کی جڑ حضرت آدم علیہ السلام تنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور شاخیں حضرت اسماعیل و اسحاق علیہما السلام اور ثمر و پھل، نتیجہ و حاصل سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم لہٰذا جب یہ سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات حضرت آمنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ظہور فرما ہوئے اور مقصودِ اصلی حاصل ہو گیا تو اس سلسلہ نسب و نسل کو بھی ختم فرما دیا بلکہ مشہور قول کے مطابق حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ کی پیدائش سے کچھ پہلے وصال فرما گئے اور حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا چند سال کے بعد اور سوائے اس درِ یتیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اور کوئی ان سے متولد نہ ہوا تاکہ وہ آپ کی نظیر و مثال نہ بن سکے اور اس فضل و شرف میں برابری کا دعویدار نہ بن سکے۔

اب جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ نرینہ باقی رکھی جاتی تو مطلوب و مقصود صرف آنحضرت کی ذاتِ اقدس نہ رہتی اور محبوبِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی یکتائی برقرار نہ رہتی نیز اگر صاحبزادوں کو نبوت و رسالت عطا نہ کی جاتی تو سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کی اولادِ پاک اس شرف و فضیلت سے محروم رہ جاتے

جس سے حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد حضرتِ اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کو نوازا گیا یا حضرتِ اسحاق علیہ السلام کی اولاد حضرتِ یعقوب علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کرام کو مشرف فرمایا گیا اور اگر انہیں خلعتِ رسالت اور تاجِ نبوت سے سرفراز فرمایا جاتا تو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ امتیازی یعنی ختم نبوت و رسالت میں فرق آتا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صاحبزادے حضرتِ ابراہیم رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا لو عاش ابراھیم لکان نبیا۔ دوسری روایت میں ہے لو کان بعدی نبی لکان ابراھیم" اگر میرا یہ لختِ جگر زندہ رہتا تو نبی ہوتا اور اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت ابراہیم ہوتے اور اگر بالکل اولادِ پاک نہ ہوتی تو دنیا اور دنیا والے اس سید والاصفات کے وصال شریف کے بعد آپ کے جسمانی فیوضات و برکات سے بالکل محروم رہ جاتے۔ اس لئے اللہ تعالٰی نے حضرتِ سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے ذریعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ اطہار کا سلسلہ جاری فرمایا۔

حضرتِ امام حسن رضی اللہ عنہ کے نصفِ اعلیٰ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ بنایا اور نصفِ اسفل حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کا آنحضور کے مماثل بنایا تاکہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے یہ دونوں نورِ نظر مل کر سیدِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تصویر بن جائیں اور گلستانِ نبوی پھلتا پھولتا رہے اور ایمان والے ان کے اور ان کی اولاد کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتے رہیں، مولانا احمد رضا خان صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

ایک سینہ تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک
حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیمہ نور کا

صاف شکلِ پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں
خطِ توام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

کیا بات رضا اس چمنستانِ کرم کی
زہرا ہے کلی جس کی حسین اور حسن پھول

(رضی اللہ عنہم)

حکمت امام الانبیاء علیہ السلام نے اہلِ بیتِ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق فرمایا مثل اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجا ومن تخلف عنھا ھلک۔
"میرے اہل بیت کی مثال حضرتِ نوح علیہ السلام کی کشتی سی ہے جو اس میں سوار ہو گیا نجات پا گیا اور جو اس سے الگ رہا ہلاک ہو گیا" اسی طرح جس نے ان کا دامن تھام لیا وہ طوفانِ کفر و الحاد سے بچ گیا، جس نے ان کا سہارا لیا وہ فسق و فجور کی چنگھاڑتی موجوں سے محفوظ رہا اور جو ان سے الگ ہوا وہ بحرِ عصیان و حرمان میں غرق ہو گیا، ساحلِ حقیقت و معرفت سے دور رہ گیا اور منصبِ مقبولیت و محبوبیت سے محروم ہو گیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق فرمایا اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم "میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم جس کی بھی اتباع کرو گے ہدایت پا جاؤ گے"

ان دونوں فرمانوں سے معلوم ہوا کہ منزلِ مراد سے ہمکنار ہونے کا ذریعہ یہ ہے کہ حبِ اہلِ بیت کی کشتی پر سوار ہو جاؤ اور صحابہ کرام کے انوار سے رہنمائی حاصل کرتے جاؤ، اگر کسی ایک سے منہ موڑو گے تو طوفانِ بلا میں گھر جاؤ گے اور کبھی نجات نہیں پا سکو گے بلکہ ہلاکت تمہارا مقدر بن جائے گی۔ امام اہلسنت رضی اللہ عنہ نے فرمایا ؎

اہلسنت کا ہے بیڑا پار اصحابِ حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

الغرض اولادِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسمانی فیوض و برکات اور روحانی فضائل و کمالات، خصائل و شمائل اور رفعتِ درجات اور گنتی و شمار، حساب و تعداد ہر لحاظ سے اندازہ عقل و فہم بلکہ احاطہ گمان و وہم سے ماوراء ہے اس لئے اللہ تعالٰے نے فرمایا انا اعطینٰک الکوثر ۞

الکوثر سے

(اولیاء کرام و علماء عظام علیہم الرضوان)

انا اعطینٰک الکوثر میں امتِ مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء کے اولیاء کرام اور علماء عظام، ائمہ دین اور مجتہدین کرام کی بشارت ہے یعنی جس طرح حقیقی اولاد عظیم المرتبت عطا کی ہے اولادِ معنوی بھی بلند و بالا شان والی عطا فرمائی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا العلماء ورثۃ الانبیاء "علماء ظاہر اور علماء باطن انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث اور جانشین ہیں"۔ حدیث پاک میں ہے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل " میری امت کے علماء و عارفین بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں"۔ جس طرح ان انبیاء و رسل نے اپنی امتوں کو تبلیغ فرمائی، انہیں حلال و حرام اور فرض و واجب بیان فرمایا نیکی و بدی اور معروف و منکر کی وضاحت فرمائی۔ ان کا تزکیۂ نفس اور تنقیۂ قلب فرمایا اور دنیوی و اخروی فلاح و بہبود کیطرف رہنمائی فرماتے رہے اسی طرح میری امت کے علماء حلال و حرام، فرض و واجب، نیک و بد اور معروف و منکر کی وضاحت فرماتے ہیں، نیکیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں، احکامِ قرآن اور فرمودات رحمٰن کا درس دیتے ہیں، احادیثِ مصطفٰے اور سیرت و اسوۂ مجتبٰے علیہ التحیۃ والثناء کی تعلیم دیتے ہیں، اولیاء کرام مسند ارشاد و تکمیل پر بیٹھ کر تزکیۂ قلب اور تصفیۂ باطن کی تلقین کرتے ہیں اور علم کے ساتھ عمل صالح کی ترغیب دیتے ہیں، منازل سلوک و وصول سے شناسا کرتے ہیں اور حق سے برگشتہ مخلوق کو راہِ راست پہ لاتے ہیں، قلبی توجہات اور روحانی تصرفات سے مسترشدین کے دلوں کو انوار الٰہی کی آماجگاہ بناتے ہیں۔

اللہ رب العزت نے ناقصوں اور جاہلوں کو ان سے فیض یاب ہونے اور تربیت حاصل کرنے کا حکم دیا فرمایا فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۰ "پس دریافت کرو تم اہل ذکر اور اہلِ علم سے اگر تم نہیں جانتے اور علم نہیں رکھتے"۔

سے تفسیر کبیر

ان کے منصبِ حیات اور مطمحِ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر "تم ایک بہترین امت ہو جو کہ لوگوں کی بھلائی اور بہتری کیلئے پیدا کیے گئے ہو تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔" ان کے خوف و خشیتِ الٰہی اور غیر اللہ سے بے خوفی، لاپرواہی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ "اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف علماء عاملین اور عارفین کاملین ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں"، اور کوئی دوسری طاقت اپنے جبر و قہر، ظلم و ستم اور جور و استبداد انہیں ڈرا نہیں سکتی اور جادۂ حق سے ہٹا نہیں سکتی۔ دنیوی راحت و سکون، آرائش و زیبائش اور نفسانی خواہشات انہیں اپنے فریضۂ تبلیغ و اشاعتِ دین سے باز نہیں رکھ سکتی اور کیونکر باز رکھ سکے جبکہ وہ محض چشمِ تصور سے نہیں دل کی فراست اور نورِ بصیرت سے دنیا کی فنا اور بے مائیگی کا مشاہدہ کرتے ہوں، عالمِ آخرت کی نعمتوں، غیر فانی اور ابدی راحتوں کا معائنہ کر رہے ہوتے ہیں بلکہ خالقِ کائنات کی ذات و صفات، اس کی حکومت و سلطنت عامہ اور قدرتِ تامہ کا ملاحظہ کر رہے ہوتے ہیں۔ تاریخ کے اوراق، اکابرین امت اور اساطینِ علم کے ان کارناموں اور غیر فانی قربانیوں کے گواہ ہیں۔ ان کی تصنیفات اور علمی شہپارے ان کی دینی خدمات اور تبلیغی جذبات کے شاہد ہیں۔ کفر و ضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں شمعِ اسلام کو روشن کر کے سلطنت ہائے اسلامیہ کی بنیاد رکھنا اور ظاہری بے سروسامانی کے باوجود محض روحانی تصرفات سے دلوں کی دنیا بدلنا ان درویشانِ خدا مست اور سرشارانِ بادۂ الست کی امتیازی شان ہے اور امتِ حبیبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کے علماء مجتہدین اور اولیاء کاملین کا مقام ہے۔

پہلی امتوں میں جس طرح غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی، خواجہ ہند حضرت معین الدین اجمیری، شیخ الشیوخ حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی اور خواجہ بہاؤالدین نقشبندی جیسے مقتدر اولیاء نظر نہیں آتے امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم جیسے ائمۂ دین مجتہدین اور علماء کاملین بھی نظر نہیں آتے، جتنا نبی کا مقام بلند ہوتا ہے اتنے ہی اس کے جانشین درجاتِ عالیہ پر فائز ہوتے ہیں۔

جتنی نبوت عام اور رسالت وسیع ہوتی ہے اتنے ہی وارثانِ علوم واسرار اور مسند نشینانِ خلافت و نیابت زیادہ ہوتے ہیں اور جتنی مدتِ نبوت و رسالت طویل ہوتی ہے اتنی ہی وارثانِ علوم و معارف اور امینانِ اسرار و رموز کی تعداد کثیر اور ترقی پذیر ہوتی ہے۔ جب سید الخلق افضل الرسل امام الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سب سے افضل ہیں اور مرتبہ میں بلند و بالا ہیں۔ ان کی نبوت و رسالت محیطِ عام ہے اور ان کی شریعت و ملت ناقابلِ نسخ و اختتام ہے تو ان کی امت کے علماء ظاہر و باطن، ائمہ دین اور علماء اور اقطاب و اولیاء بھی سب امتوں سے افضل و اکمل، گنتی و شمار میں سب سے زائد، اسی لئے ارشاد فرمایا انا اعطینٰک الکوثر،

ہر عالم اپنے علاقہ اور حلقۂ اثر میں دینِ مصطفےٰ کو پھیلاتا ہے اور اس فیض کو عامۃ الناس تک پہنچاتا ہے لہٰذا اس کی فضیلت عام امتی اور محض عابد و زاہد سے بہت زیادہ ہے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فضل العالم علی العابد کفضلی علیٰ ادناکم (مشکوٰۃ) "عالم کی فضیلت عابد پر اتنی ہے جتنی کہ میری فضیلت تمہارے ادنیٰ پر"۔ نیز فرمایا موت العالِم موت العالَم "ایک عالم کی موت جہان کی موت ہے"۔ ارشاد ہوا ان اللہ وملٰئکتہ و اھل السمٰوات والارض حتی النملۃ فی جحرھا وحتی الحوت لیصلون علی معلم الناس الخیر (مشکوٰۃ) "بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے تمام آسمان اور زمین حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں اور سوراخوں میں بیٹھ کر اور مچھلیاں لوگوں کو بھلائی سکھانے والے اور راہِ صواب و خیر بتلانے والے پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت نازل فرماتا ہے اور ساری مخلوق اس کے لئے دعاگو ہوتی ہے۔

حضرت امام عارف باللہ شاذلی علیہ الرحمۃ نے اپنے مکاشفات میں دیکھا کہ بیت المقدس میں ایک تخت بچھا ہوا ہے فاذا انبینا علیہ السلام جالس علیہ بانفرادہ وجمیع الانبیاء جالسون علی الارض مثل ابراھیم وموسیٰ

وعیسٰی و نوح علیہم السلام" ہمارے نبی پاک اکیلے اس تخت پر جلوہ گر ہیں اور حضرت ابراہیم اور کلیم اللہ اور حضرت نوح اور عیسٰی روح اللہ علیہم السلام زمین پر بیٹھے ہیں، حضرت موسٰے علیہ السلام نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ نے فرمایا ہے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل فارنی منہم واحدًا فاشار صلی اللہ علیہ وسلم الی الغزالی فسئلہ موسٰی علیہ السلام سوالا فاجابہ بعشرۃ اجوبۃ الخ "میری امت کے علماء و عارفین انبیاء بنی اسرائیل کی مانند ہیں" لہٰذا آپ مجھے ان میں سے ایک دکھائیں تو رحمتِ کونین علیہ السلام نے امام غزالی کیطرف اشارہ فرمایا۔ حضرت موسٰی علیہ السلام نے ان سے ایک سوال کیا اور آپ نے دس جواب دیئے۔ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے فرمایا ایک جواب کافی تھا دس جواب کیوں دیئے؟ آپ نے عرض کیا اللہ تعالٰے نے تم سے پوچھا تھا ما تلک بیمینک یاموسٰی" اے موسٰے تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ تو اتنا عرض کر دینا کافی تھا "عصًا" یہ ایک چھڑی ہے، آپ نے اتنا لمبا جواب کیوں دیا ھی عصای اتوکأ علیہا واھش بہا علی غنمی ولی فیہا مآرب اخرٰی" یہ میرا عصا ہے میں اس سے سہارا لیتا ہوں اور اس کے ساتھ اپنی بھیڑ بکریوں کو پتے جھاڑ کر کھلاتا ہوں اور میرے لئے اس میں اور بھی بہت سے فائدے اور مقاصد ہیں۔"

جب آپ کا ہمکلام باری تعالیٰ تھا تو آپ نے دفورِ محبت اور غلبۂ شوق میں اپنی کلام کو طول دیا تاکہ زیادہ سے زیادہ ہمکلامی کا شرف حاصل ہو سکے! اس وقت مجھے آپ سے ہمکلام ہونے کا موقع ملا ہے اور کلیمِ خدا سے گفتگو کا شرف حاصل ہوا ہے اس لئے میں نے بھی اس شوق و محبت سے کلام کو طوالت دی ہے ؎

جی چاہتا ہے چھیڑ کے ہوں ان سے ہمکلام
کچھ تو لگے گی دیر سوال و جواب میں

روح البیان میں علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ عیسٰے علیہ السلام کے حواریوں نے آپ سے دریافت کیا کہ ہمارے بعد بھی کوئی امت ہوگی تو آپ نے فرمایا ہاں محمدِ مصطفٰے صلی اللہ

علیہ وسلم کی امت ہو گی "حکماءُ، علماءُ، اَتقیاءُ اَبرارُ کانّھم مِنَ الفِقہِ انبیاءُ یَرضونَ مِنَ اللّٰہِ بالیسیرِ مِنَ الرِّزقِ وَیَرضے اللّٰہُ منھم بالیسیرِ مِنَ العَمَلِ " وہ علم وحکمت کی کانیں ہونگے تقوے وپرہیزگاری میں قابلِ تقلید نمونے ہوں گے، تفقّہ فی الدین اور شرعی اسرار و رموز، جزئیات و قواعد اصول واحکام کی معرفت کے لحاظ سے انبیاء کی مانند ہوں گے۔ وہ اللہ تعالےٰ پر تھوڑے سے رزق کے باوجود راضی وشاکر ہوں گے اور اللہ تعالےٰ ان پر تھوڑے عمل کے باوجود راضی ہوگا یعنی محض فرائض وواجبات اور سنن کی ادائیگی پر راضی ہوگا۔"

حدیثِ پاک میں ہے طائفۃ من امتی لیسوا با نبیاء یغبطھم الانبیاء " میری امت کا ایک گروہ ایسا ہے جو نبی تو نہیں ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام ان پر رشک کریں گے " اور کیوں نہ ہو ائمہ اربعہ حضرت امامِ ابوحنیفہ، امامِ شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم جب اپنے متبعین کے ساتھ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں میدان حشر میں تشریف فرما ہوں گے تو کتنے انبیاء و رسل ایسے ہوں گے کہ ان کے امتی ان کے متعلقین ومتبعین کی برابری نہیں کرسکیں گے۔ اسی طرح حضرت غوث الثقلین محبوبِ سبحانی اور خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدین اجمیری، شیخ الشیوخ خواجہ شہاب الدین سہروردی اور قطب العالم خواجہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ عنہم جب اپنے مریدین اور مسترشدین کے ساتھ عرصۂ قیامت میں جلوہ فرما ہوں گے تو کئی کئی نبیوں کی امتوں کا مجموعہ بھی ان کے غلاموں اور تابعداروں کی برابری نہیں کرسکیگا۔

نیز علماءِ باطن، اولیاءِ کاملین وعرفاءِ اکملین نے مجاہدات وریاضات اور زہد وتقوے، صفاءِ نفس اور تربیتِ روح کے ذریعے اپنے آپ کو مقامِ محبوبیت تک پہنچادیا اور بارگاہِ قدس میں وصول وقبول ان کا مقدر بن گیا۔ مرتبۂ ولایت وغوثیت کے ساتھ مختص ہوئے اور کوئی ایسا معجزہ نہیں جو پہلے انبیاءِ کرام کو اللہ تعالےٰ نے عطا فرمایا ہو اور ان کو بطورِ کرامت مرحمت نہ فرمایا ہو۔ مردے

زندہ کئے، ہواؤں میں اڑے، پانی پر چلے، دریاؤں سے طغیانیوں کے باوجود سارے لشکر اور لشکروں کے گھوڑوں کو خشک پاؤں لے کر گزر رے، آگ میں چھلانگیں لگائیں لیکن آگ کپڑے بھی نہ جلا سکی، اندھوں کو آنکھیں عطا فرمائیں، کوڑھیوں کے کوڑھ دور کئے، بیماروں کو صحت و عافیت سے ہمکنار کیا غرضیکہ جو معجزہ بھی کسی پیغمبر و رسول سے ظہور پذیر ہوا وہی چیز بطورِ کرامت اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب کی امت کے اولیاءِ کرام اور محبوبانِ عظام کو عطا فرمائی۔ (اس امر کی قدرے تفصیل فصل بلا میں ملاحظہ فرمائیں)

الغرض خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم کی امت کے علماءِ ظاہر و باطن، ائمۂ دین اور اولیاء کاملین گنتی و شمار کے لحاظ سے کوثر، فضل و شرف، بلندیٔ درجات اور ترقیٔ مراتب و منازل کے اعتبار سے کوثر تابعین و معتقدین، متوسلین و مسترشدین کے لحاظ سے کوثر، اس لئے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے تمہیں علماء و اولیاء عطا کئے بلکہ فرمایا انا اعطینٰک الکوثر۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ کوثر سے مراد ساری امت ہو کیونکہ فخرِ مرسلین علیہ و علیہم الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں اہلِ جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے اسی صفیں میری امت کی ہونگی اور دوسرے تمام رسلِ عظام اور انبیاء کرام کی امت صرف چالیس صفیں ہوں گی: عن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اھل الجنۃ عشرون و مائۃ صف ثمانون منھا من ھذہ الامۃ واربعون من سائر الامم رواہ الترمذی والدارمی والبیھقی (مشکوٰۃ) لہٰذا کوئی امت اپنی کثرت تعداد اور گنتی و شمار کے لحاظ سے اس امت کے برابر نہیں۔

نیز شرف و فضیلت میں بھی کوئی اس امت کے برابر نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کنتم خیر امۃ اخرجت للناس "تم ہی سب امتوں میں سے بہتر امت ہو جسے نوعِ انسانی کے لئے سرچشمۂ رشد و ہدایت بنایا گیا۔ نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں فرمایا:

انتم تتمون سبعین امۃ انتم خیرھا واکرمھا علی اللہ

رواہ الترمذی وابن ماجۃ۔

"تم ستر امتوں کی تکمیل و تتمیم کرنے والے ہو" یعنی کل امتیں ستر ہیں اور تم پر اس عدد کی تکمیل ہوئی اور ان تمام سے تم ہی بہتر ہو اور اللہ تعالےٰ کے ہاں معظم و مکرم۔

یہی وہ امت ہے جس کے اتفاق و اجماع کو اللہ تعالےٰ نے حجتِ قاطع اور دلیلِ ساطع بنایا اور ان کی مخالفت و معاندت کو دوزخی ہونے کی علامت بنایا فرمایا

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرًا ۰

"اور جو شخص مخالفت کرے اور تکلیف پہنچائے گا میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور راہِ راست کے واضح ہو جانے کے بعد اور مومنین کے راستہ کو چھوڑ کر علیحدہ راستہ اختیار کرے گا تو ہم اسے اسیطرف پھیریں گے جدھر وہ پھرے گا اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تجتمع امتی علی الضلالۃ "میری امت گمراہی پر مجتمع اور متفق نہیں ہوگی"

عن معاویۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یزال من امتی امۃ قائمۃ بامر اللہ لا یضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتی یاتی امر اللہ (متفق علیہ)

"حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے سنا کہ میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم

رہے گا اور اللہ تعالےٰ کے دین کو قائم رکھے گا۔ انہیں نہ علیحدگی اختیار کرنے والوں سے ضرر ہوگا اور نہ مخالفت کرنیوالوں سے نقصان، وہ حق پر قائم رہینگے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کا امر قیامت آپہنچے گا۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ تاجدارِ مدینہ نے فرمایا،

مثل امتی مثل المطر لا یدری اولہ خیر ام اٰخرہ رواہ الترمذی۔

"میری امت کی حالت وکیفیت بارش کی مانند ہے جس کے اول وآخر میں خیریت وبرکت کے لحاظ سے فرق نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا اول بھی خیر وبرکت ہے اور آخر بھی۔

صدرِ امت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شرف صحبت کی وجہ سے امتیازی مقام حاصل ہے سرورِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تمس النار مسلما رأنی او رای من رأنی

"جس مسلمان نے میری زیارت کی یا میرے صحابہ کی زیارت کی اسے دوزخ کی آگ نہیں جلائے گی۔"

اور بعد میں پیدا ہونے والے مسلمانوں کو ایمان بالغیب کا مرتبہ خصوصی حاصل ہے۔ عمرو بن شعیب اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے نزدیک مخلوق میں سے کون سا گروہ مومن ہونے کے لحاظ سے تعجب انگیز ہے؟ صحابہ نے عرض کی ملائکہ! آپ نے فرمایا ان کا ایمان لانا کیسے محلِ تعجب ہوسکتا ہے جبکہ انہیں قربِ الٰہی حاصل ہے اور حقیقت ان پر منکشف ہے اور حق بلاحجاب ان کی بصیرت کے سامنے ہے اور ہر وقت قدرتِ خداوندی کے مشاہدے کر رہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا تو پھر انبیاء کرام علیہم السلام! آپ نے فرمایا ان کا ایمان لانا بھی تعجب افزا نہیں وہ کس طرح ایمان نہ لاتے جبکہ وحی الٰہی انہی پر نازل ہوتی ہے اور ہدایت وارشاد کے لئے ان کو ہی منتخب کیا گیا ہے۔ تو صحابہ نے عرض کی پھر ہمارا ایمان لانا؟ آپ نے فرمایا یہ بھی نہیں تم کیسے ایمان نہ لاتے جبکہ میں مجسم برہانِ حق

اور دلیلِ ہدایت تمہارے درمیان موجود ہوں :-

فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان اعجب الخلق الی ایمانا لقوم یکونون من بعدی یجدون صحفا فیہا کتاب یومنون بما فیہا (رواہ البیہقی)

" رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا میرے نزدیک ایمان لانے والوں میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ ایمان لانے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے اور صحیفوں میں لکھی ہوئی کتاب کو دیکھیں گے اور اس کی حقانیت پر ایمان لائیں گے اور جو کچھ اس میں ہے اسے دل وجان سے تسلیم کریں گے "

اجر و ثواب کا عالم یہ ہے کہ ایک نیکی پر دس گنا سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ نیکیوں کا اجر و ثواب ملتا ہے فرمایا :-

من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا

" جس نے ایک نیکی کی اسے اس سے دس گنا اجر ملے گا "

نیز ارشاد فرمایا :-

مثل الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضاعف لمن یشاء

" جو لوگ اللہ تعالٰے کے راستے میں مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال یوں ہے جیسے ایک دانے کو بو یا جائے اور وہ سات خوشے نکالے جس میں سے ہر ایک کے اندر سَو سَو دانہ ہو اور اللہ تعالٰے زیادہ فرماتا ہے جس کے لئے چاہے "

ایسے با برکت اوقات عطا فرمائے کہ نیکی کئی گنا زیادہ بن جاتی ہے۔ رمضان المبارک کی راتوں میں ایک فرض کی ادائیگی پر ستر فرض کا ثواب ملتا ہے اور ایک نفل کی ادائیگی پر ایک فرض کا ثواب ملتا ہے علی الخصوص لیلۃ القدر جس میں ایک رات کی عبادت ہزار مہینہ کی عبادت سے بہتر اور زیادہ ہے فرمایا لیلۃ القدر خیر من الف شہر -

بلکہ نیکی کا ارادہ کریں تو بھی ثواب مل جاتا ہے اور بدی کا جب تک ارتکاب نہ کریں گناہ نہیں لکھا جاتا اور اگر ارتکاب ہو بھی جاتے تو صرف ایک بدی لکھی جائے گی اور وہ بھی اگر بھول چوک سے ہے اور قصد و ارادہ اس میں نہیں تو اس پر بھی مواخذہ نہیں:۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ تجاوز عن امتی الخطأ والنسیان وما استکرھوا علیہ رواہ ابن ماجۃ والبیھقی۔

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا اللہ تعالٰی نے میری امت کی خطاؤں اور بھول چوک سے درگذر فرمایا ہے اور جس پر انہیں جبر کیا جائے اور قتل و ہلاکت کی دھمکی دیکر جو گناہ کروایا جائے وہ بھی معاف فرمادیا۔"

دنیا میں عظمت و عزت کا یہ عالم کہ حضرت عیسٰے روح اللہ علیہ السلام بھی ان میں سے ایک فرد ہوں گے اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کی اقتدا میں نماز ادا فرمائیں گے امام جعفر صادق، حضرت امام محمد باقر سے اور وہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

کیف تھلک امۃ انا اولھا والمھدی وسطھا والمسیح اخرھا الحدیث رواہ رزین

"وہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کا پیشوا اور امام و امیر میں ہوں اور مہدی اس کے وسط میں اور عیسٰے علیہ السلام اس کے آخر میں ہوں۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا یزال طائفۃ من امتی یقاتلون علی الحق ظاھرین الی یوم القیٰمۃ قال فینزل عیسی بن مریم علیہ السلام فیقول امیرھم تعال صل لنا فیقول لا ان بعضکم علی بعض امراء تکرمۃ اللہ ھذہ الامۃ رواہ مسلم۔

"رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ

راہِ حق میں جہاد کرتا رہے گا اور قیامت تک غالب رہے گا یہانتک کہ حضرت عیسٰے بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے تو ان کے امیر (امامِ مہدی) کہیں گے آؤ ہمیں نماز پڑھاؤ تو وہ فرمائیں گے نہیں اللہ تعالےٰ نے اس امت کو یہ کرامت بخشی ہے کہ اس میں سے بعض بعض کے امیر اور امام ہیں اور آخرت میں جو شرف و فضل انہیں حاصل ہو گا اس کا اندازہ تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ہی ہو سکتا ہے۔ یہ دونوں مقدس ہستیاں سید بنی آدم و آدم علیہ السلام سے درخواست کریں گی کہ ہمیں اپنے سایۂ رحمت کے نیچے جگہ دو اور اپنی امت کے ساتھ رکھو۔ (مدارج و دیگر کتبِ سیر)

اور جس طرح اس امت کے والی و آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی جنت میں داخل نہیں ہو سکیگا اسی طرح اس امت سے پہلے کوئی امت جنت میں داخل نہیں ہو سکے گی۔

محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ان الجنۃ حرام علی الانبیاء علیہم السلام حتی ادخلھا وعلی الامم حتی یدخلھا امتی

"جنت میں داخل ہونا تمام انبیاء پر حرام ہے تا وقتیکہ میں اس میں داخل نہ ہوں اور تمام امتوں پر اس میں داخل ہونا حرام ہے تا وقتیکہ میری امت اسمیں داخل نہ ہو"

نیز قیامت کے دن جب اللہ تعالےٰ رسولانِ کرام اور انبیاء عظام علیہم السلام کو اکٹھا فرمائے گا اور امتوں سے استفسار فرمائے گا کیا تمہارے پاس یہ رسول اور نبی آئے اور میری توحید کیطرف تمہیں دعوت دی ؟ تو وہ انکار کر دیں گے اور کہیں گے ماجاء نا من نذیر "ہمارے پاس تیرے عذاب سے ڈرانے والا اور تیری طرف دعوت دینے والا کوئی نہیں آیا ورنہ ہم ضرور ایمان لاتے۔" اللہ تعالےٰ رسل کرام سے فرمائے گا کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ ہم نے احکامِ رسالت و نبوت کی تبلیغ کر دی اور یہ منکر ہیں کیا تم اپنے دعوے پر کوئی گواہ پیش کر سکتے ہو ؟ تو وہ کہیں گے ہاں پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہماری گواہ ہے۔

اس وقت آپ کی امت کو لایا جائے گا اور وہ گواہی دیں گے کہ واقعی ان مقدس رسولوں نے

اپنے فریضۂ رسالت کو کماحقہٗ ادا فرمایا ہے۔ وہ لوگ اعتراض کریں گے کہ یہ گواہ گواہی کے قابل نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ موقعہ پر حاضر نہ تھے یہ تو بعد میں پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے امتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس اعتراض کا کیا جواب ہے؟ تو عرض کریں گے:

یارب بنا ارسلت الینا رسولاً وانزلت علیہ کتابا اخبرتنا فیہ بتبلیغ الرسل وانت صادق فیما اخبرت

"اے ہمارے رب تو نے ہمارے پاس اپنا رسول بھیجا اس پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں تو نے ہی ہمیں رسلِ کرام کی تبلیغ سے مطلع فرمایا اور تو اپنی خبر میں صادق ہے۔"

ثم یؤتی بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم فیسال عن حال امتہ فیزکیہم ویشہد بصدقہم

"پھر سید رسل خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم السلام تشریف لائیں گے اللہ تعالیٰ ان سے ان کی امت کے متعلق دریافت فرمائے گا کہ یہ قابلِ شہادت ہیں یا نہیں؟ کیا آپ ان کی صفائی دے سکتے ہیں؟ تو رحمتِ عالم اپنی امت کی صفائی بیان فرمائیں گے اور ان کی صداقت پر مہرِ تصدیق ثبت فرمائیں گے۔"

اور اسی واقعہ کیطرف قرآنِ پاک میں اشارہ فرمایا گیا وکذلک جعلناکم امۃ وسطاً لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدًا۔ "اور اسی طرح بنایا ہم نے تمہیں بہترامت تاکہ تم لوگوں پر اور امم سابقہ اور اقوام کا فرہ پر گواہ بنو اور انبیاء سابقین کی گواہی دو اور تبلیغِ احکام کی تصدیق کرو اور میرے رسول تمہارے اوپر گواہی دیں اور تمہاری عدالت و دیانت اور حق گوئی و صداقت کی شہادت دیں۔

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ جس امت کی گواہی پر انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے جھگڑا کا فیصلہ ہو گا وہ یہی امت ہے جن کی صداقت وحق گوئی پر تمام انبیاء کرام کو اعتماد و اعتبار ہے وہ یہی امت ہے اور جس کی عدالت اور دیانت اور ظاہر و باطن کی طہارت پر محبوبِ ربِ کریم علیہ السلام گواہ ہوں گے وہ بھی یہی امت ہے۔

فائدہ سیدِ اولادِ آدم صلے اللہ علیہ وسلم امت کے صفائی کے گواہ ہوں گے اور یہ گواہی اسی وقت ممکن ہو گی جب آپ امت کی نیکی بدی، اعمال و کردار اور عزائم و نیات سے

(بقیہ ص۴۹ پر)

انہی اوصاف و کمالات اور فضائل و خصوصیات کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے اللہ! یہ امت میرے حوالے فرما دے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ! یہ تو احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے تجھے کیسے عطا کر دوں؟ تو انہوں نے عرض کیا پھر مجھے بھی اس امت میں سے بنا دے اور اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی غلامی نصیب کر دے۔ اور ان کی یہ تمنا بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ آرزو شبِ معراج بیت المقدس میں پوری ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام اور رسولانِ عظام سے جو وعدہ روزِ میثاق میں لیا تھا اور جس ایمان و اتباع اور نصرت و معاونتِ دین کا ان سے وعدہ لیا تھا وہ پورا ہو گیا، سب انبیاء علیہم السلام مقتدی بنے اور وہی آقا امام الانبیاء کے منصب پر فائز ہوئے۔ اعلیحضرت قدس سرہ نے فرمایا:۔

نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہو معنیٔ اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

الحاصل گنتی و شمار اور اجر و ثواب، خصائص و کمالات اور فیوض و برکات کے لحاظ سے اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی نوازشات کی بدولت کوئی امت اس امت کے برابر نہیں بلکہ انبیاء کرام کو بھی اس امت میں سے ہونے کی خواہش اور تمنا ہے اس لئے یہ نہ فرمایا کہ ہم نے

واقف ہوں ورنہ یہ شہادت صحیح نہ ہوگی اور شہادت کی خبر تو قرآنِ پاک نے دی ہے جس کے کذب کا امکان ہی نہیں تو روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ فخرِ بنی آدم و آدم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے تمام احوال و افعال سے آگاہ ہیں اور ان کے قلوب اور عزائم و نیات پر مطلع ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی تفسیر عزیزی میں اسی آیتِ کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:۔

"و باشد رسولِ شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنورِ نبوت بر رتبۂ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ در دینِ من رسیدہ و حقیقتِ ایمانِ او چیست و حجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او می شناسد گناہانِ شمارا و اعمالِ نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا و لہذا شہادت او در حق امت مقبول و واجب العمل است"

تمہیں ایک امت دی بلکہ فرمایا انا اعطینٰک الکوثر "ہم نے تو آپ کو خیرِ کثیر عطا فرمایا اور انعامِ جزیل سے سرفراز فرمایا فالحمد للہ علٰی ذلک۔ امام بوصیری قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں ؎

لما دعا اللہ داعینا لطاعتہ

باکرم الرسل کنا اکرم الامم

"جب اللہ تعالےٰ نے اپنے اس محبوب کو جس نے ہمیں اس کی طاعت کی طرف بلایا اکرم الرسل کہہ کر بلایا اور یاد فرمایا تو ہم بھی اکرم الامم ہو گئے"

نبی الامت سب رسولوں میں سے عزت و عظمت میں بلند و بالا اور امت سب امتوں میں سے اعلیٰ و اولیٰ۔

اس معنی کی رو سے آیتِ کریمہ کا معنی یہ ہوا "ہم نے آپ کو نبوت عطا کی" اور ظاہر یہ تھا کہ فرمایا جاتا انا اعطیناک النبوۃ لیکن نبوت کو لفظِ کوثر کے ساتھ تعبیر فرمایا کیونکہ نبوت خیرِ کثیر ہے اور منصبِ عظیم ہے۔ نبوت مخلوق اور خالق کے درمیان سفارت اور وساطت کا نام ہے، مخلوق کے خالق تک واصل ہونے کا ذریعہ ہے اور خالق کیطرف سے مخلوقات پر ہونے والے فضل و انعام کا ذریعہ ہے لہٰذا معبودیت اور الوہیت کے بعد سب سے اونچا منصب و مرتبہ صرف مرتبۂ نبوت و رسالت ہے اور نبی کے علاوہ کسی کو جو فضیلت حاصل ہوتی ہے اور جو کمال نصیب ہوتا ہے وہ صرف نبی کی اطاعت اور غلامی سے ہی ہوتا ہے۔ نبی کی نبوت پر ایمان لانا اسی طرح فرض ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر، اور نبی کی طاعت اسی طرح ضروری ہے جسطرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وہی ہے جو اس کے رسول اور نبی کی طاعت ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ "جس نے میرے رسول کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔"

نبوت کی نسبت توحید کی طرف وہی ہے جو کہ شاخوں، پتوں، پھولوں، پھلوں اور کلیوں کو تنہ کی طرف ہوتی ہے جس طرح تنہ شاخوں اور پتوں، پھولوں اور پھلوں کے بغیر زیب و زینت سے عاری ہے اسی طرح توحید بغیر تسلیم رسالت و نبوت کے کسی فضیلت و مرتبت پر مشتمل نہیں بلکہ ایک لحاظ سے رسالت، توحید کے لئے اصل اور بنیاد ہے کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کی صحیح پہچان اور معرفت، نبی و رسول کی وساطت سے ہی ممکن ہے، تمام ولی، غوث، قطب نبی کی ذات سے ہی فیض حاصل کر کے ان مراتبِ عالیہ اور مدارجِ جلیلہ پر فائز ہوتے ہیں اور ابوابِ فیوض و فتوح یہی مقدس ہستیاں ہیں۔ ان کے بغیر اس ذاتِ پاک

کے حریم قدس میں داخل ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں علی الخصوص امام الانبیاء سید الرسل مولائے کل صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت جو کہ ثمرات و نتائج کے لحاظ سے، دائمی اور ابدی ہونے کے اعتبار سے ہر نبی و رسول کی نبوت و رسالت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اور کائناتِ عالم کی ہر چیز کو شامل ہونے کے اعتبار سے اور اپنے موصوف و محل یعنی ذاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے مثل و مثال ہونے کے اعتبار سے تمام نبوتوں اور رسالتوں سے افضل و اعلیٰ ہے اور بلند و بالا ہے۔ اسی لئے آنحضور شافعِ یوم النشور صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو الکوثر کہا اور خیرِ کثیر فرمایا۔

آنحضور کی نبوت کا کوثر ہونا چند وجوہ سے ہے:۔

۱:۔ ان کی نبوت و رسالت دائمی اور ابدی ہے، ناقابلِ نسخ و اختتام ہے، ان کی شریعت آخری شریعت ہے ان الدین عند اللہ الاسلام "بے شک اللہ تعالےٰ کے نزدیک پسندیدہ دین صرف اسلام ہے"۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔ آج (حجۃ الوداع کے موقع پر) میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے لئے فقط دینِ اسلام کو ہی پسند کیا"۔ ان کی کتاب آخری کتاب ہے اور کتاب کہلانے کی فقط وہی حقدار ہے ذلک الکتاب لاریب فیہ "یہ قرآن ہی وہ کامل کتاب ہے جس میں ریب و شک کی گنجائش نہیں ہے اللہ تعالےٰ ہمیشہ اس کی حفاظت اور نگہبانی فرمانیوالا ہے اور تاقیامت اس کی صحت و بقا کا ذمہ دار ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون ۔ لہذا ان کی نبوت و رسالت بھی ناقابلِ نسخ و تبدیل بلکہ ابدی اور دائمی ہے ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین "لیکن وہ تو اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں"۔ وکان اللہ بکل شیءٍ علیماً ۔ "اور اللہ رب العزت ہر چیز کو جاننے والا ہے" اور اس کے علم میں یہ بھی ہے کہ میرا یہ رسول آخری نبی ہے لہذا نہ اس کے علم کا خلاف ممکن، نہ ان کے بعد کوئی نیا نبی ممکن؛

خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ختم نبوت اور غیر منسوخ رسالت کو اپنی امت کے سامنے بالکل عام فہم اور سادہ انداز میں بیان فرمایا جس کے بعد آیت مذکورہ بالا کی تفسیر و تاویل اور تشریح و تفصیل میں کسی بھی مخلص مومن کے لئے شک و تردد کی گنجائش باقی نہیں رہ سکتی۔ بخاری و مسلم کی متفقہ روایت ہے :

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل قصر احسن بنیانہ وترک منہ موضع لبنۃ فطاف بہ النظار یتعجبون من حسن بنیانہ الا موضع تلک اللبنۃ فکنت انا سددت موضع تلک اللبنۃ ختم بی البنیان و ختم بی الرسل وفی روایۃ فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین متفق علیہ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم)

"حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور تمام انبیاء کرام اور رسلِ عظام علیہ وعلیہم السلام کی مثال یوں ہے جیسا کہ ایک محل ہو اس کی تعمیر بہت احسن طریقہ پر کی گئی ہو اور صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی ہو، نظارہ کرنے والے اس کے اردگرد پھرے اور اس کی حسنِ تعمیر پر تعجب کرتے رہے سوائے اس ایک اینٹ والی چھوڑی ہوئی جگہ کے، پس میں نے اس اینٹ کی جگہ کو بند کر دیا، میرے ساتھ اس عمارت کی تکمیل ہوئی اور مجھ پر سلسلۂ رسالت و نبوت کا اختتام ہوا"

اور ایک روایت میں ہے "جس سے قصرِ رسالت و نبوت کی تکمیل ہوئی،، میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں سب نبیوں سے آخری نبی ہوں۔"

اور اس روایت کے ہم معنے روایاتِ ترمذی مسند امام احمد اور دوسری کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔

۲۔ عن ابی حازم قال قاعدت اباھریرۃ خمس سنین فسمعتہ یحدث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی و انہ لا نبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون قالوا فما تامرنا قال فوا ببیعۃ الاول فالاول اعطوھم حقھم فان اللہ سائلھم عما استرعاھم رواہ البخاری ومسلم واحمد و ابن ماجۃ وغیرہ۔

" ابو حازم سے روایت ہے کہ میں پانچ سال حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھا اور آپ سے سنا کہ وہ نبی امت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان فرماتے تھے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بنو اسرائیل کی نگہبانی اور نگرانی انبیاء کرام علیہم السلام فرماتے تھے۔ جب ایک نبی کا وصال ہو جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہو جاتا اور یقینی بات یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور عنقریب خلفاء ہوں گے پس وہ زیادہ ہو جائیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تم ان میں سے یکے بعد دیگرے ہر ایک کی بیعت کا حق ادا کرو۔ اور ان کی اپنی حالت کو نہ دیکھو کیونکہ رعیت اور محکوموں کے حقوق سے اللہ تعالےٰ ان کی باز پرس کرنیوالا ہے "

۳۔ مروی ہے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے کہ میں نے رسولِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:۔

ان لی اسماء انا محمد وانا احمد وانا الماحی الذی یمحو اللہ بی الکفر وانا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی وانا العاقب الذی لیس بعدہ نبی متفق علیہ۔

"بے شک میرے کئی نام ہیں میں محمد ہوں اور احمد بھی اور میرا نام ماحی ہے جس کی بدولت اللہ تعالےٰ کفر کو مٹائے گا اور میں حاشر ہوں میرے قدموں پہ اور میرے بعد سب لوگوں کو اللہ تعالےٰ دوبارہ اٹھائے گا اور زندہ فرمائیگا اور میں ہی عاقب ہوں اور عاقب کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد نبی نہیں ہوگا۔"

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک طویل روایت میں سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں بین کتفیہ خاتم النبوۃ وھو خاتم النبیین رواہ الترمذی "آپ کے دو کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت ہے اور آپ آخری نبی ہیں۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے انبیاء کرام علیہم السلام پر چھ وجہ سے فضیلت دی گئی۔

۱۔ مجھے جوامع الکلم عطا فرمائے گئے یعنی ایسے کلمات جو عبارت کے لحاظ سے مختصر اور معانی و مطالب کے لحاظ سے جامع ہوں۔

۲۔ مخالفین پر میرا رعب بٹھا کر میری مدد فرمائی گئی۔

۳۔ مالِ غنیمت کو میرے لئے حلال فرمایا گیا جبکہ پہلی امتوں میں آسمانی آگ آکر اسے جلا دیتی اور راکھ بنا دیتی تھی۔

۴۔ میرے لئے ساری زمین پر نماز پڑھنے کی اجازت دے دی گئی۔ اسے پاک اور قابلِ تیمم بنایا گیا وارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون رواہ مسلم۔

۵۔ مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔

۶۔ مجھ پر سلسلۂ نبوت و رسالت ختم کر دیا گیا۔

۵:۔ حضرت عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی

میں اپنے بنی قریظہ کے ایک دوست اور بھائی کے پاس سے گزرا تو اس نے چند جامع کلمات تورات کے لکھ کر میرے حوالے کئے تاکہ میں آپ کی خدمت میں پیش کردوں :۔

فتغیر وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال والذی نفس محمد بیدہ لو اصبح فیکم موسٰی ثم اتبعتموہ لضللتم انکم حظی من الامم وانا حظکم من النبیین رواہ احمد۔

"سید انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرہَ انور پر آثارِ غضب نمودار ہوئے اور آپ نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر خود موسٰے علیہ السلام تم میں آجائیں پھر تم (مجھے چھوڑ کر) ان کی اتباع کرو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ تحقیق تمام امتوں میں سے صرف تم میرا حصہ ہو اور تمام انبیاء میں سے صرف میں تمہارا حصہ ہوں"

بلکہ فرمایا لو کان موسی حیا لما وسعہ الا اتباعی (مسند امام احمد) "اگر موسٰے علیہ السلام ظاہری حیات کے ساتھ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے بغیر چارہ نہ رہتا۔

۶۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے :۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لا یبقی بعدی من النبوۃ شیئ الا المبشرات قالوا یا رسول اللہ ما المبشرات قال الرؤیا الصالحۃ یراھا المسلم او تری لہ (کنز العمال بروایۃ احمد والخطیب)

"آپ نے فرمایا کہ میرے بعد نبوت سے کوئی چیز بھی باقی نہیں رہے گی سوائے مبشرات کے ، عرض کی گئی مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا اچھے خواب جنہیں مسلمان دیکھے گا یا اسے دکھائے جائیں گے"

اور حضرتِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم نے پردہ کو اٹھایا اور آپ کا سر مبارک بندھا ہوا تھا اور آپ اس مرض کی حالت میں تھے جس میں آپ کا وصال ہوا اور لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے صفوں میں کھڑے ہوئے تھے اس وقت ارشاد فرمایا۔

۷۔ یا ایھا الناس انہ لم یبق من النبوۃ الا الرؤیا الصالحۃ یراھا المسلم او تری لہ رواہ مسلم والنسائی وغیرہ۔ یعنی نبوت کا کوئی حصہ بھی باقی نہیں رہا ماسوائے سچے خوابوں کے جن کو مسلمان دیکھے یا اسے دکھائے جائیں۔"

۸۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اباذر اول الانبیاء ادم واخرھم محمد رواہ ابن حبان وابونعیم وابن عساکر و الحکیم والترمذی بروایۃ کنز العمال)

" رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا اے ابوذر! تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے اول حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔"

۹۔ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی رواہ الترمذی۔

" حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا تحقیق رسالت و نبوت میرے بعد منقطع ہوگئی ہے لہٰذا نہ میرے بعد کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی۔"

۱۰۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لی النبوۃ ولکم الخلافۃ رواہ ابن عساکر (من الکنز)

" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبوت فقط میرے لئے ہے اور تمہارے لئے خلافت ہے۔"

۱۱۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعًا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی رواہ ابن الجوزی۔

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوع روایت میں فرماتے ہیں کہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر وعمر کی مجھ سے وہی نسبت ہے جو کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی حضرت موسٰے علیہ السلام سے ہے۔"

۱۲۔ عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ مرفوعا اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ۔

"حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد ان دو شخصوں کی اتباع کرو (جو کہ خلیفے ہوں گے) یعنی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما۔"

۱۳۔ عن عقبۃ بن عامر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوکان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب (رواہ الترمذی)

"رسولِ اکرم علیہ السلام نے فرمایا اگر بالفرض میرے بعد نبی ہو سکتا تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نبی ہوتے (لیکن چونکہ میرے بعد نبی نہیں ہو سکتا لہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی نہیں اور حضرت عمر کا اہلیت تامہ اور استعداد کاملہ کے باوجود نبی نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔"

۱۴۔ بخاری ومسلم کی متفق علیہ روایت ہے جس میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے روایت کیا :۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی الا انہ لا نبی بعدی متفق علیہ۔

"رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا (جبکہ آپ غزوہ تبوک کیطرف تشریف لیجا رہے تھے اور مسجدِ نبوی میں امامت کا فریضہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو تفویض فرمایا اور حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کو گھروں کی حفاظت پر مامور فرمایا اور انہوں نے

رمن کی آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں (گویا ان کی طرح مجھے ضعیف و ناتواں سمجھا گیا ہے) فرمایا اے علی! تمہاری نسبت مجھ سے وہی ہے جو کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی (جب کہ وہ انہیں اپنا نائب بنا کر طور پر تشریف لے گئے تھے) مگر تحقیق میرے بعد نبی نہیں۔

الحاصل ان احادیثِ شریفہ سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ قرآنِ پاک میں "ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین وکان اللّٰہ بکل شیءٍ علیما ہ فرما کر جس منصب ختم نبوت کو ذکر کیا گیا ہے اس کا معنٰی و مفہوم اور تاویل و تفسیر یہی ہے کہ رحمتِ عالم صلے اللّٰہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور سلسلۂ نبوت انہی پر اختتام پذیر ہو گیا۔ قصرِ نبوت کی آخری اینٹ آپ ہیں اور لوحِ رسالت کا نقش آخری بھی آپ کی ذات پاک ہی ہے۔ آپ کے بعد خلفاء ہو سکتے ہیں،

فائدہ جب حضرت علی کو بمنزلہ ہارون علیہ السلام کے فرمایا گیا اس وقت حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللّٰہ عنہم سید الخلق صلے اللّٰہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غزوہ تبوک پر تشریف لے جا رہے تھے گویا یہ خلافت ان تینوں حضرات کی عدم موجودگی میں حضرت علی رضی اللّٰہ عنہ کے حصہ میں آئی اور آنحضور شافعِ یوم النشور صلے اللّٰہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد بھی یہ خلافت حضرت علی رضی اللّٰہ عنہ کے لئے اسی وقت ثابت ہو سکتی تھی جبکہ وہ تینوں حضرات موجود نہ ہوتے اور ایسے ہی ہوا جب یہ تین مقدس صحابی اور خلفاء دنیا سے روپوش ہو گئے اور قرب رسالت مآب صلے اللّٰہ علیہ وسلم سے مشرف ہو گئے تب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللّٰہ عنہ تختِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔

نیز حضرت علی رضی اللّٰہ عنہ کی یہ خلافت خلافتِ کاملہ ہوتی اور نیابتِ تامہ ہوتی تو امامت نماز پر بھی انہیں مامور فرمایا جاتا حالانکہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللّٰہ عنہ کو یہ فریضہ نبی اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے تفویض فرمایا تھا اور حیدر کرار شیرِ خدا رضی اللّٰہ عنہ کی موجودگی میں منصب امامت پر وہی فائز رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ نیابت محض گھروں کی حفاظت اور اہل بیت کرام رضی اللّٰہ عنہم کی نگرانی کے لئے تھی۔ (حاشیہ ختم شد)

امراء پائے جا سکتے ہیں لیکن کوئی نبی نہیں آ سکتا ، اگر کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمر بن الخطاب ہوتے ، علی المرتضےٰ ہوتے ۔ آپ کے بعد الہامات ہو سکتے ہیں ، اچھے خواب ہو سکتے ہیں لیکن وحی نہیں آ سکتی لہٰذا واضح ہو گیا کہ خاتم الانبیاء اور آخری رسول فقط نبی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک ہے ؎

شیریں دہاں پادشاہ ہند دے
او سلیمان است کہ خاتم با اوست

؎ قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی
پر نہ بدلے نہ بدلا ہمارا نبی

بلکہ بظاہر اول انبیاء حضرت آدم علیہ السلام ہیں لیکن درحقیقت اول بھی آپ ہیں :

عن ابی هريرة قال قالوا يا رسول الله متى وجبت لك النبوة قال وآدم بين الروح والجسد رواه الترمذی

" حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نبوت آپ کے لئے کب ثابت ہوئی اور آپ کب سے نبی بنے تو آپ نے فرمایا میں اسوقت نبی تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کے روح کا تعلق ابھی جسم سے نہیں ہوا تھا "

عن العرباض بن سارية رضی الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال انی عند الله مكتوب خاتم النبيين وآدم لمنجدل فی طينته رواه فی شرح السنة (مشکوٰۃ)

" حضرت عرباض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس وقت سے اللہ تعالےٰ کے ہاں خاتم النبیین اور آخری نبی لکھا ہوا ہوں جبکہ آدم علیہ السلام اپنے آب و گل میں تھے اور ان کا خمیر بھی مکمل نہیں ہوا تھا "

فائدہ بعضے از عرفاء گفتہ اند کہ روحِ شریف وے صلی اللہ علیہ وسلم نبی بود در عالم

ارواح کہ تربیت ارواح میکرد چنانکہ دریں عالم بجسد شریف مربی اجساد بود و بہ تحقیق ثابت شدہ است خلقِ ارواح قبل از اجساد۔ (اشعۃ اللمعات)

"بعض عرفاء نے اس حدیثِ پاک کی تشریح میں فرمایا کہ آنحضرت کا روحِ مبارک عالمِ ارواح میں منصبِ نبوت پر فائز تھا اور آپ عالمِ ارواح میں تمام روحوں کی تربیت فرماتے تھے جیسا کہ عالمِ اجسام میں جسمِ پاک کے لحاظ سے آپ تربیت فرماتے رہے اور تحقیق سے ثابت ہے کہ ارواح کو اجسام سے پہلے پیدا فرمایا گیا۔"

لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں جس نبوت کا ذکر فرمایا گیا وہ نبوتِ حقیقیہ ہے اور امر محقق اور خارجی ہے نہ کہ محض علمِ الٰہی کے لحاظ سے ورنہ سب انبیاء علمِ الٰہی کے لحاظ سے اس وقت سے بلکہ اس سے پہلے بھی نبی تھے۔

لہٰذا ثابت ہوگیا کہ نبوت کا مبدأ بھی آپ کی ذات ہے اور منتہی بھی، درخت نبوت و رسالت کی جڑھ اور تخم بھی آپ ہیں اور اس کا ثمر و پھل بھی، لہٰذا ان کی ذات پر نبوت کو ختم فرمادیا اور آپ کی نبوت و رسالت کو دائمی اور ابدی بنادیا۔ اعلیحضرت بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

سب انبیاء و نار سے ہیں تم مہر مبیں
تب تک کے آتے ہیں جو تم کوئی نہیں

قرآن پاک کی متعدد آیات اور احادیثِ کریمہ جو کہ تواترِ معنوی تک پہنچی ہوئی ہیں، فخر بنی آدم و آدم سید الرسل امامِ کل جناب محمدِ مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی و رسول ہونے پر دلیلِ ناطق اور شاہدِ صادق ہیں اور اسی پر اجماعِ امت ہے جس کا خلاف کفر و الحاد ہے اور دنیا و آخرت میں موجب خذلان و خسران ہے اور باعثِ عذابِ نار ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولّی ونصلہ جھنم وساءت مصیرًا ہ "جو بھی تمام مومنین کے راستہ کو چھوڑ کر علیحدہ راستہ اختیار کرے وہ جدھر بھی پھرے گا ہم اسے پھیرتے جائیں گے اور

اسے آخرت میں جہنم کا ایندھن بنائیں گے اور وہ بڑا ہی برا ٹھکانا ہے۔

صاحب روح المعانی علامہ محمود آلوسی اپنی مشہور و معروف تفسیر میں ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شیئ علیماً کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وکونہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین مما نطق بہ الکتاب وصدعت بہ السنۃ واجمعت علیہ الامۃ فیکفر مدعی خلافہ ویقتل ان اصر۔

"آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے پر قرآن پاک دلالت کرتا ہے اور سنت اس کی صراحت فرماتی ہے اور امت نے اس پر اتفاق کیا ہے لہذا اس کے مخالف کو کافر کہا جائے گا اور اگر اصرار کرے گا تو قتل کیا جائے گا۔"

علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

فقد اخبر اللہ تبارک وتعالیٰ فی کتابہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی السنۃ المتواترۃ عنہ انہ لا نبی بعدی لیعلموا ان کل من ادعی ھذا المقام بعدہ فھو کذاب دجال افاک ضال مضل الخ

"تحقیق اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب کریم میں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی سنت متواترہ میں خبر دی ہے کہ رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء آخری رسول ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا تاکہ تمام مسلمان جان لیں کہ جو شخص بھی آپ کے بعد اس مقام کا دعویٰ کرے وہ بہت بڑا جھوٹا، افتراء پرداز، مکار، گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے اگرچہ وہ طرح طرح کی شعبدہ بازی جادوگری اور نیرنگیات کا مظاہرہ کرے جیسا کہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے کیا، فکلھا محال وضلال عند اولی الالباب" یہ تمام عقلاء کے

نزدیک محال ہے اور ناممکن ہے اور ضلالت وگمراہی ہے۔''

محققِ حنفیہ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں دعوی النبوۃ بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کفر بالاجماع'' رحمتِ عالمین سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد نبوت کا دعوٰی کفر ہے اور اس پر تمام امت کا اجماع واتفاق ہے۔'' اور یہی عقیدہ کتبِ عقائد میں مذکور ہے۔

اول الانبیاء آدم علیہ السلام و آخرہم محمد صلے اللہ علیہ وسلم عالم ظاہر اور اجسام میں سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لہذا روزِ روشن سے بھی زیادہ واضح ہو گیا کہ محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت ناقابلِ نسخ واختتام ہے اور ابدی ودائمی ہے فالحمد للہ علےٰ ذلک۔

اعلیحضرت قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی!
چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی
(صلی اللہ علیہ وسلم)

تذییل

سوال:۔ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین اس اجماعی عقیدہ کے خلاف مختلف اوہام وشبہات پیش کرتے ہیں جن میں سے ایک لاینحل عقدہ اور لاجواب شبہ ان کا یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا یہ معنے ہے تو پھر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا، دجال کو قتل کرنا، صلیب کو توڑنا اور خنزیر کو ختم کرنا، چالیس سال تک زمین میں رہنا، شادی و بیاہ کرنا اور فوت ہو کر گنبدِ خضریٰ روضہ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء میں مدفون ہونا کیونکر صحیح ہوگا؟ وہ بھی نبی ہیں صاحبِ انجیل، پیغمبر بنی اسرائیل ہیں۔ اگر ان کا نبی ہونا اور بعد میں آنا ختمِ نبوت کے خلاف نہیں تو مرزا صاحب کی نبوت آپکی ختمِ نبوت کے منافی ومخالف کیسے ہو سکتی ہے۔

جواب: رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا معنے یہ ہے کہ عالمِ اجسام میں آپ کا ظہور سب کے بعد ہوا ہے اور آپ کے بعد کوئی نیا نبی پیدا نہیں کیا جائے گا نہ یہ کہ پہلے سارے نبی فوت ہو جائیں گے۔ وہ زندہ رہیں، قیامت تک موجود رہیں اس کی نفی نہیں کی گئی بلکہ اس محبوب کے تشریف لانے کے بعد ان کا منصب تبلیغ و تعلیم اور ہدایت و ارشاد اور ان کی رسالت و شریعت منسوخ ہو جائے گی اور ان پر اس نبی کریم اور رسولِ عظیم کی اتباع اور نصرتِ دین واجب و لازم ہوگی اور آپ پر ایمان لانا واجب و فرض ہوگا اور یہی عہد ان سے اللہ تبارک و تعالٰے نے لیا تھا۔

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ (الآیۃ)

"اے حبیب! اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالٰے نے تمام انبیاء کرام سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت دوں، منصب رسالت و نبوت پر سرفراز کروں پھر تمہارے پاس میرا وہ رسول تشریف لائے جو تمہاری رسالت و نبوت اور کتاب و آیات کی تصدیق فرمانے والا ہے تو تم ضرور بالضرور ان پر ایمان لانا اور ان کے دین کی امداد فرمانا۔"

قال ءاقررتم واخذتم علٰی ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشاھدین۔ فمن تولّٰی بعد ذلک فاولٰئک ھم الفاسقون۔

"فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس عہد و پیمان والے میرے بوجھ کو تم نے برداشت کر لیا! سب نے عرض کی ہم نے اس کا اقرار کیا۔ فرمایا تم ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں تم سب پر گواہ ہوں اور تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ایک گواہ لہٰذا جو اس کے بعد اعراض کریں گے اور اس عہد سے پھر جائیں گے پس وہی لوگ فاسق اور میری اطاعت سے خارج ہیں اور دائرہ دین سے باہر ہیں۔"

اس آیتِ کریمہ نے اس مفروضہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا اور اس شبہ و واہیہ کو زائل و باطل کر دیا اور واضح ہو گیا کہ محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا سب سے آخر میں آنا بایں معنے ہے کہ آپ کے بعد نیا نبی پیدا نہیں ہوگا اور جو پہلے موجود ہوں گے وہ امتی بن جائیں گے خواہ آپ کے بعد بھی موجود رہیں۔

ملا علی قاری شرحِ فقہ اکبر میں نقل فرماتے ہیں کہ علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں فرمایا :-

ذهب العظماء من العلماء الى ان اربعة من الانبياء فى زمرة الاحياء الخضر و الالياس فى الارض و عيسٰى و ادريس فى السماء

"عظیم اور اکابر علماءِ کرام کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے چار انبیاء زمرۂ احیاء میں ہیں اور ظاہری حیاتِ طیبہ کے ساتھ موجود ہیں حضرت خضر و الیاس زمین میں ہیں اور حضرت عیسٰے و ادریس علیہما السلام آسمان میں ہیں۔"

نبی الانبیاء فخر الرسل نے فرمایا لو كان موسٰى حيًّا لما وسعه الا اتباعى "اگر حضرتِ موسٰے علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی سوائے میری اتباع کے چارہ نہ ہوتا۔" شبِ معراج سارے انبیاء کرام علیہم السلام بیت المقدس میں اس مہمانِ ربِ جلیل اور خلوت نشینِ حریمِ قدس کے استقبال کے لئے جمع ہوئے اور ان کی اقتداء کی، ایمان بھی لائے اور عملی طور پر ان کی قیادت و امامت کو تسلیم کیا اور وعدۂ روزِ میثاق کو پورا فرمایا اور امرِ خداوندی کو عملی جامہ پہنایا لہذا ثابت ہوا کہ انبیاء ظاہری زندگی کے ساتھ زندہ ہیں یا وصال کے بعد آپ کے پاس جمع ہوں، یہ آپ کی ختمِ نبوت کے منافی نہیں بلکہ یہی ختمِ نبوت کی دلیل ہے کہ موجود ہوتے ہوئے بھی وہ امتی و غلام بنے اور اس محبوبِ کریم کی قیادت و امامت پر اعتماد کیا۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام جب بھی تشریف لائیں گے وہ اپنی شریعت کی تبلیغ

کے لئے نہیں آئیں گے ، نہ انجیل اور تورات کے احکام کی تنفیذ فرمائیں گے نہ عیسائیت کی تعلیم دینے کے لئے آئیں گے بلکہ تمام امتوں اور ملتوں کو بتلائیں گے کہ میں بنی اسرائیل کا آخری رسول بھی تھا اور صاحبِ انجیل بھی ، روح اللہ اور کلمۃ اللہ بھی تھا ، مردوں کو زندہ بھی کرتا تھا اور مٹی کے بت بنا کر پھونک سے پرندے بھی بناتا تھا ، برص کے مریضوں اور مادر زاد اندھوں کو شفا بھی بخشتا تھا لیکن مجھے ان تمام کمالات کے باوجود اس محبوبِ کریم کی اتباع اور اقتداء کے بغیر چارہ نہیں بلکہ ان تمام کمالات و درجات کے باوجود میرے لئے قابلِ صد افتخار اعزاز فقط یہی ہے کہ میں محمد عربی کا ، خاتم النبیین کے دین کا خادم ہوں اور انکی شریعت کا مبلغ ، ان کا متبع اور امتی ہوں لہذا اے اہلِ کتاب ! اے یہود و نصاریٰ اور بت پرستو اور آتش پرستو اسی رسولِ برحق کی غلامی اختیار کرو ، انہی کے امتی بن جاؤ اور ان کا طوقِ غلامی اپنے گلے میں ڈال لو تو عذابِ جہنم سے اور نارِ دوزخ سے نجات پا جاؤ گے ؎

محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی
محمد کی غلامی دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اسی میں ہے اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اسی لئے حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام پہلی نماز حضرت امامِ مہدی کی اقتداء میں ادا فرمائیں گے تاکہ ہر ایک کو معلوم ہو جائے کہ وہ نبی و رسول بن کر تشریف نہیں لاتے بلکہ امتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے جلوہ فرما ہوتے ہیں۔

نیز علامہ زمخشری اپنی تفسیر کشاف میں فرماتے ہیں :۔ معنی کونہ اٰخر الانبیاء انہ لا ینبأ احد بعدہ و عیسٰی ممن نبی قبلہ " رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے آخری نبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا

جائے گا اور عیسیٰ علیہ السلام تو آپ سے پہلے نبی بنائے گئے تھے۔"

علامہ محمود آلوسی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں :۔

المراد بکونہ علیہ السلام خاتمھم انقطاع حدوث وصف النبوۃ فی احد من الثقلین بعد تحلیہ علیہ السلام بہا فی ھذہ النشأۃ ولا یقدح فی ذلک ما اجمعت علیہ الامۃ واشتھرت فیہ الاخبار ولعلھا بلغت مبلغ التواتر المعنوی ونطق بہ الکتاب علی قول واکفرہ منکرہ کالفلاسفۃ من نزول عیسیٰ علیہ السلام اخر الزمان لانہ کان نبیا قبل تحلی نبینا صلی اللہ علیہ وسلم بالنبوۃ فی ھذہ النشأۃ۔

"آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ثقلین میں سے کسی ایک میں اب نئے سرے سے وصفِ نبوت پیدا نہیں ہو سکتا اور عیسیٰ علیہ السلام کا آخر زمانہ میں نزول، جس پر امت کا اجماع ہے اور روایات و اخبار مشہور اس میں وارد ہیں اور شاید کہ وہ درجۂ تواترِ معنوی تک پہنچی ہوئی ہیں اور ایک قول کے مطابق قرآنِ کریم بھی اس پر شاہد ہے اور اس کا منکر فلاسفہ کی طرح کافر ہے، آپ کے اس منصب کے منافی نہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا میں حلّۂ نبوت زیبِ تن فرمانے سے پہلے نبی تھے۔"

تفسیر مدارک میں ہے لا ینبأ احد بعدہ وعیسیٰ علیہ السلام ممن نبئ قبلہ۔ زرقانی شرح مواہب میں ہے ولا یقدح نزول عیسیٰ علیہ السلام بعدہ لانہ یکون علی دینہ مع ان المراد انہ اخر من نبئ۔ مطلب وہی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا اور عیسیٰ علیہ السلام تو پہلے سے نبی تھے اور جب نازل ہوں گے تو نبی الانبیاء امام الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہوں گے۔ اور تقریباً ہر تفسیر میں، شروحِ حدیث میں اور سیر اور عقائد میں اس شبہ کا جواب دیا گیا ہے لیکن امت قادیانیہ

کی آنکھیں اگر اس کو نہ دیکھیں اور ان کے عقول اس سیدھی سی بات کو نہ سمجھ سکیں تو اس کا کیا علاج ؟

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم

چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

کوئی عقلمند آدمی لا نبی بعدی ، خاتم النبیین ، آخر الانبیاء سے یہ نہیں سمجھ سکتا جو مرزا صاحب اور اس کی امت نے سمجھا بلکہ گھڑا ہے ۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ زید عمرو کا آخری شاگرد ہے یا بکر آخری سوار ہے ، خالد آخری مقرر ہے کوئی بلید سے بلید اور کند ذہن سے کند ذہن بھی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ دوسرے سب شاگرد فوت ہو گئے یا پہلے سارے سوار اس جہان سے کوچ کر گئے ۔

سہل بن سعد ساعدی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے تاجدارِ مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا :

یا عم اقم مکانک انت بہ فان اللہ قد ختم بک الهجرة کما ختم بی النبیون رواہ الطبرانی و ابو نعیم و ابو یعلی و ابن عساکر و ابن النجار ۔

" اے میرے چچا تم اپنے اسی مکان میں ٹھہرو جس میں تم ساکن ہو کیونکہ اللہ تعالٰے نے تم پر ہجرت کو ختم فرما دیا جیسا کہ مجھ پر سلسلہ انبیاء کا ختم فرمایا گیا ۔ "

کیا کوئی احمق اس سے یہ معنے مراد لے سکتا ہے کہ پہلے سب مہاجر دارِ فانی سے کوچ فرما گئے ؟

ابنِ عساکر کی روایت میں ہے کہ جب آدم علیہ السلام زمین پر آئے اور تنہائی سے گھبرائے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اذان دی اور اشھد ان محمدا رسول اللہ کے کلمات پڑھے تو حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں تو انہوں نے جواباً عرض کیا "اخر ولدك من الانبياء عليهم السلام" محمد صلے اللہ علیہ وسلم تمہاری اولاد اور نسلِ انبیاء میں سے آخری دلدار بیٹے ہیں[2] حالانکہ ابھی آدم علیہ السلام سے کوئی بیٹا ، نبی یا غیرِ نبی ابھی نہیں ہوا تھا ، ان کے وصال اور وفات کا تو امکان ہی کہاں ؟ لہذا یہ شبہ انتہائی لغو اور بیہودہ ہے ، قابلِ التفات و اعتبار ہے اور کسی عقلمند کو بلکہ ایماندار کو ایسے مغالطے دینا اور

امتِ مسلمہ میں افتراق و انتشار پیدا کرنا زیب نہیں دیتا۔

نکتہ آیتِ میثاق میں فرمایا واذ اخذ اللہ میثاق النبیین اور آیتِ مذکور بالا میں فرمایا ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین دونوں جگہ پر النبیین کا لفظ ہے جو جمع ہے، معرف باللام ہے اور عموم و استغراق کے معنے میں ہے کیونکہ بعض نبی مراد ہونے پر کوئی قرینہ اور دلیل نہیں لہٰذا تمام انبیاء کرام سے بغیر کسی تخصیص و استثناء کے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لانے کا اور دینِ اسلام کی نصرت و امداد کا وعدہ لیا گیا اور اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے نبی الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم فرمایا گیا۔ کسی نبی و رسول کی اس میں تخصیص نہیں اور مشہور قانون المعرفۃ اذا اعیدت معرفۃ کانت عین الاولیٰ "معرفہ کو معرفہ کر کے لوٹایا جائے تو دوسرا پہلے کا عین ہوتا ہے" کے مطابق دونوں مقام پر النبیین میں عینیت و اتحاد ہے لہٰذا جن رسلِ کرام اور انبیاء عظام کو اللہ تعالےٰ نے روزِ میثاق جمع فرما کر عہد لیا تھا ان تمام کے لئے آپ خاتم ہیں اور ان سے آخری ہیں آپ کے بعد اللہ تعالےٰ کا بنایا ہوا نبی نہیں آسکتا ہاں خود بخود کوئی نبی ہو جائے تو یا ان الشیاطین لیوحون الیٰ اولیائھم "بے شک شیطان اپنے دوستوں اور تابعداروں کی طرف وحی کرتے ہیں" کے مطابق شیطانی وحی اور ٹیچی ٹیچی فرشتہ کے الہامات سے کوئی مرتبۂ نبوت پر فائز ہو جائے تو یہ ممکن ہے بلکہ ہر نئے نبی اور مدعیٔ رسالت میں یہی احتمال متعین ہے۔

نیز آیتِ میثاق میں بعثتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم سے تعبیر فرمایا اور لفظ "ثم" تراخی کے لئے ہے یعنی تم سب رسولوں اور نبیوں کے بعد وہ رسولِ کریم تشریف لائے جو تمہاری تصدیق فرمانے والا ہے اور اسی تراخی اور بعدیت کو "خاتم" کے لفظ سے تعبیر فرمایا لہٰذا القرآن یفسر بعضہ بعضًا "قرآن کا بعض حصہ دوسرے بعض حصہ کی تفسیر کرتا ہے" کے مصداق ثابت ہو گیا کہ خاتم النبیین سے مراد آخر الانبیاء ہیں یعنی رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بعثت کے لحاظ سے آخری نبی اور رسول ہیں آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا نہ یہ کہ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام زندہ نہیں رہ سکتے۔

سوال:۔ حضرت عیسٰے علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام جب تشریف لائیں گے تو وصفِ نبوت کے ساتھ متصف ہوں گے یا نہیں! وصفِ نبوت کے ساتھ موصوف نہ ہوں تو نبی کا نبوت سے معزول ہونا لازم آئے گا اور یہ بالکل باطل ہے اور اگر وصفِ نبوت کے ساتھ موصوف ہوتے ہوئے تشریف لائے تو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نبی کا ظہور ہو گیا ہاں وہ مستقل نبی نہیں ہوں گے آپ کے تابع ہو کر آئیں گے۔ اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی بھی مستقل نبی نہیں بلکہ آپ کا تابع نبی ہے لہٰذا اس کی نبوت کی نفی نہیں ہو سکتی جب اسے اتباعِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں کمال حاصل ہو گیا تو منصبِ نبوت پر فائز ہو گیا۔

جواب:۔ اولاً یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم ہونے کا مطلب قرآن، حدیث، کتبِ عقائد و سیر اور اقوال محدثین و مفسرین اور اکابر امت کی تصریحات اور ساری امت کے اجماع سے، یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی بن کر نہیں آسکتا نہ یہ کہ پہلے زندہ نہیں رہ سکتے۔ حضرتِ عیسٰے، حضرتِ ادریس، حضرت خضر، حضرت الیاس علیہم السلام ظاہری حیات کے ساتھ زندہ موجود ہیں لیکن انہیں نبوت آپ کے بعد نہیں بلکہ پہلے عطا ہوئی لہٰذا ان کے وجودِ مسعود سے آپ کے بعد کسی نئے نبی کی بعثت کا جواز کہاں سے نکل سکتا ہے؟

ثانیاً: نبی کا عنداللہ ایک مقام ہے جو ہر امت سے افضل و اعلیٰ ہے اور کوئی بھی امتی خواہ کسی نبی کی ذات سے تعلق رکھنے والا ہو اس نبی سے بحیثیت نبی ہونے کے افضل و اعلیٰ بلکہ مساوی بھی نہیں ہو سکتا لیکن اس کی عالم دنیا اور عالم تکلیف کے لحاظ سے ایک ذمہ داری ہے اور وہ ہے اپنے فرائضِ رسالت کی ادائیگی، وحی اور آسمانی احکام کا ابلاغ، اگر صاحبِ کتاب نبی ہے تو اپنی کتاب کی تبلیغ اور اگر پہلے نبی کی کتاب اور شریعت کو جاری رکھنا منظور ہے تو اس کی تلقین و تدریس، پہلا مرتبہ ہر نبی کو ہمیشہ کے لئے حاصل ہے اس میں معزولی اور نقص و تنزل ممکن نہیں لیکن دوسرے منصب کے لئے ایک مخصوص وقت میں مخصوص علاقہ یا گروہ اور قوم اس نبی کے سپرد ہوتی ہے لہٰذا جب وہ وقت ختم ہو گیا تو ان کی

ذمہ داری ختم ہو گئی اور ان کے فرض کی ادائیگی مکمل ہو گئی۔ اور عدم ابلاغ کی صورت میں امکانی باز پرس کا کوئی احتمال باقی نہ رہا۔ جس طرح آیتِ میثاق میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت دے دوں اور پھر تمہارے پاس میرا رسول تشریف لے آئے تو تم ضرور بالضرور ان کے ساتھ ایمان لانا اور ان کی نصرت و معاونت کرنا اور ایمان لانے، امداد و معاونت کرنے پر ان سے بڑا ہی تاکیدی وعدہ لیا اور خلاف ورزی کی صورت میں وعید بھی سنائی لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انبیاء سابقین کے تو بعدہ موجود ہوتے ہوئے اگر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو وہ عند اللہ نبی نہ رہتے اور ان کے مقام و مرتبہ میں تنزل آ جاتا بلکہ محض دنیوی لحاظ سے فرائض کی ادائیگی اور منصب تبلیغ احکام سے سبکدوشی ہو جاتی لہٰذا وہ بیک وقت نبی بھی ہوتے یعنی عند اللہ اور رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے امتی و خدام بھی اور دینِ اسلام کے معاون و مددگار بھی، اسی طرح حضرت عیسٰے علیہ السلام اپنے نزول کے بعد دینِ اسلام کی خدمت و معاونت فرما کر اللہ تعالےٰ سے کئے ہوئے وعدہ کو ایفاء فرمائیں گے جبکہ ایمان لانے والے وعدہ کو معراج شریف کی رات ادا کر چکے ہیں لہٰذا وہ عند اللہ اب بھی نبی ہیں اور دوبارہ نازل ہوں گے تو اس وقت بھی نبی ہوں گے لیکن جس طرح حضرت خضر و الیاس اور حضرتِ ادریس علیہم السلام کی موجودگی منصبِ نبوت و رسالت کی ادائیگی کے لئے نہیں اسی طرح حضرت عیسٰے علیہ السلام کی آسمانوں پر موجودگی یا قیامت کے قریب نزول اپنے مذہبِ عیسائیت اور کتابِ انجیل کی تبلیغ کے لئے نہیں۔ اس فرق کو مکان کے لحاظ سے اور قوم مخصوص اور علاقہ مخصوصہ کے لحاظ سے یوں سمجھئے کہ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام ہم زمان نبی ہیں، ہر ایک کا اپنا اپنا حلقہ مخصوصہ ہے اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرتِ لوط علیہ السلام کے حلقہ میں تشریف لے جائیں تو آپ وہاں کے نبی نہیں نہ وہ لوگ آپ کی امت، نہ ان پر وہاں تبلیغ فرض ولازم اور نہ ان پر ان کی اتباع لازم، اسی طرح اگر لوط علیہ السلام حضرتِ

ابراہیم علیہ السلام و اسلے علاقہ میں تشریف لے جائیں تو نہ ان پر تبلیغ فرض نہ وہ اس علاقہ کے نبی نہ یہ ان کی امت نہ ان پر حضرت لوط علیہ السلام کی اتباع لازم لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام دوسرے علاقہ میں تشریف لے جائیں تو وہ نبوت سے معزول ہو جائیں گے یا حضرتِ لوط علیہ السلام دوسرے خطہ میں قدم رنجہ فرمائیں تو وہ منصبِ نبوت سے معزول ہو جائیں گے۔

اور یہ مثال کوئی حضرتِ لوط یا حضرت ابراہیم علیہما السلام سے مخصوص نہیں بلکہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے بعد اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے پہلے بیک وقت تیس تیس نبی مختلف علاقوں میں تبلیغ توحید و رسالت میں مصروف رہے ہیں لہذا ظرفِ زماں کو بھی اسی ظرفِ مکان پر قیاس کر لینے سے مسئلہ بالکل واضح ہو جائیگا۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انا والساعۃ کھاتین (مشکوٰۃ) میں اور قیامت ایسے ملے ہوئے ہیں جیسا کہ یہ دو انگلیاں یعنی درمیانی اور انگوٹھے سے ملی ہوئی۔ تو معلوم ہوا کہ آپ کے مبعوث ہونے سے لیکر قیامت تک آپ کا زمانہ نبوت و رسالت ہے جیسا کہ ہر مکان اور ہر علاقہ آپ کی نبوت و رسالت کے احاطہ میں ہے لہذا حضرتِ عیسےٰ علیہ السلام نہ نبوت سے معزول ہوں گے اور نہ ہی اس زمانہ و مکان میں نبی و رسول بن کر نزول فرمادیں گے۔

ثالثاً: جب دینِ اسلام مکمل ہو چکا، کتاب اللہ پوری طرح محفوظ کر لی گئی اور اللہ تعالےٰ نے اس کی حفاظت کرانے اور جمع کرانے کا وعدہ پورا فرمادیا انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون، ان علینا جمعہ و قرآنہ، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اخلاق عالیہ اور صفاتِ کمالیہ کی تکمیل فرمادی اور آپ کا ہر قول و فعل، عمل و کردار، نشست و برخواست، کھانا پینا، سونا اور جاگنا، خانگی تعلقات اور پڑوسیوں سے حسن معاشرت اور اپنے جاں نثاروں سے حسن سلوک غرضیکہ آپ کی زندگیٔ مقدس کا گوشہ گوشہ اور ہر پہلو محفوظ کر لیا گیا تو اب ضرورت ہے تو صرف تبلیغ و تعلیم کی اور تدریس و تلقین کی۔ کیا یہ فریضہ سوائے نبی کے اور کوئی ادا نہیں کر سکتا تھا اور

مرزا صاحب سے پہلے بھی انبیاء نے ہی یہ تبلیغ فرمائی یا علماء کرام اور ائمۂ دین، عارفین کاملین نے، اگر تیرہ سو سال میں کسی نبی کی ضرورت پیش نہ آئی تو اب کیوں یہ ضرورت پیش آئی کہ انہی علماء سے تعلیم حاصل کرنے والا شخص اور مختلف اوقات میں مولا بخش کے ذریعہ درست کیا جانے والا فرد اور مدتوں انہی کی کتابوں سے برکت حاصل کرنیوالا آدمی منصبِ نبوت پر جا بیٹھے جس کا مقصدِ اولین فقط اپنی دکان کی گرم بازاری ہو اور جو اس دھن میں احادیث کا انکار کرے، قرآن پاک کی تاویلات کرے، پہلی ساری امت کے اجماعی عقائد کو باطل قرار دیدے، نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر پوری طرح عمل پیرا لوگوں کو پوری بے حیائی کے ساتھ کافر قرار دیدے بلکہ زنا کار عورتوں کی اولاد اور اولاد البغایا کہے اور امتِ مسلمہ میں سوائے انتشار و افتراق کے اور کچھ بھی اس کا مقصد نہ ہو۔ (مرزا صاحب کی پوری حقیقت سمجھنی ہو تو "قادیانی مذہب" مولوی الیاس برنی کی تصنیف کا مطالعہ فرمائیے) جو کبھی اپنے آپ کو انسانیت کے لئے باعثِ شرم و ننگ اور موجب نفرت و عار کہے جیسا کہ درِ ثمین میں کہا ہے ؎

کرم خاکی ہوں پیارے نہ میں آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

اور کبھی پیغمبروں کی شانِ اقدس میں گستاخیاں کرے، کہیں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی عفیفہ والدہ مریم پر بہتان باندھے اور کہیں دیوانے کی بڑ کے طور پر کہے "عیسیٰ کجاست تا بنہد پا بہ منبرم" اور کبھی کہے "ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو، اس سے بہتر غلام احمد ہے۔"

ایسے شخص کو وہ منصب کیسے مل سکتا ہے جس کا مقصد انسانوں کو پستی سے نکال کر انسانیت کے بلند مراتب تک پہنچانا اور اللہ تعالےٰ تک واصل کرنا ہو۔

رابعًا نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا تمہاری نسبت میرے ساتھ وہی ہے جو

حضرتِ ہارون علیہ السلام کو حضرتِ موسٰے علیہ السلام سے تھی لیکن خبردار میرے بعد نبی نہیں۔ اگر یہ دونوں حضرات نبی ہوتے تو لامحالہ تابع نبی ہوتے کیونکہ وہ حضورؐ کے امتی تھے، انہی کے دستِ حق پرست پر ایمان لانے والے اور ان کا طوقِ غلامی گلے میں ڈالنے والے تھے وہ مستقل تو ہو ہی نہیں سکتے تھے لیکن باوجود اس کے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتے، واضح کرتا ہے کہ آپ کے بعد تابع نبی بھی نہیں ہو سکتا۔ اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بمنزلہ حضرت ہارون علیہ السلام کے فرمایا تو فوراً فرمایا میرے بعد کوئی نبی نہیں تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضرتِ علی رضی اللہ عنہ بھی حضور کے تابع نبی ہیں بلکہ جنس نبی کی نفی فرما دی یعنی میرے بعد کسی قسم کا نبی نہیں ہو سکتا نہ اصلی نہ تابع، نہ ظلی نہ بروزی۔

خامسًا۔ سرورِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل "میری امت کے علماء انبیاءِ بنی اسرائیل کی مانند ہیں۔" اور ظاہر ہے کہ مرتبۂ نبوت کے لحاظ سے آنحضورؐ کی امت میں سے کوئی ولی، غوث و قطب نبی کا ہم مرتبہ نہیں لہذا یہ تشبیہ محض تبلیغ دین اور احکامِ شرع کے لحاظ سے ہے یعنی جس طرح انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہر ایک نبی و رسول ایک مخصوص علاقہ اور قوم کو اپنے فیوض و برکات سے مشرف فرماتا اور انہیں زیورِ ایمان و یقین سے آراستہ فرماتا تھا اسی طرح میری امت کے علماء اپنے اپنے مخصوص علاقوں اور حلقوں میں شمعِ اسلام کو روشن رکھیں گے۔ اگر یہی تبلیغ اور تذکیر منصبِ نبوت ہے تو پھر تمام علماء کو نبی ماننا چاہیے جبکہ ترجمانِ حق اور صادق و مصدوق نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے منصب کو انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کے منصبِ رشد و ہدایت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جب وہ نبی نہیں تو صرف مرزا صاحب کیسے نبی بن گئے؟ نیز بعد میں انبیاء ہو سکتے تو فرما دیتے کہ میری امت کے انبیاء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہوں گے حالانکہ اس کے برعکس آپ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالےٰ کی سنت یہ تھی کہ جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو دوسرا مبعوث فرمایا جاتا جو اس کی جگہ سنبھال لیتا لیکن میرے بعد نبی نہیں ہوں گے، محض خلفاء

ہوں گے تم ان میں سے ہر ایک کی یکے بعد دیگرے اطاعت کرتے ہوئے حضور وفاداری سے کام لیتے ہوتے ہر ایک کی بیعت کا حق ادا کرتے جانا۔ اگر وہ کوئی زیادتی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے باز پرس کرنے والا ہے۔

اس واضح ترین ارشاد کے بعد اور بنی اسرائیل میں سنتِ الٰہیہ کے ذکر فرمانے کے بعد اپنی امت میں سے انبیاء کی نفی فرمانا اور خلفاء کا وعدہ دینا اور ان کی اتباع کا حکم دینا خواہ وہ زیادتی بھی کیوں نہ کریں کیا اس قیاسِ فاسد کے فساد و بطلان پر قطعی دلیل نہیں؟ کیا اس روشن بیان کے بعد مستقل اور تابع کے بیہودہ فرق کی کوئی گنجائش رہ سکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ ہر مسلمان کو یقین کرنا پڑتا ہے کہ امت محمدیہ علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کیطرف کوئی نیا نبی مبعوث ہو کر نہیں آسکتا۔ اس امت کے تمام معاملات کا انتظام و انصرام صرف علماء کرام، اولیاء عظام اور خلفاء و حکام کے ذریعہ ہو گا اور اس خلافت کا وعدہ قرآنِ کریم نے دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اس امت کے کسی فرد کو نبوت عطا فرمانی ہوتی تو وہ خلافت سے بھی بڑا انعام و اعزاز تھا اسے ضرور ذکر فرماتا حالانکہ کہیں بھی اس کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ خاتم النبیین میں اس کی صراحت کے ساتھ نفی فرما دی اور صرف خلافت کا وعدہ فرمایا وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنًا (الاٰیۃ) "اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لے آئے اور نیک اعمال کئے کہ انہیں ضرور بالضرور خلیفہ بنائے گا زمین میں اور حکومت و سلطنت عطا فرمائے گا جیسا کہ پہلے لوگوں کو سلطنت بخشی اور ضرور بالضرور مضبوط فرمائے گا ان کی خاطر وہ دین جسے ان کے لئے پسند کیا اور ضرور بالضرور انہیں خوف کے بدلے امن و سکون عطا فرمائیگا۔"

اگر اتباعِ کامل سے منصبِ نبوت حاصل ہو سکتا ہے تو کیا اتنی صدیوں کے بعد صرف مرزا غلام احمد قادیانی کو ہی اتباع کامل نصیب ہوئی جو زندگی بھر لے شمار بار، و

دولت ہونے کے باوجود اور سرکار انگریزی کی خصوصی عنایت و سرپرستی حاصل ہونے کے باوجود اور ہر ممکن سہولتِ سفر مل سکنے کے باوجود ایک دفعہ بھی بیت اللہ شریف کی حاضری نہ دے سکا اور فریضۂ حج کو بھی ادا نہ کر سکا بلکہ فریضۂ صیام رمضان کا بھی تارک رہا اور غریب کیا کرتا ، محمدی بیگم کے ساتھ نکاح کی خواہش نے سب فرائض بھلا رکھے تھے اور صرف اسی صنم کی پرستش ہی مقصدِ اولین بن کر رہ گئی تھی لیکن "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ !" ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم　　　نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

خیر اس موضوع کو تو کہیں اور بیان کیا جائے گا یہاں صرف اتنا عرض کرنا مقصود ہے کہ صحابہ کرام ، تابعین ، تبع تابعین ، ائمۂ مجتہدین ، محدثین و مفسرین ، اغواث و اقطاب میں سے کسی کو اتباعِ کامل نصیب نہ ہوئی ، کیا اسی امت پر اللہ تعالےٰ کو ناز ہے ! اسے خیر الامم اور "شہداء علی الناس" اسی اہلیت کی بناء پر بنایا گیا تھا اور "انا اعطیناک الکوثر" میں اسی امت کے عطا کرنے کا مژدہ سنایا ہے !

نیز مرزا صاحب کے بعد بھی کسی کو یہ نصیب نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ بزعمِ خویش مسیحِ موعود بھی ہیں اور ان کے بعد تو قیامت قائم ہو جانی تھی سو کسی کو کامل اتباع کیسے نصیب ہو سکتی تھی اور نبوت کی اہلیت کیسے پیدا ہو سکتی تھی گویا یہ سارا چکر محض اس لئے ہے کہ مرزا صاحب کی نبوت ثابت ہو جائے خواہ کوئی متبع کامل نہ پہلے ہو سکا ہو اور نہ بعد میں لیکن مرزا بہر کیف متبعِ کامل ہیں کیونکہ نبی بننا ہے اگرچہ بیچارے کو پیشاب و استنجا سے بھی فرصت نہیں ملتی تھی ، دن میں صرف ایک سو بار پیشاب فرمایا کرتے تھے اور یہی سبب ہے اہلیت تامہ اور استعداد نبوت کا جب اور کسی میں یہ علت نہیں تو نام نہاد نبوت کیسے آسکتی ہے نعوذ باللہ من شر الشیطن و شرکہ ۔

سابعًا ۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد متبع کامل منصبِ نبوت پر فائز ہو سکتا تھا تو حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا یا نہیں ؟ اگر علم نہیں تھا نعوذ

باللہ العظیم، تو کیا ایسی ذات نبوت و رسالت جیسے منصبِ عالی پر سرفراز ہو سکتی ہے جو لاعلمی کے باوجود ساری زندگی یہی دعوے کرتے رہے لا نبی بعدی اور اپنے آپ کو قصرِ رسالت کی آخری اینٹ فرماتے رہے اور لوگوں میں ایک غلط عقیدہ رائج کرتے رہے اور مزید برآں یہ کہ اللہ تعالےٰ نے بھی انہیں متنبہ نہ فرمایا اور اس گمراہ کن نظریہ العیاذ باللہ جس نے مرزا صاحب کی نبوت کو بیخ و بن سے ہلا دیا" کی تبلیغ و اشاعت سے نہ روکا کیا وہ بھی لوگوں کو راہِ راست سے پھسلانا چاہتا تھا اور اسے مرزا صاحب سے کوئی عداوت تھی کہ اپنے حبیب علیہ السلام کے لئے تو ہر پیغمبر و رسل سے ان کی تشریف آوری کا اعلان کرایا اور امتوں سے عہد و پیمان اتباع لیا لیکن مرزا صاحب کی باری آئی تو "لا نبی بعدی" کے اعلانات سننے جاننے کے باوجود منع نہ فرمایا بلکہ اپنی کلام پاک میں خاتم النبیین فرما کر اور ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم کہہ کر خود بھی دروازۂ نبوت کو بند فرما دیا اور بابِ رسالت کو ختم فرما دیا اور اس نبوت کے بعد فقط خلافت کا وعدہ دیا اور اس میں بھی مرزا صاحب کی کوئی تخصیص نہ فرمائی بلکہ عملوا الصالحات فرما کر ان کی خلافت کی بھی نفی فرما دی کیونکہ وہ غریب تو حج و روزہ جیسے فرائض بھی ادا نہ کر سکا اور پیشاب سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ نماز کی ادائیگی کا حال بھی ظاہر ہے تو سب اعمالِ صالحہ پر عملدرآمد کی نوبت ہی کب آئی؟

اور اگر علم تھا تو دیدہ و دانستہ اس کو بیان نہ کرنا بلکہ آنے والے رسول و نبی کی آمد کو چھپا جانا اور ایسے احکام صادر کرنا جن کی بنا پر امت ان کی اتباع سے محروم رہ جائے بلکہ ان کو کافر کہے، انہیں واجب القتل جانے اور توبہ یا قتل کے علاوہ کبھی بھی اصلی یا تابع والا سوال نہ پوچھیں، یہ کسی بھی نبی بلکہ ایماندار کے لائق نہیں چہ جائیکہ فخرِ رسل سید الانبیاء حبیبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء سے ایسا غیر شائستہ اور ناموزوں فعل سرزد ہو جبکہ اللہ تعالےٰ فرمائے وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ" وہ اپنی خواہشاتِ نفس سے نہیں بولتے بلکہ ان کا ہر فرمان وحیِ الٰہی ہے

جوان پر نازل کی جاتی ہے انک لعلی خلق عظیم "آپ تو اخلاقِ عظیمہ پر حاوی و غالب ہیں۔

لہذا سیدِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ حق صریح ہے اور مرزا غلام احمد نے جو کچھ کہا وہ ضلال و قبیح ہے قرآنِ پاک اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے جو معنے ختمِ نبوت کا ثابت ہے اور جس پر تمام صحابہ کرام، علماءِ کرام اور امتِ مسلمہ کا اتفاق ہے وہی حق ہے، وماذا بعد الحق الا الضلال، فآمنّا۔ اگر مرزا صاحب کی بات تسلیم کی جائے تو ساری امت کا ایک غلط بلکہ کفریہ عقیدہ پر اجماع لازم آئے گا کیونکہ جس طرح انبیاء سابقین کے ساتھ تصدیق ہر مسلمان پر لازم کی گئی ہے اسیطرح اگر بعد میں انبیاء ورسل نے مبعوث ہونا ہوتا تو ان کی صداقت و حقانیت پر ایمان بھی واجب و لازم تھا اور تصدیق و اعترافِ حقانیت فرض تھا۔

آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون کل آمن باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ۔

قرآنِ پاک نے سید الخلق علے الاطلاق صاحبِ لولاک صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے غلاموں کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور تمام مومنین ہر اس شی پر ایمان لے آئے جو ان کی ذات پر نازل کی گئی سب اللہ تعالےٰ پر اس کے تمام فرشتوں پر اور رسولوں پر ایمان لے آئے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اس کے رسولوں کے درمیان ایمان لانے کے لحاظ سے تفریق نہیں کرتے کہ بعض کے ساتھ ایمان لے آئیں اور بعض پر ایمان نہ لائیں، بعض کی تصدیق کریں اور بعض کی تکذیب کریں لہذا اگر بعد میں کہ رسول و نبی ہو سکتے تو ان پر ایمان لانا فرض تھا۔ نہ صرف امت پر بلکہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر بھی اور جب آپ نے نفی فرما دی اور ساری امت نے بھی اس پر ایمان و یقین اور اعتماد و اعتبار کیا تو امت بمع اپنے ہادی و مرشد اور رسول و نبی کے اس فرض کی تارک بن جائے گی نعوذ باللہ من ذلک۔ اور امت تو

کہہ سکتی ہے کہ ہمارا کیا قصور؟ ہمیں تو جو اللہ تعالٰے کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ اللہ تعالٰے نے خود فرمایا "ہم اس پر ایمان لائے" تو کیا یہ ساری ذمہ داری صرف ہادیٔ اعظم، فخر بنی آدم و آدم صلے اللہ علیہ وسلم پر عائد نہیں ہوگی بلکہ اللہ تعالٰے پر عائد ہوگی جس نے نہ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو منع فرمایا اور نہ آنے والے رسول پر ایمان لانے کا حکم دیا جبکہ پہلے رسولوں پر ایمان لانے کا حکم دیا والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک۔ متقین کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا "اور وہ لوگ جو ایمان لائے قرآن پر جو تم پر نازل کیا گیا اور ان کتابوں اور صحیفوں پر جو تم سے پہلے نازل کئے گئے۔" لیکن اللہ تعالٰے پر اور اس کے محبوب کریم پر اور خیرِ امم پر الزام لگانے سے یہ بہتر نہیں کہ اس من گھڑت معنے کو اور تیرہ صدیوں کے بعد اختراع کئے جانے والے معنٰی کو باطل قرار دے دیا جائے اور کہا جائے کہ مرزا صاحب کو اگر اللہ تعالٰے بھیجتا تو یہ الزام درست ہو سکتا، جب بھیجنے والا ہی کوئی اور ہے، وحی لانے والا جبرائیل نہیں جو اللہ تعالٰے کے رسولوں پر وحی لاتا رہا بلکہ ٹیچی ٹیچی ہے اور وہ بھی نہ عربی زبان میں، نہ عبرانی اور قومی زبان ہندی بلکہ انگریزی میں تو اللہ تعالٰی اسکی خبر کیسے دیتا؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آنیوالے دجالوں کی نشاندہی کیوں نہ فرماتے اور امت انہیں واجب القتل کیوں نہ جانتی؟

ظلی اور بروزی نبی

مرزا صاحب نے خاتم النبیین بننے کے لئے ایک اور چکر چلایا فرماتے ہیں مجھے بروزی صورت نے نبی اور رسول بنایا ہے اور اس بنا پر خدا نے بار بار میرا نام نبی اور رسول اللہ رکھا ہے مگر بروزی صورت میں میرا نفس درمیان میں نہیں ہے بلکہ محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم ہے اس لحاظ سے میرا نام محمد اور احمد ہوا پس نبوت و رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی محمد کی چیز محمد کے پاس ہی ہے،

نزول المسیح صہ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب" میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی

شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے اور میں کوئی علیحدہ شخص نبوت کا دعویٰ کرنیوالا ہوتا تو خدا تعالےٰ میرا نام محمد اور احمد اور مصطفےٰ اور مجتبےٰ نہ رکھتا (نزول المسیح)

بار بار ان ارشادات کو پڑھئے اور نبوت کے شائق کے پیچ و تاب دیکھئے اور ہیر پھیر کا ملاحظہ فرمائیے۔ ادھر فرماتے ہیں کہ میرا نفس درمیان میں نہیں بلکہ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہے یعنے میں ان کی ذات میں فنا ہوگیا ہوں حتے کہ ان کے نام اور منصبِ ختمِ نبوت سے موصوف ہوگیا ہوں۔

جب مقام فنا فی الرسول حاصل ہو تو پھر میں اور میرا کی تو گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ وہاں تو میں بھی تو اور تو بھی تو ہوتا ہے اور منصور کا "اَنَا الحق" کہنا اسی لئے جرم بن گیا کہ انہوں نے اَنَا الحق (میں حق ہوں) کہا ورنہ حق حق کہتے تو کون انہیں سولی پر چڑھا سکتا تھا۔

اور علمی اصطلاح میں اس بیان کو دیکھو تو بھی انتہائی لغو ہے کیونکہ مقامِ فنا میں اپنا تصور بھی نہیں ہوتا اور یہاں مرزا صاحب نے سلبی تصدیق ذکر کی ہے جو تصورِ موضوع، محمول، نسبت اور حکم پر مشتمل ہے یعنی صرف اپنا تصور ہی نہیں بلکہ اور مفہوموں کا تصور بھی ہے اور نفی کی تصدیق بھی ہے اور بایں ہمہ دعویٰ فنا فی الرسول ہے (میرا نفس درمیان میں نہیں)

فرمایا "اس لحاظ سے میرا نام محمد و احمد ہوا"۔ جب آنجناب کی ذات درمیان میں ہی نہیں تو تمہارا نام محمد و احمد کیسے ہوا؟ ارشاد ہے "میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے،" مگر ہم نے کبھی آئینہ کو انسان ہونے کا دعوے کرتے نہیں دیکھا، نہ سنا، نہ کبھی کسی عقلمند کو یہ خیال تک آیا کہ آئینہ ایسا بھی کہہ سکتا ہے (نیز ہم آنحضور کے معجزات و کمالات اور حسنِ لازوال بیان کریں گے، صاحبِ انصاف کوئی ایک نمونہ حسن ظاہری و باطنی کا اس میں ثابت کر دے" چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک"

" اگر میں کوئی علیحدہ شخص دعویٰ نبوت کرنیوالا ہوتا تو خدا تعالےٰ میرا نام محمد، احمد،

مصطفٰے، مجتبیٰ نہ رکھتا "

جناب من آپ کا اللہ تعالےٰ نے کہیں بھی ان ناموں سے کوئی نام نہیں رکھا اور نہ ہی نبی اللہ اور رسول اللہ رکھا۔ کس آیت اور کس حدیث سے یہ ہذیان ثابت ہوسکتا ہے؟ ہاں آپ کے والدین نے غلام احمد نام رکھا اس خیال سے کہ اللہ تعالےٰ آپ کو اسم بامسمّٰے بنادیگا لیکن ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی اور آپ اس سے بھی محروم رہے اور لوگوں کو بھی محروم کرنے کی کوشش فرمائی۔ اگر غلامی کی تو فقط انگریز کی اور اسے سرایۂ رحمت بتایا، اپنی ساری جماعت کو ان کی وفاداری کا حکم دیا اور ان کے خلاف جہاد کو حرام فرمایا لیکن سنئے اور دل کے کان کھول کر سنئے اے مرزا کی امت! میرے آقا و مولیٰ نے، امینِ اسرارِ خداوندی نے اور عالم ماکان وما یکون نے تیرہ سو سال پہلے فرما دیا تھا :۔

عن عقبة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال الجهاد حلوا خضرا ما امطرت السماء وانبتت الارض وسینشأ نشو من قبل المشرق یقولون لا جهاد ولا رباط اولٰئك هم وقود النار بل رباط یوم فی سبیل اللہ خیر من عتق الف رقبة ومن صدقة اهل الارض جمیعًا (کنز العمال ص ۲۶۳/۲ کتاب الجهاد باب الرباط ابن عساکر عن انس)

"جہاد ہمیشہ میٹھا پیارا اور سرسبز رہے گا جب تک کہ آسمان برستا رہے گا اور زمین اگاتی رہے گی اور عنقریب مشرق کیطرف سے ایک گروہ پیدا ہوگا جو کہے گا کہ نہ جہاد ہے اور نہ سرحدوں کی حفاظتی چوکیاں، وہ لوگ نارِ جہنم کا ایندھن ہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کے راستہ میں ایک دن اسلامی مملکت کی حفاظت اور سرحدوں کی نگرانی میں گزارنا ہزار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے اور تمام روئے زمین کے باشندوں کے صدقات سے بھی

بہتر ہے اور تمام روئے زمین کے باشندوں کے صدقات سے بھی بہتر ہے جن کی ذات میں فنا ہونے اور جن کا ظل اور بروز ہونے کا دعویٰ ہے ان کا فرمان سنئیے اور ظل اور بروز کی خدمت سرکار انگریزی دیکھئے کہ ان کی خاطر فریضۂ جہاد کو حرام کر دیا اور فرمادیا ؎

چھوڑ دو اب دوستو جہاد کا خیال
حرام ہے دیں کیلئے لڑنا اور قتال

بہرکیف یہ ایک جملہ معترضہ سمجھئے۔ میں عرض یہ کر رہا تھا کہ مرزا صاحب کو قرآن و حدیث میں کہیں بھی محمد و احمد، نبی اللہ و رسول اللہ اور مصطفٰے، مجتبٰے نہیں کہا گیا اور اگر انہیں یہ خطابات اپنی وحی میں عطا کئے گئے ہیں تو دلیل کو یہاں پیش کرنا عجیب جہالت ہے یا فریب دہی اور مکاری ہے۔ گویا اس دلیل کا حاصل یہ ہوا کہ چونکہ مجھ پر یہ وحی ہوئی ہے کہ تو محمد، احمد، مصطفٰے، مجتبٰے ہے، نبی اللہ ہے، رسول اللہ ہے لہذا میں نبی ہوں، رسول ہوں بلکہ خاتم النبیین ہوں اور چونکہ میں نبی و رسول بلکہ خاتم النبیین ہوں لہذا میری وحی وحیِ الٰہی ہے، بالکل سچی ہے اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اگر یہ دلیل کسی پہلے نبی کو ہاتھ آجاتی تو معجزے دکھانے کی ضرورت ہی نہ رہتی، نہ یدِ بیضا دکھانے کی، نہ عصا کو سانپ بنانے کی، نہ مردے زندہ کر کے دکھانے کی، نہ چاند شق کرنے کی، اور پتھروں سے کلمہ پڑھوانے کی۔

نیز دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپ کی طرح ظل و بروز ہونے اور فنافی الرسول ہونے کا دعوےٰ تو ہزاروں کر سکتے ہیں اور آپ کی طرح دلیل بھی قائم کر سکتے ہیں تو پھر ہزاروں آدمی خاتم ہوئے پھر اس منصب کی حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصیت کیا ہوئی اور آپ آخری نبی کیسے ہو گئے؟ اسے بھی چھوڑیئے آپ کے پاس اور آپ کے کسی متبع کے پاس تو کوئی دلیل اس دعویٰ پر نہیں ہے لیکن اگر کوئی آدمی کہہ دے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم فنافی اللہ کے مرتبہ پر فائز ہیں اور وہ بھی ظل اللہ ہیں۔ ان کا باطن ذاتِ خداوندی ہے اور ظاہر وہ ہیں ان کے آئینہ میں مرتبہ الوہیت کا کامل انعکاس ہے اور قرآنِ کریم سے دلائل بھی پیش کر دیے وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ، ان کا بولنا اپنی طرف سے نہیں ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، زبان ان کی ہے، کلام اس کا ہے۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم "بیشک جو لوگ تمہارے ساتھ بیعت کرتے ہیں وہ صرف اللہ کے ساتھ بیعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے" وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ "نہیں کنکریاں پھینکیں تھیں آپ نے جب کہ آپ نے پھینکی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں" من یطع الرسول فقد اطاع اللہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فقط اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے"۔

جب ان کا بولنا اللہ کا بولنا ہے، ان کا بیعت لینا اللہ کا بیعت لینا ہے ان کا مارنا اللہ تعالیٰ کا مارنا ہے، ان کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے لہذا یہ بھی ذاتِ باری تعالیٰ میں فنا ہو کر اللہ تعالیٰ کا ظل و بروز ہو کر اور اللہ تعالیٰ کا نام پاکر خدا بن گئے، وہ احکم الحاکمین بھی ہیں، خالق و رازق بھی ہیں، معبود و مسجود بھی ہیں (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) تو اس کا آپ کیا جواب دیں گے؟ اور اس باطل عقیدہ کو کیسے رد کریں گے؟

مرزا صاحب آپ کو اپنی نبوت ثابت کرنے کے شوق نے اتنا بدحواس کر دیا کہ اس قانون کے مفاسد اور غلط نتائج سے آپ بالکل بے خبر رہے اور دین و مذہب کو اپنی بازی گری اور فریب کاری کی نذر کر دیا اور سیدھے سادھے دین اور ملت حنیفیہ نقیہ بیضاء کو، صراطِ مستقیم کو، عام فہم اسلام کو چیستاں بنا کے رکھ دیا نعوذ باللہ من شر الشیطان الوسواس الخناس من الجنۃ والناس۔

(یہاں تذییل تمام ہوگئی آگے متن شروع ہوتا ہے)

۲- نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت ہر شئی کو شامل ہے اور اجزاءِ عالم کو محیط ہے۔ کائنات کی کوئی شئے عمومِ نبوت سے خارج نہیں۔ آپ تمام انسانوں کے رسول ہیں اللہ تعالےٰ نے فرمایا وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرًا "اور نہیں مبعوث فرمایا ہم نے آپ کو مگر تمام لوگوں کے لئے بشارت دینے والے اور ڈرسنانیوالے"۔ آپ جنوں کے ہادی و راہنما ہیں، اللہ تعالےٰ نے فرمایا واذصرفنا الیک نفرًا من الجن یستمعون القراٰن فلما حضروہ قالوا انصتوا فلما قضی ولوا الیٰ قومھم منذرین ٥ "اور یاد کرا ے حبیب اس وقت کو جب کہ ہم نے آپ کی طرف جنوں کی ایک جماعت کو متوجہ کیا قرآن پاک سننے کے لیئے، جب حاضر ہوئے تو ایک دوسرے کو کہا چپ ہو جاؤ، جب اس کی تلاوت ختم ہوئی تو اپنی قوم کیطرف پھرے دراں حالیکہ وہ انہیں عذابِ الٰہی سے ڈرانے والے تھے" (احقاف) گویا صرف مسلمان ہی نہ ہوئے بلکہ اپنی قوم کو بھی ایمان لانے اور اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وغلامی اختیار کرنے کی تلقین کرنے لگے۔

سورۂ جن میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا قراٰنا عجبا یھدی الی الرشد فاٰمنا بہ" فرما دو اے میرے رسول! صلے اللہ علیہ وسلم کہ مجھ پر اس بات کی وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے کان لگا کر اور غور و توجہ سے قرآنِ کریم کو سنا پس پکار اٹھے کہ بیشک ہم نے بڑی عجیب کتاب کو سنا جو کہ رشد و ہدایت کیطرف بلاتی ہے لہذا ہم تو اس کے ساتھ ایمان لے آئے "ولن نشرک بربنا احدًا" اور ہم ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے"۔

رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم صرف جنوں اور انسانوں کے نہیں بلکہ تمام کائنات اور سب جہانوں کے لئے بشیر و نذیر بن کر تشریف لائے تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعالمین نذیرًا (فرقان) "بابرکت ہے وہ ذات جس نے قرآن پاک کو اپنے بندے پر نازل فرمایا تاکہ وہ سب جہانوں کو میرے

عذاب اور شانِ قہاری سے ڈرائیں"؛ ان ھو الا ذکری للعالمین ہ (انعام) نہیں یہ قرآنِ پاک مگر نصیحت واسطے تمام جہانوں کے "؛ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے متعلق فرمایا الحمد للہ رب العالمین ہ اپنے حبیب کریم علیہ السلام کو فرمایا للعالمین نذیرًا اور قرآنِ پاک کو فرمایا ذکری للعالمین۔ گویا جس جس چیز کو اللہ تعالےٰ کی ربوبیت شامل ہے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآنِ کریم کی ہدایت و نصیحت بھی اسے شامل ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین ہ "ہم نے آپ کو نہیں مبعوث فرمایا مگر اس حال میں کہ آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہو"۔ اور اصل رحمت رسالت و نبوت ہے وہ تمام اجزاءِ عالم کو شامل ہے تو رسالت اور نبوتِ مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم بھی تمام اجزاءِ عالم کو محیط ہے اور کائناتِ ارضی و سماوی کی ہر شیٔ کو شامل لہذا انسان، جن اور فرشتے بھی اور فرش و عرش، لوح و قلم، جنت و دوزخ، حور و غلمان اور ذراتِ عالم میں سے کوئی بھی ایسی شیٔ نہیں جو آپ کی رحمت اور رسالت سے فیضیاب نہ ہو۔

رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ جبریل علیہ السلام سے پوچھا تجھے میری رحمت سے کیا حصہ ملا؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ مجھے ہر وقت اپنی عاقبت کی فکر دامن گیر رہتی جب تم پر قرآنِ پاک نازل ہوا اور تم عالمِ ظاہر میں نبوت سے سرفراز ہوئے تو مجھے بھی اطمینان و سکون نصیب ہو گیا اور اللہ تعالےٰ نے مجھے اپنی عاقبت سے مطلع فرما دیا رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین ہ مطاع ثم امین۔

تمام ملائکہ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر ہر وقت درود بھیجتے ہیں ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی، جنگ کے میدانوں میں صحابہ کرام کے دوش بدوش ہو کر دشمنانِ خدا و مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو جہنم واصل کیا اور انہیں ذلت آمیز شکست دی یمددکم ربکم بخمسۃ الاف من الملائکۃ مسومین ہ (آل عمران) میدانِ بدر کے متعلق ارشاد فرمایا "مدد فرمائیگا اللہ تعالیٰ تمہاری ان پانچہزار

فرشتوں کے ساتھ جو امتیازی نشان والے ہیں وانزل جنودا لم تروھا وعذب الذین کفروا وذلک جزاء الکافرین ہ (توبہ) جنگِ حنین کے متعلق فرمایا اور نازل کئے اللہ تعالے نے لشکر (فرشتوں کے) جن کو تم نے نہیں دیکھا اور عذاب دیا کفار کو اور یہی ہے جزاء کفر کرنیوالوں کی۔"

جب آپ راہ پر چلتے تو فرشتوں کی صفیں پیچھے پیچھے ہوتیں اسی لئے آپ سب سے پیچھے چلتے اور صحابہ کرام کو آگے چلنے کا حکم دیتے تاکہ فرشتوں کو ایذاء نہ پہنچے۔ شبِ اسریٰ کے دولہا جب محبوب حقیقی سے ملنے حدود وقیودِ زمان ومکاں سے ماوراء تشریف لے جارہے تھے تو پردہ سے ایک فرشتہ ظاہر ہوا جس نے اذان کہی اور اذان میں اشھد ان محمدرسول اللہ پڑھا۔ پھر محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا دستِ اقدس پکڑا اور امامت کے لئے آگے بڑھایا، اس طرح آپ اہلِ سماء کے بھی امام بنے جس طرح اہلِ زمین کے۔

بیت المقدس میں انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی اور بیت المعمور میں ملائکہ کو فاکمل اللہ لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم الفضل علی اھل السمٰوات والارض، پس اللہ تعالے نے رسولِ پاک صاحبِ لولاک علیہ انفضل الصلوات والتسلیمات کے فضل وکمال کو اہلِ زمین اور اہلِ سماء پر ظاہر فرما دیا۔ بیت اللہ شریف، بیت المقدس اور بیت المعمور کا امام انہیں بنایا اور انبیاء ورسل اور تمام ملائکہ کو ان کا مقتدی بنایا تاکہ ہر ایک کو معلوم ہو جائے کہ امامت وسیادت انہی کا حق ہے اور ان کی موجودگی میں کوئی دوسرا اس منصب کے اہل نہیں ہو سکتا۔

وصال شریف کے بعد سے ستر ہزار فرشتے صبح روضۂ اقدس پر حاضر ہوتے ہیں جو شام تک اپنے پروں سے جاروب کشی کرتے ہیں۔ او گنبدِ خضریٰ کا احاطہ کئے رہتے ہیں شام کو وہ واپس ہوتے ہیں اور ستر ہزار اور نازل ہوتے ہیں جو صبح تک اس بارگاہِ عالم پناہ میں حاضر رہتے ہیں، صلوٰۃ وسلام کے تحفے پیش کرتے ہیں اور صبح واپس ہو جاتے ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا ینزل علی قبرہ الشریف کل یوم سبعون الف ملک یضربونہ باجنحتھم ویحفون بہ الحدیث، اور قیامت کے دن بھی

ستر ہزار کی معیت میں براق پر سوار ہو کر سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم میدانِ حشر میں جلوہ فرما ہوں گے۔

• علامہ امام سبکی فرماتے ہیں کہ ان آیات و روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبرِ آخر الزمان رحمتِ دوجہان صلے اللہ علیہ وسلم فرشتوں کے بھی رسول ہیں۔ وہ سب آپ کا کلمہ پڑھنے والے، اتباع و اقتداء کرنیوالے، آپ کے خدام اور لشکری ہیں۔ اگر کہا جائے کہ امتی نہیں ہیں تو مقامِ غور ہے کہ اگر امتی ہوتے تو اور کیا کرتے، کونسا امتی ہونیوالا وصف ہے جو ان میں موجود نہیں؟

عرشِ عظیم کے پائے پر لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ ہر آسمان پر لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ نقش ہے۔ جنتی درختوں کے پتوں پر لا الٰہ الا اللہ کیساتھ محمد رسول اللہ ثبت ہے۔ جنت کے دروازہ پر، جنت کے برتنوں پر غرضیکہ جہاں بھی لا الٰہ الا اللہ موجود ہے ساتھ ہی محمد رسول اللہ کا ذکر موجود ہے۔ گویا عالمِ بالا کے مکینوں کی جدھر بھی نگاہ اٹھتی ہے ہر چیز انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالتِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے اقرار و اعتراف اور ایقان و اذعان کی تلقین کر رہی ہے۔

شہِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے چار وزیر ہیں دو زمین میں اور دو آسمانوں میں اما وزیرای من اھل الارض فابوبکر وعمر واما وزیرای من اھل السماء فجبرئیل ومیکائیل" لیکن اہلِ زمین میں سے دو وزیر تو ابوبکر و عمر ہیں اور اہلِ آسمان میں سے دو وزیر حضرت جبرئیل و میکائیل ہیں (مشکوٰۃ) وزیر اپنے بادشاہ کے تابع ہوتے ہیں لہٰذا حضرت جبرئیل و میکائیل بمع اپنے متبعین اور حلقۂ اثر کے اپنے بادشاہ اور آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے خادم و نیاز مند ہیں اور آپ تمام عالمِ ملائکہ اور عالمِ انسانیت کے امام و رسول ہیں۔

جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لے آئے اور تنہائی کیوجہ سے وحشت و گھبراہٹ محسوس کی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے فنادیٰ بالاذان

اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لا الٰہ الا اللہ مرتین اشھد ان محمدا رسول اللہ مرتین الخ حضرت جبریل نے اذان دی اللہ اکبر اللہ اکبر کہا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ دو بار کہا پھر اشھد ان محمد رسول اللہ دو بار کہا۔ گویا حضرت آدم علیہ السلام کی گھبراہٹ کو دور کیا گیا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے نام پاک سے، اور جس ذات کی رسالت و نبوت سب سے پہلے اہلِ زمین کو روشناس کرایا گیا اور جس کے نامِ نامی کو اس دنیا میں سب سے پہلے بلند کیا گیا وہ ذاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے اور پھر حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام تک ان کی آمد آمد کی بشارتیں، انہی کی رسالت و نبوت کے اعلانات ہوتے رہے و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد حضرتِ عیسےٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں بشارت دینے والا ہوں اس رسولِ اعظم کی جو میرے بعد تشریف لائیں گے اور جن کا نام احمد ہے۔"

اور تمام انبیاء نے بھی روزِ میثاق ان کی اتباع کرنے اور ان پر ایمان لانے کا وعدہ کر کے اور شبِ معراج اس وعدہ کو پورا کر کے یہ ثابت کر دیا کہ سب نبیوں کا نبی، سب رسولوں کا رسول، سب اماموں کا امام، سب سرداروں کا سردار محبوبِ خدا، سید ابرار، احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

ابھی انبیاء کرام اور رسولانِ عظام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس محبوب کو تاجِ نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور جب پیدا ہو چکے تو سب کو اس شمعِ نبوت و رسالت کا پروانہ بنایا اور گلشنِ ہستی میں کوئی ایسا سرو بالا نہ رہنے دیا جو محبوب کی کمندِ عزت و عظمت کی زد میں نہ ہو۔

علامہ سبکی فرماتے ہیں: اعطاہ النبوۃ من ذلک الوقت ثم اخذ لہ المواثیق علی الانبیاء لیعلموا انہ المقدم علیھم وانہ نبیھم و رسولھم۔ اعلیٰحضرت بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

نمازِ اقصےٰ میں تھا یہی سر عیاں ہو معنیٔ اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

ان کی ابوت ان کی نبوت ہے سب کو عام !

ام البشر عروس انہی کے پسر کی ہے

بلکہ تمام اجزاء عالم اور ذرات موجودات کیطرف مبعوث ہیں فرمایا ارسلت الی الخلق کافۃ "میں ساری مخلوق کیطرف مبعوث فرمایا گیا ہوں" فرمایا مامن شئ الا وقد یعلم انی رسول اللہ جہان کی کوئی شے ایسی نہیں جو یہ نہ جانتی اور مانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں "

چاند کا انگلی اٹھتے ہی کلیجہ شق ہو جاتا ہے ، اشارہ پاتے ہی سورج الٹے پاؤں واپس آجاتا ہے ، پیغام پہنچتے ہی درخت جڑوں پر چلتے ہوئے حاضرِ خدمت ہوتے ہیں اور نگاہ اٹھتے ہی پتھر پانی پر تیرتے ہوئے حاضرِ بارگاہ ہو کر نبوت و رسالت کی گواہی دیتے ہیں ، جانور سجدہ کرتے ہیں ، اپنی شکایات پیش کر کے اپنے دکھوں اور دردوں کا مداوا طلب کرتے ہیں ۔ غرضیکہ اس محبوبِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت ، عزت و عظمت کی ہر مخلوق معترف ، ان کے حکم کے سامنے ہر مخلوق کی گردن خم ، ان کا سکہ حکومت آسمان و زمین میں رواں ، ان کی بادشاہت دنیا و آخرت اور میدانِ محشر میں جاری و ساری ، رسولِ اکرم نبی اعظم اور وزیرِ اعظم انہی کی ذات بابرکات ہے باقی سب آپ کے امتی اور تابع ، خلفاء اور نائب ہیں ۔

۳ ۔ آپ کی نبوت و رسالت اپنے ثمرات و نتائج ، فضائل و فوائد کمالات انبیاء کرام و معجزات و خصائصِ رسلِ عظام علیہم السلام کو جامع ہے اور ہر نبی و رسول کے درجہ کمال اور حسنِ لازوال کو محیط اور شامل ہے ۔ گویا یہ نبوت و رسالت ایک نبوت نہیں بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش تمام رسل کرام اور انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی رسالتیں اور نبوتیں اس میں داخل ہیں اس لئے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے تمہیں نبوت عطا کی بلکہ فرمایا انا اعطینٰک الکوثر " ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمایا ، اور حیطۂ عقل و فکر میں نہ سما سکنے والی نبوت عطا فرمائی ۔

امام رازی رحمہ اللہ نے اس مقام کو بڑی بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور تمام انبیاء کرام میں فرداً فرداً جو کمالات و معجزات اور فواضل و فضائل اور اخلاق و شمائل پائے گئے ہیں ان سب کو محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں ثابت کیا ہے ۵

حسنِ یوسف دمِ عیسٰے یدِ بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور حق تو یہ ہے کہ اوصافِ مشترکہ میں بھی شرکت فقط نام کی ہی ہے۔ محض الفاظِ دالہ اور اسماء کے اعتبار سے ہے ورنہ محبوبِ کریم رسولِ امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہر وصفِ کمال میں، ہر حسن و خوبی میں ہر نبی و رسول سے ممتاز مقام رکھتے ہیں اور خصائص ذات، اعلیٰ صلاحیتیں اور استعدادات اور مختصہ اوصاف و کمالات میں تو برابری کر ہی کون سکتا ہے۔ ہم پہلے اوصافِ مشترکہ بیان کرتے ہیں اور پھر انشاء اللہ العزیز مختصہ اوصاف و کمالات بھی اجمالاً و تفصیلاً ذکر کیئے جائیں گے۔

(۱) حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کتاب عطا فرمائی اور ہر ایک کو ایک خصوصی منشور دیا لیکن حضرت آدم علیہ السلام کی کتاب کو کلمات سے تعبیر فرمایا فتلقّٰی اٰدم من ربہ کلمات "حاصل کیئے آدم علیہ السلام نے اپنے ربِ کریم سے چند کلمات" حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کتاب کو بھی کلمات سے تعبیر فرمایا واذا بتلٰی ابراھیم ربہ بکلمات "اور یاد کرو اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس وقت کو جب کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چند کلمات کے ساتھ آزمایا" مگر لیکن جو کتاب اپنے رسولِ مکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی اسے کتاب ہی سے تعبیر فرمایا۔ بلکہ کتاب کہلانے کے استحقاق کو اسی میں منحصر فرمایا ارشاد فرمایا ذٰلک الکتاب درحقیقت کتاب تو وہی ہے جو میں نے اپنے حبیب پر نازل فرمائی۔ اس کے مقابلہ میں کوئی آسمانی کتاب کتاب کہلانے کی حقدار نہیں۔

(نوٹ) قرآن پاک کو جو فضائل اور برتریاں اپنی ذات یا پہلی کتابوں کے لحاظ سے حاصل ہیں "الکوثر" کے چھٹے معنےٰ میں انہیں بیان کیا جائے گا۔ وہاں ملاحظہ فرمادیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے نورِ علم سے سرفراز فرمایا اور اسرار و رموزِ کائنات سے ان کے لئے پردہ اٹھایا اور انہیں تمام اشیاء کے اسماء، خصوصیات اور فوائد کا علم بخشا، فرمایا وعلم اٰدم الاسماء کلھا "اور سکھلائے اللہ تعالیٰ نے حضرتِ

آدم علیہ السلام کو اپنی ذات کے دلائل اور علامات یعنی تمام مصنوعات و مخلوقات جو کہ اپنے خالق و صانع کی دلیل و علامت ہیں حضرت عبداللہ بن عباس، عکرمہ، قتادہ و مجاہد وغیرہم نے فرمایا علمہ اسم کل شیءٍ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ہر چیز کا نام بتلا دیا اور تمام لغات کی تعلیم دی۔ علمہ من جمیع اللغات التی یتکلم بھا ولدہ الیوم من العربیۃ والفارسیۃ والرومیۃ وغیرھا (ابو سعود و جمل وغیرہ)

قاضی بیضاوی اپنی بے مثل تفسیر میں فرماتے ہیں: والھمہ معرفۃ ذوات الاشیاء وخواصھا واسمائھا واصول العلوم وقوانین الصناعات وکیفیۃ الاتھا، تفسیر جلالین میں ہے ای اسماء المسمیات حتی القصعۃ والقصیۃ والفسوۃ والفسیۃ و المغرفۃ۔ تفسیر صاوی میں ہے والمراد من المسمیات مدلولات الاسماء سواء کانت جواھر او اعراضا او معانی او معنویۃ فالحاصل ان اللہ تعالیٰ اطلع آدم علی المسمیات جمیعھا وعلم اسماءھا (الی) واختص آدم بمعرفۃ الاسماء بجمیع اللغات وتلک اللغات تفرقت فی اولادہ۔ تفسیر ابی سعود میں ہے قال ابن عباس وعکرمۃ وقتادۃ ومجاھد وابن جبیر رضی اللہ عنہم علمہ اسماء جمیع الاشیاء حتی القصعۃ والقصیعۃ وحتی الجفنۃ والمحلب وانحی منفحۃ کل شیء الی جنسہ وقیل اسماء ماکان ومایکون الی یوم القیامۃ (الی) الھمہ معرفۃ ذوات الاشیاء واسمائھا وخواصّھا ومعارفھا واصول العلم وقوانین الصناعات وتفاصیل آلاتھا وکیفیات استعمالاتھا۔

امام رازی اپنی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں ای علمہ صفات الاشیاء ونعوتھا و خواصھا القول الثانی وھو المشھور ان المراد اسماء کل ماخلق اللہ من اجناس المحدثات من جمیع اللغات المختلفۃ الخ

الحاصل تمام مفسرین نے حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت کو بیان فرمایا اور اور اس علم کے کان و مایکون کو محیط ہونے کا اعتراف کیا اور ان کی معرفت کا کائنات عالم کی ہر شئے

اور ہر صفت وخاصیت اور فائدہ ومنفعت پر حاوی ہونے کو تسلیم فرمایا اور مفسرین نے یہ عموم وشمول اور احاطہ تام اپنی طرف سے بیان نہیں فرمایا بلکہ نص صریح کے مفہوم کو بیان فرمایا کہ اس آیتِ کریمہ میں "الاسماء" جمع معرف باللام ہے اور تخصیص پر کوئی قرینہ موجود نہیں لہذا وہ عموم واستغراق میں نصِ صریح ہے اور "کلھا" کی تاکید نے احتمال تخصیص کی بیخ کنی کر دی لہذا یہ آیتِ کریمہ عموم علم آدم علیہ السلام میں نص ہی نہیں بلکہ مفسر اور محکم خبر ہے جو نہ قابلِ تخصیص ہے اور نہ ہی قابلِ نسخ۔

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرتِ آدم علیہ السلام اور ملائکہ کے درمیان مقابلہ و تحدی کو ذکر فرما کر اور تمام ملائکہ کے اعتراف عجز و اقرار لاعلمی کو بیان فرما کر علم آدم علیہ السلام کے عموم وشمول کو، اس کی وسعت و بے پایانی کو اور واضح فرما دیا۔ وہ ملائکہ جو کہہ رہے تھے سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم ۝ "اے اللہ پاک ہے تو، نہیں ہمیں علم مگر وہی جو تو نے ہمیں سکھایا، بیشک تو علم والا اور حکمت والا ہے۔"

ان میں حضرت جبرئیل علیہ السلام جیسے محرم اسرار خداوندی اور امین وحی الٰہی بھی موجود تھے اور حضرت عزرائیل علیہ السلام بھی جو تمام جنوں اور انسانوں، چرندوں، پرندوں، درندوں، مچھلیوں، چیونٹیوں، حشرات الارض اور کیڑوں پتنگوں کے روحوں کو قبض کرنے والے ہیں اور ان کی نگاہ ہر وقت ان تمام جانداروں کو محیط ہے۔

علامہ ابن حجر فتاوی حدیثیہ میں ابونعیم سے نقل فرماتے ہیں ان النھار اربعۃ وعشرون ساعۃ لیس منھا ساعۃ تاتی علی ذی روح الا وملک الموت قائم علیھا فان امر بقبضھا قبضھا والا ترک ۔ یعنی رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی ایسا گھنٹہ اور ساعت نہیں گزرتی جس میں ملک الموت ہر جاندار کے سر پر قائم نہ ہو۔ اگر اس کی روح قبض کرنے کا حکم دیا جائے تو قبض کر لیتا ہے ورنہ اسے چھوڑ دیتا ہے۔

نبی اکرم رسولِ معظم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الدنیا عندہ کالطست یتناول منہا حیث یشاء "دنیا عزرائیل کے سامنے تھال کی مانند ہے جہاں سے چاہے اپنے مقام پر بیٹھے ہوئے ہر ایک کی روح قبض کر لیتا ہے۔ اور ایک روایت میں خود حضرتِ عزرائیل علیہ السلام کا ارشاد منقول ہے الدنیا عندی کالقصعۃ بین یدی الاٰکل" ساری دنیا میرے سامنے اس طرح ہے جیسا کہ کھانے والے کے سامنے پیالہ" صاحبِ روح المعانی نے فرمایا جمہور کا مذہب یہ ہے کہ خود حضرت عزرائیل تمام جانداروں کی روحوں کو قبض کرتے ہیں اور ہر ایک پر ہر وقت مطلع ہوتے ہیں۔ والذی ذھب الیہ الجمھور ان ملک الموت لمن یعقل ومن لا یعقل من الحیوان واحد وھو عزرائیل (روح المعانی ص۱۱۳ ج۲۹)

الغرض اتنے مقرب اور وسیع علوم کے مالک ہونے کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام کے مطالبہ کو پورا نہ کر سکے اور علوم آدم علیہ السلام کا مقابلہ نہ کر سکے اور وہ شیطانِ لعین جو درگاہِ خداوندی سے راندہ گیا اور قیامت تک لعنت کا حقدار بن گیا جسکے بقول صاحب براہین قاطعہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کائنات کا علم محیط نص سے ثابت ہے وہ بھی وہاں موجود تھا لیکن جب آدم علیہ السلام نے فرمایا انبؤنی باسماء ھؤلاء" مجھے ان تمام اشیاء کے نام بتلاؤ" تو وہ بھی عاجز آگیا اور اسے بھی سوائے اعتراف عجز کے اور کوئی چارا نہ رہا اور اس طرح اللہ تعالےٰ نے تمام ملائکہ اور جنوں پر حضرتِ آدم علیہ السلام کی علمی فوقیت و برتری کو واضح فرمایا اور ان کے استحقاقِ خلافت کو ثابت فرمایا اور نحن نسبح بحمدک و نقدس لک" ہم تیری حمد و ثنا سے رطب اللسان ہیں اور تیرا تقدس ہر وقت بیان کرتے ہیں" کہہ کر فرشتوں نے اپنے زہد و تقوی اور عبادت و ریاضت کو بیان کیا تو اس کے مقابل حضرت آدم علیہ السلام کا وفورِ علم ثابت کر کے انہیں سمجھا دیا کہ خلیفہ کے لئے علم عام

۱؎ الحاصل غور کرنا چاہیئے کہ شیطان اور ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوصِ قطعیہ بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو ایمان کا کونسا حصہ ہے۔ شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخرِ عالم کے وسعتِ علم کی کونسی نصِ قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے شرک ثابت کیا جاتا ہے۔ براہین قاطعہ ص۵۲

اور معرفتِ تامہ شرطِ اول ہے اور وہ تم میں نہیں لہٰذا آدم علیہ السلام ہی خلافت کے قابل ہیں۔ میں انہی کو زمین میں خلیفہ بناؤں گا اور تمہارے اندر نہ بالفعل یہ علوم ہیں اور نہ ہی اتنے علوم کی استعداد ہے ورنہ تمہیں بھی سکھلا دیتا۔ اس لئے تم منصبِ خلافت کے اہل نہیں ہو۔

یہ وہ خصوصی منصب و مرتبہ ہے جس کی بدولت حضرت آدم علیہ السلام تمام ملائکہ اور جنوں پر فوقیت لے گئے لیکن رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو یہ مرتبہ علمی علی الوجہ الا تم حاصل ہے اولاً دلالۃ النص کے طور پر اسی آیتِ کریمہ سے آنحضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ علم کامل ثابت ہوتا ہے کیونکہ رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم بالاتفاق تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہیں اور علی الخصوص انبیاءِ کرام علیہم السلام سے اور یہ بھی واضح ہے اور روزِ روشن کیطرح عیاں ہے کہ اصل فضیلت فضیلتِ علمی ہے جیسا کہ حضرتِ آدم علیہ السلام کی فضیلت تمام فرشتوں اور جنوں پر علم کے لحاظ سے ثابت فرمائی اور ربانیٔ دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی تحذیر الناس میں اسی کی تصریح فرماتے ہیں " نبوت کمالاتِ علمی میں سے ہے عملی میں سے نہیں " اور آگے چل کر لکھا ہے کہ انبیاء اپنی امت میں سے ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں باقی رہا عمل تو اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں۔" تحذیر الناس ص۵ ۔

جب نبوت کمالاتِ علمی میں سے ہے اور انبیاء کی فضیلت امت پر صرف علم ہی کی جہت سے ہوتی ہے عمل سے نہیں تو لامحالہ سید الرسل فخرِ انبیاء علیہ وعلیہم التحیۃ والثناء کی

ـــہ فائدہ جلیلہ: حضرت عزرائیل علیہ السلام اور شیطان رجیم علیہ اللعنۃ سے حضرت آدم علیہ السلام کا علم زائد ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے علم سے افضل الرسل سید الخلق صلے اللہ علیہ وسلم کا علم زائد ہے جیسا کہ براہینِ قاہرہ اور دلائلِ باہرہ سے ثابت کیا گیا ہے لہٰذا نتیجہ ظاہر ہے کہ نبی الانبیاء علیہ وعلیہم السلام کا علم حضرت عزرائیل علیہ السلام اور شیطان لعین سے بدرجہا زیادہ ہے اور جو شخص آنحضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے علم کو عزرائیل اور شیطان کے علم کے برابر بھی نہ جانے وہ جاہل و غبی ہے یا گمراہ و غوی ہے۔
عجیب۔ عزرائیل علیہ السلام کے علم وسیع کے متعلق مختصراً عرض کر دیا گیا ہے اور شیطان کے علم کے متعلق علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ شیطان دن کو اولادِ آدم کے ساتھ رہتا ہے واقدرہ اللہ علیٰ ذٰلک کما اقدر ملک الموت علیٰ نظیرہ ذٰلک۔ مشرق و مغرب شمال و جنوب میں تمام اولادِ آدم کو وسوسہ ڈالنے کی قدرت اسے اللہ تعالےٰ نے عطا فرمائی جیسا کہ اس کی مثل طاقت و قدرت حضرت عزرائیل علیہ السلام کو عطا فرمائی۔ ان دونوں کی اس وسعتِ علم سے اہلِ سنت حضرات نے استدلال پکڑا کہ جب اتنا علم وسیع ملک الموت اور شیطانِ لعین میں شرک

فضیلت بھی علمی فضیلت ہوگی لہذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا علم بطریقِ اولیٰ تمام مخلوق اور علی الخصوص تمام انبیاء اور حضرتِ آدم علیہ السلام کے علم سے زیادہ ہوگا۔

(۲) اللہ تعالےٰ نے نبی الرحمۃ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا اولٓئک الذین ھدی اللّٰہ فبھداھم اقتدہ اور امام رازی نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسولِ عظیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو فرمایا " انبیاء کرام کا گروہ ایسا گروہ ہے جس میں سے ہر ایک کو مخصوص خصلت اور خاص فضیلت سے ہم نے سرفراز فرمایا ہے لہذا آپ ان تمام کے متفرق اخلاق واوصاف کو اپنے اندر جمع فرمالیں اور جب اللہ تعالےٰ نے یہ حکم دیا ہے تو اس کی خلاف ورزی آپ سے کیسے سرزد ہوسکتی ہے اور اس امر کی تکمیل میں تقصیر کیسے ممکن ہے؟ فثبت انہ حصّلھا ومتی کان الامر کذالک ثبت انہ اجتمع فیہ من خصال الخیر ما کان متفرقا فیھم باسرھم ومتی کان کذلک وجب ان یقال انہ افضل منھم بکلیتھم۔

لہذا ثابت ہوا کہ نبی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام خوبیوں کو حاصل کیا اور وہ تمام کمالات جو متفرق طور پر ان میں موجود تھے وہ تمام خصالِ خیر اجتماعی طور پر نبی الامت صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہو گئے اور جب آپ کا ان تمام اوصافِ کمال کو محیط ہونا ثابت ہوگیا تو یہ واجب

نہیں تو فضل محقق صلے اللہ علیہ وسلم میں کیونکر شرک ہوگا؟ تو اس پر مولوی خلیل احمد کا دل جلا اور اس کا بیان شقاوت نشان آپ نے دیکھ لیا۔ ہمارا استدلال کتنا واضح ہے۔ اور خود بانی دیوبند کی عبارات اس پر شاہد صادق ہیں لیکن غبی و غوی ناخلف نے کتنا غلط راستہ اختیار کیا اور رشید احمد گنگوہی نے اس ناپاک کتاب کی تائید و تصدیق کر کے گستاخی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق و تائید کا ارتکاب کیا اور عظمتِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا انکار، اور بایں ہمہ دونوں حضرات نے بدترین بے انصافی کا مظاہرہ کیا ہے اور انتہائی قبیح علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ علمِ کلام میں شرک کی تعریف یہ ہے اثبات الالوھیۃ بمعنی وجوب الوجود کما للمجوس او بمعنی استحقاق العبادۃ کما لعبدۃ الاصنام (شرح عقائد) غیرِ خدا کے اندر الوہیت ثابت کرنا خواہ بمعنے ذاتی وجود اور استقلال ہو جیسا کہ مجوسی دو ذاتیں مستقل بحسب الوجود والتقرر تسلیم کرتے ہیں ایک خالقِ خیر جیسے یزدان سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسرا خالقِ شر جسے اہرمن کہتے ہیں ان کے نزدیک الوہیت کا معنے ہے خود بخود موجود ہونا اور اپنی تخلیق میں کسی کا محتاج نہ ہونا۔ ان کے نزدیک اللہ تعالےٰ محض خالقِ خیر ہے اور شر کا پیدا کرنے والا اہرمن اور شیطان ہے۔ دوسرا معنے الوہیت کا استحقاقِ عبادت ہے یعنی کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کا حقدار سمجھنا جیسا کہ بت پرست اپنے بتوں کو عبادت کا حقدار سمجھتے تھے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی عطا کردہ قوت و طاقت سے علم محیط ارض کا حاصل ہونا شرک ہے یا نہیں؟ اگر شرک نہیں ہے تو نہ شیطان و ملک الموت میں اس کا ماننا شرک ہوگا اور نہ ہی محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم [illegible] علیہ وسلم میں

ہو گیا کہ آپ کی افضلیت علی الاطلاق کا قول کیا جائے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ آپ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی ہر صفتِ کمال کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں تو لامحالہ علم آدم علیہ السلام بھی آپ کے اندر موجود ہے اور وہ تمام اسماء اور مسمیات جن کا علم انہیں دیا گیا وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا فرمایا گیا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے علمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما۔ فرمایا "جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ کو جتلا دیا اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بہت ہی عظیم فضل و احسان ہے" اور جب ان پر فضل و احسان تمام انبیاء کرام سے زیادہ ہے تو جو علم و معرفت اس فضل کا مقتضے ہے وہ بھی لامحالہ زیادہ ہوگا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تعلیم کو ذکر فرمایا تو (الاسماء کلها) ساتھ ذکر فرمایا اور اس کا معنے ہے علامات اور دلائل یعنی کائنات جو کہ اپنے خالق پر دلیل اور علامت ہے اس کا علم حضرت آدم علیہ السلام کو عطا فرمایا اور جب اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تعلیم کا ذکر فرمایا تو

ثابت کرنا شرک ہے حالانکہ صفت ایک ہے اور غیر خدا ہونے میں سب برابر ہیں لہذا یہ تفریق ظلم عظیم ہے اور شانِ رسالت میں گستاخی۔ نیز فرمایا کہ شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، مقام حیرت ہے کہ جو صفت غیر میں تسلیم کرنا شرک ہو کیا قرآن یا حدیث سے وہ ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ شرک قبیح لذاتہ ہے اور ہر قبیح لذاتہ کا حلال اور جائز ہونا عقلاً نقلاً باطل ہے ان الشرك لظلم عظيم "بیشک شرک البتہ عظیم ظلم ہے" ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء "یقیناً اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشے گا اور اس سے کم درجہ کے گناہ جسکو چاہے گا بخش دیگا" اپنے آپ کو عالم بدل سمجھنے والے کا اتنی واضح بات سے بے خبر ہونا بڑی تعجب انگیز بات ہے۔ نیز جب یہ وسعت علم شیطان اور ملک الموت میں نص سے ثابت ہوئی اور مصنف ظنیات سے تو عقیدہ ظنی کا بھی ثابت کرنا جائز نہیں سمجھتے تو لامحالہ یہ وسعت قطعی نص سے ثابت ہو گی لہذا شیطان و ملک الموت میں اس وسیع علم کا انکار کفر ہوگا اور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم میں اسکا اثبات کفر ہوگا ایک ہی صفت ایک جگہ غیر اللہ میں نہ ماننا شرک و کفر اور دوسری جگہ ماننا کفر و شرک ع بریں عقل و دانش بباید گریست۔ فرمایا کہ فخر عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی وسعت علم پر کونسی قطعی نص ہے۔ نصوص قطعیہ تو قرآن کریم اور احادیث نبوی میں بے شمار ہیں۔ کچھ ہم نے اوپر ذکر کی ہیں اور بہت سی علم مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں الکوثر کے دسویں معنے کے تحت بیان کی جائیں گی لیکن اس محدث و مفسر کے جواب میں یہی کہنا کافی ہوگا ع گر نہ بیند بروز شپرہ چشم، چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔ سبحان اللہ! کتاب اللہ اور احادیث رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے صرف شیطان و ملک الموت کی وسعت علم پر قطعی دلائل ملے ہیں اور علم مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایک دلیل بھی نہیں ملی اور ان کی وسعت علم کی قطعیت بھی حضرت آدم علیہ السلام نے واضح فرما دی۔ امید ہے کہ انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی وسعت علم پر بھی کوئی قطعی دلیل نظر نہیں آئی ہو گی اور ان میں بھی علم محیط ارض ماننا شرک ہوگا ع خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد، جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

ما لم تکن تعلم" جو بھی آپ نہیں جانتے تھے" کا ذکر فرمایا جو کہ معرفتِ ذاتِ باری تعالے اور صفاتِ جلال وجمال اور معرفتِ کائنات کو شامل ہے۔ امام شرف الدین بوصیری فرماتے ہیں:۔

لک ذات العلوم من عالم الغیب ومنہا لآدم الاسماء

"اے حبیب آپ کو علوم وحکمت کا وہ منبع وسرچشمہ اور مبدأ فیاض حاصل ہے جس نے آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم دی اور شبِ معراج وہ عالم الغیب ذات جو سب سے نہاں رہی آپ پر آشکارا ہوئی اور آپ نے بے حجابانہ اس ذاتِ والاصفات کو بے کم وکیف "مازاغ البصر وماطغیٰ" کی شان سے دیکھا اور رب العزت نے اپنے دستِ فیض وجود کو محبوب کے دو کندھوں کے درمیان رکھ کر ساری کائنات بھی روشن فرمادی حضور نے فرمایا فتجلی لی کل شیئ وعرفت (مشکوٰۃ)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں اس حدیثِ پاک کے تحت فرمایا "عبارت است از تمام علوم کلوی وجزوی واحاطۂ آں" اعلیحضرت بریلوی قدس سرہ العزیز نے اس موقع کیطرف اشارہ کرتے ہوئے اور اس حدیثِ پاک کا ترجمہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے ؎

سرِ عرش پر ہے تری گذر دلِ فرش پر ہے تری نظر
ملکوت وملک میں کوئی شئی نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

اور اسی لئے امام بوصیری اپنے قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں ؎

فان من جودک الدنیا وضرتہا
ومن علومک علم اللوح والقلم

"دنیا وآخرت تمہارے جود وکرم کا ایک معمولی کرشمہ ہے اور لوح وقلم کا علم تمہارے علوم ومعارف کے بحرِ زخار کا ایک قطرہ ہے" کیونکہ قلم کو ما کان ومایکون کا فیضان کیا گیا اور لوحِ محفوظ پر انہی علوم کو نقش کیا گیا لیکن نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ما کان ومایکون یعنی تمام کائنات کا علم اور ذاتِ خداوندی کی معرفت اور صفاتِ جمالیہ وجلالیہ کی وہ معرفت حاصل ہے جو مخلوق میں سے کسی کو حاصل نہ ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے لہذا آپ کا علم عام اور ادراک تام حضرت آدم علیہ السلام

کے علم کو صرف شامل ہی نہیں بلکہ اس کی نسبت آپ کے علوم کیطرف وہی ہے جو کہ قطرہ کو سمندر کیطرف ہے یا ایک سطر کی نسبت ایک عظیم دفتر کیطرف ۔

(۴) رسولِ محتشم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علمت علم الاولین و الاٰخرین " مجھے ان تمام علوم کی تعلیم دی گئی جو اولین کو دئے گئے یا آخرین کو، متقدمین کو یا متاخرین کو، لہٰذا ان میں تمام انبیاء کرام اور قیامت تک پیدا ہونے والی ساری مخلوق کے علوم داخل ہو گئے، لامحالہ آدم علیہ السلام کے علوم بھی آپ کے احاطۂ علم میں آ گئے۔

قاسم نانوتوی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں " شرح اس معمہ کی یہ ہے کہ اس ارشاد سے ہر خاص و عام کو یہ بات واضح ہے کہ علوم اولین مثلاً اور ہیں اور علومِ آخرین اور، لیکن وہ سب علوم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں جمع سو جیسے علومِ سمع اور ہیں اور علومِ بصر اور مگر بایں ہمہ قوتِ عاقلہ اور نفس ناطقہ میں یہ سب علوم مجتمع ہیں ایسے ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اور باقی انبیاء کرام علیہم السلام کو سمجھئے۔

تحذیر الناس ص۵ اور ص۲۵ پر زیر آیت واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم الاٰیۃ " اے حبیب علیہ السلام یاد کرو اس وقت کو جبکہ اللہ تعالےٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لیا جب میں تمہیں کتاب وحکمت عطا کروں پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائیں جو تصدیق فرمانے والے ہیں ہر اس شئی کی جو تمہارے ساتھ ہو" فرماتے ہیں جو لفظ مصدق لما معکم ہے تو اس سے بعد لحاظ اس بات کے کہ یہ خطاب تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ہے اور کلمۂ "ما" اس جگہ ایسا عام ہے کہ تمام علوم اور کتب کو شامل ۔ یہ بات اور بھی موجہ ہو جاتی ہے کہ نبوت کمالات علمیہ میں سے ہے اور آپ جامع العلوم ہیں اور انبیاء باقی جامع نہیں غرض جو بات حدیث علمت علم الاولین و الاٰخرین سے ثابت ہوئی تھی مع شئی زائد آیت مذکورہ سے ثابت ہے ۔ لہٰذا اس حدیث پاک اور آیتِ کریمہ سے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے علمِ پاک کا تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم کو اور علی الخصوص حضرت آدم علیہ السلام کے علوم کو محیط ہونا اظہر من الشمس اور ابین من

الامس ہو گیا۔

۵ نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم جیسے نبی الامت ہیں نبی الانبیاء بھی ہیں اور انبیاء بھی آپ کی امت ہیں جیسا کہ مندرجہ بالا آیت میثاق "جس میں انبیاء کرام علیہم السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی اقتدا و اتباع کرنے کا عہد لیا گیا ہے" سے ظاہر ہے اور شب معراج بیت المقدس میں عملی طور پر انبیاء کرام نے اس کا عملی ثبوت بھی پیش فرما دیا اور مولانا محمد قاسم صاحب کے ضابطہ کے مطابق نبی کو امت سے امتیاز کمالِ علمی میں ہی ہوتا ہے تو لامحالہ نبی آخر الزمان فخر بنی آدم و آدم صلے اللہ علیہ وسلم حضرتِ آدم علیہ السلام سے بھی علم میں بہت امتیازی مقام کے مالک ہیں اور افضل و اعلیٰ ہیں۔

۶ نبوت کمالاتِ علمیہ میں سے ہے اور تمام رسولوں اور نبیوں کی نبوتیں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت اور آپ کے طفیل ہیں لہٰذا یہ علوم بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہیں بلکہ روحِ مصطفٰے اور نورِ مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے عالمِ ارواح میں تمام ارواحِ انبیاء کی تربیت فرمائی اور انہیں علم وارشاد کا فیضان کیا جیسا کہ شیخ عبد الحق علیہ الرحمۃ نے کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد کے تحت تحریر فرمایا لہٰذا وہ سارے علم اس رسولِ ہاشمی صلے اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہیں۔ امام بوصیری فرماتے ہیں ؎

وکلھم من رسول اللہ ملتمس

غرفا من البحر او رشفا من الدیم

"تمام رسل عظام اور انبیاء کرام رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء سے بحر کرم کے ایک چلو اور عطا و بخشش کی موسلا دھار بارش کے چند چھینٹے طلب کرنے والے ہیں۔"

حضرتِ آدم علیہ السلام کو مسجودِ ملائکہ ہونے کا شرف حاصل ہوا اور تمام ملائکہ کے نزدیک معظم و مکرم ہونے کا مرتبہ نصیب ہوا۔ اور جس نے تعظیم سے انکار کیا تکبر و غرور کا ارتکاب کیا اور اپنی بڑائی کا دعویٰ کیا اسے قیامت تک لعنت کا حقدار بنا دیا۔

ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مرتبہ بھی علی الوجہ الاتم حاصل ہے کیونکہ ان کی تعظیم و تکریم صرف ایک وقت میں ہوئی اور صرف ملائکہ [illegible] رہی یا ایک روایت کے مطابق سوائے

ابلیس کے تمام جنوں نے بھی اس میں شمولیت کی لیکن نہ خود ذاتِ خداوندی اس تعظیم و تبجیل میں شامل اور نہ ہی تمام ایماندار اور نہ اس تعظیم میں دوام و استمرار۔ لیکن محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کی توقیر و تکریم میں سب ایمان والے، تمام ملائکہ اور خود رب العالمین شریک ہیں اور وہ عزت و اکرام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ثابت ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم علیہ السلام پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔"

فرشتے اپنے اپنے مقامات پر ہر وقت محبوب کی ثنا میں رطب اللسان ہیں اور آپ کے وصال شریف کے بعد ستر ہزار فرشتے صبح گنبدِ خضریٰ پر حاضر ہو کر شام تک درود و سلام کے تحائف و ہدایا پیش کرتے ہیں اور ستر ہزار شام کو حاضر ہوتے ہیں جو صبح تک عقیدت و محبت کے نذرانے پیش کرتے ہیں اور جو ایک بار آ چکے قیامت تک دوبارہ ان کی باری نہیں آئے گی۔

نیز ایمان والوں میں صرف جن اور انسان ہی داخل نہیں بلکہ تمام حیوانات، نباتات، جمادات اور افلاک و اجرامِ سماویہ کا بھی اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے قرآن کریم نے ان تمام اشیاء کا باری تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مشغول ہونا بیان فرمایا وان من شیئٍ الا یسبح بحمدہ۔ اور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر ایک شئ کے اعترافِ رسالت اور اقرارِ نبوت کو بیان فرمایا ما من شئ الا وقد یعلم انی رسول اللہ" کوئی بھی ایسی شئ نہیں جسے یہ یقین نہ ہو کہ میں اللہ تعالےٰ کا رسول ہوں" لہٰذا تمام مخلوق پر حبیبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا اور تعظیم و تکریم لازم ہے، اسی لئے پتھروں نے سلام کیا، درختوں نے سجدہ کیا، جانور ان کے قدموں میں گرے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

جمع کرد حق تعالےٰ عالم علوی و سفلی ہمہ را بر ثناء و دعائے وے صلے اللہ علیہ وسلم و اعلان کرد بذکرِ وے در اولین و آخرین و نشر کرد مناقب او را در آفاق شرقاً و غرباً و براً و بحراً و در آسمانہا و عرش و کرسی الخ

اعلیحضرت بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

عرش پہ تازہ چھیڑ چھاڑ فرش پہ طرفہ دھوم دھام
کان جدھر لگائیے تیری ہی داستان ہے

بلکہ اگر مخلوق میں سے کوئی بھی نہ ہو تو بھی نبی الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم ختم نہیں ہو سکتی کیونکہ اللہ رب العزت بھی اپنے رسولِ محتشم کا ثنا خواں ہے اور وہ فنا و زوال سے پاک ہے اور اگر یہ بھی کہہ دیا جائے کہ اللہ تعالےٰ کے ثنا خواں ختم ہو سکتے ہیں اور حمد و ثنا ختم ہو سکتی ہے لیکن اس کے محبوب کی حمد و ثنا ختم نہیں ہو سکتی تو مبالغہ نہ ہو گا بلکہ حقیقت ہی ہو گی۔ سبحان من عظمہ وکرمہ وشرفہ۔

لہٰذا جو خصوصی کمال حضرت آدم علیہ السلام کو عنایت فرمایا گیا تھا اللہ تعالےٰ نے اس سے اتم و اکمل اور اعم و اشمل نبی الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا۔ بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے بے پایاں علوم، تعظیم و سجودِ ملائکہ، جنت میں قیام، خلافتِ ارضی کا منصبِ جلیل الشان بلکہ انکی تخلیق محض محبوبِ خدا محمدِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہے۔ ربِ کریم نے حضرتِ آدم علیہ السلام کو فرمایا لولا محمد لما خلقتک "اگر محمدِ کریم نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا ہی نہ کرتا" بلکہ کائنات میں سے کوئی شئی بھی خلعتِ وجود سے نہ نوازی جاتی حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ؎

مقصود یہ ہیں آدم و نوح و خلیل سے
تخمِ کرم میں ساری کرامت ثمر کی ہے

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام کو یہ اعزاز بخشا کہ ہلاکت خیز طوفان اور اس کی مہیب موجوں میں سارے دشمنانِ دین تباہ و برباد ہو گئے اور طوفان کے لامحدود پانی نے بلندی و پستی اور نشیب و فراز کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا لیکن حضرتِ نوح علیہ السلام کی کشتی سلامت رہی اور امن و عافیت کے ساتھ جودی پہاڑ پر اتر گئے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بھی عجیب معجزہ عطا فرمایا۔

امام رازی نے فرمایا کہ عکرمہ بن ابی جہل فتح مکہ کیوقت مکہ شریف سے بھاگ گیا اور ایک جھیل کے کنارے بیٹھا تھا۔ نبی رحمت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور فرمایا اے عکرمہ!

کب تک حق سے بھاگتے رہو گے اور میری رسالت کا انکار کرتے رہو گے ؟ اس نے عرض کی اگر تم سچے رسول ہو تو دوسری طرف جو چٹان موجود ہے اس سے ایک بہت بڑا پتھر الگ ہو کر پانی پر تیرتا ہوا آئے اور تمہارے رسول ہونے کی شہادت دے تو میں بھی تمہاری نبوت و رسالت کو تسلیم کر لوں گا۔

آنحضور کی نگاہ اس چٹان کی طرف اٹھی اور فوراً ایک بہت بڑا پتھر اس سے الگ ہوا اور پانی پر تیرتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمدرسول اللہ پڑھنے لگا۔ گویا صرف ایک نگاہ نے اپنے مقام سے الگ ہونے اور پانی پر چلنے کی قدرت عطا فرما دی، سمت و جہت بھی سمجھا دی اور قوت گویائی بھی عطا کر دی۔ حضور نے فرمایا "ایکفیک ھذا" اے عکرمہ اتنا کافی ہے ؟" تو اس نے عرض کی "حتی یرجع الی مکانہ" اب یہ واپس اپنی جگہ پر پہنچ جائے تو پھر میں ایمان لاؤں گا"۔ چنانچہ سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے واپسی کا ارشاد فرمایا تو وہ واپس اپنی جگہ پر جا کر نصب ہو گیا اور عکرمہ دولتِ ایمان سے مالا مال ہو گیا۔

کشتیاں آج بھی سمندروں اور دریاؤں پر تیر رہی ہیں اور چنگھاڑتی موجوں کے سینہ کو چیر کر منزلِ مقصود تک پہنچ رہی ہیں لیکن یہ صرف محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیازی مقام ہے کہ پتھروں کو کشتی کی طرح پانی پر تیرا دیا۔ پتھر میں تیرنے اور خاص جہت کی طرف چلنے کی قوت پیدا فرمائی اور پانی میں اسے اٹھلانے اور تیرانے کی ہمت پیدا فرمائی نیز حضرت نوح علیہ السلام کی نجات اور کشتی کی سلامتی بھی رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے نورِ پاک کے طفیل تھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے قصیدے میں فرماتے ہیں ؎

بل نطفۃ ترکب السفین وقد

الجم نسرا واھلہ الغرق

"آپ اس وقت اپنے نوری عنصر کے ساتھ اس کشتی میں سوار تھے جبکہ نسر" بت اور اس کے عبادت گذار پانی میں غرق ہو رہے تھے" لہذا یہ کمال بھی نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ پاک اور کشتی پر حضرت نوح علیہ السلام کی پشت کے اندر جلوہ فرما ہونے کی بدولت ظہور پذیر ہوا ؎

اگر نامِ محمد را نیاوردے شفیع آدم

نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

حضرتِ نوح علیہ السلام کی دعا کو شرفِ اجابت بخشا اور تمام کفار کو غرق کر دیا لیکن محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا منصب اس سے بہت زیادہ عظیم ہے۔ جب میدانِ حشر میں تمام امم محشور ہونگی اور حساب وکتاب شروع نہیں ہوگا اور تمازتِ آفتاب کیوجہ سے ہر ایک اپنے پسینہ میں غرق ہو گا اور انبیاء کرام علیہم السلام شفاعت سے معذوری ظاہر کریں گے تو صرف انہی کی جنبشِ لب سے سب کی نجات ہوگی اور حساب وکتاب شروع ہوگا اور ہر ایک اپنی منزل تک واصل ہوگا بلکہ کفار اپنے منہ سے ہلاکت طلب کرتے ہیں اور پہلی امتوں پر نازل ہونے والے عذابوں جیسا عذاب مانگتے ہیں اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء۔ "اگر یہ نبی اور قرآن حق ہیں تو ہم پر انکار اور نافرمانی کیوجہ سے پتھروں کی بارش کر دے اور ہلاک کر دے لیکن اللہ رب العزت نے فرمایا ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم" اگرچہ یہ لوگ ایسے ہی عذاب کے مستحق ہیں لیکن تمہارے ہوتے ہوئے انہیں عذاب کیسے دوں؟"

۳۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو یہ اعزاز بخشا کہ دہکتی آگ میں پھینکے گئے جسکی تپش وحرارت کیوجہ سے کوئی جاندار قریب نہیں جا سکتا تھا اور نہ اس کے اوپر فضا میں ہی کوئی پرندہ پَر مار سکتا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کے پیارے خلیل کو اس آگ میں منجنیق کے ذریعہ پھینکا گیا تو وہ گلزار بن گئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا نار کونی برداً وسلاماً علی ابراھیم۔ جب خلیل نے طبعی مقتضیٰ کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر قربان کر دیا اور جان کی فکر یکسر ختم کر دی اور اپنی طبیعت کو رضاءِ الٰہی کے مطابق ڈھال لیا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کی خاصیت وحقیقت کو بدل دیا اور طپش وحرارت کو پرسکون ٹھنڈک میں تبدیل کر دیا لیکن امامِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام نرالا ہے جس چیز کو ہاتھ لگا دیا اسے بھی آگ جلا نہیں سکتی۔

مدارج النبوت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے یہ روایت درج فرمائی ہے کہ سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تنور میں روٹیاں لگا رہی تھیں نبی الرحمۃ شفیع الامۃ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور کمال شفقت کا اظہار فرماتے ہوئے خود بھی دو تین روٹیاں لگائیں لیکن جو سیدۃ نساء العالمین، لختِ جگرِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لگائی تھیں وہ تو پک کر تیار ہو گئیں لیکن جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے لگائی تھیں وہ اسی طرح کچی رہیں اور تنور کی آتش انہیں جلا نہ سکی

بلکہ ان کی رطوبت کو خشک بھی نہ کر سکی ۔

امام نسائی نے محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بچپن میں مجھ پر ابلتی ہوئی دیگ الٹ گئی اور میرے بدن کا تمام چمڑا جل گیا۔ میری ماں مجھے اٹھا کر رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں ھذا ابن حاطب کما ترئ " یہ حاطب کا بیٹا ہے اور اس کی حالت آپ کے سامنے ہے " آپ نے اپنا لعابِ دہن میرے بدن پر لگایا اور جلی ہوئی جگہ پر دستِ رحمت پھیرا اور فرمایا : اذھب الباس رب الناس " اے سب انسانوں کے رب اس تکلیف کو دور فرما "، تو میں ایسا ہو گیا گویا مجھے کوئی تکلیف پہنچی ہی نہیں تھی ۔

نبی پاک صاحبِ لولاک صلے اللہ علیہ وسلم شبِ معراج کرہ نار سے گزرے اور اس نے ذرہ بھر تکلیف نہ پہنچائی^۸ اور نہ اس چیز کو جلایا جسے آپ نے چھو لیا بلکہ گلے سڑے بھی آپ کے لعاب مبارک لگنے سے اور دستِ رحمت پھرنے سے بالکل صحیح ہو گئے اور جلن کے سب اثرات فی الفور کافور ہو گئے ۔

نیز یہ تو دنیا کی آگ ہے جو آخرت کی آگ کے مقابلہ میں انتہائی نرم ہے جس نے بنظرِ ایمان آپ کا دیدار کر لیا یا آپ کے کسی صحابی کا دیدار کر لیا دوزخ کی آگ اسے بھی مس نہیں کر سکیگی اور اس کے قریب بھی نہیں آسکے گی۔ فرمایا لا تمس النار مسلما رانی او رای من رانی بلکہ حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو یہ خصوصیت حبیبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے طفیل حاصل ہوئی کیونکہ اس وقت آپ کا نورِ پاک حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی پشت مبارک میں جلوہ گر تھا لہٰذا وہ نار آپ پر گلزار بن گئی۔ حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ نے اسی حقیقت کو اپنے قصیدے میں بیان فرمایا ہے ؂

وردت نار الخلیل مکتتما

فی صلبہ انت کیف یحترق

" اے رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم آپ پوشیدہ طور پر حضرت خلیل والی آگ میں تشریف لے گئے جب ان کی پیٹھ میں آپ جلوہ فرما تھے تو وہ کیسے جل سکتے تھے "

شفا شریف میں ہے ؂

۸؎ ص ۴ [illegible] انہیں آگ نے تکلیف پہنچائی ۱۲

یا بردنار الخلیل و یا سببا

لِعِصْمَۃِ النار وھی تحترق

" اے ٹھنڈک ! حضرت خلیل علیہ السلام کی آگ کے اور اسے سبب ان کے آگ سے محفوظ رہنے کے جب کہ وہ بھڑک رہی تھی "

۴۔ حضرت موسٰے علیہ السلام اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر باہر نکالتے تو وہ سورج کیطرح چمکنے لگتا اور کسی آنکھ میں ان کے دیکھنے کی طاقت نہ رہتی لیکن پیغمبر آخر الزمان علیہ السلام کو اللہ تعالٰے نے وہ نورانی کتاب عطا فرمائی جس کا نور مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ہے اور قیامت تک رہے گا اور دنیا کی کوئی طاقت اسے مٹا نہیں سکتی اور نہ [illegible] ہے یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو [illegible] الکافرون ہ

نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک سر سے لیکر ایڑی تک نور تھی۔ اگر حجابِ بشری میں وہ نور پاک محجوب و مستور نہ ہوتا تو کوئی آنکھ اسے دیکھنے کی تاب نہ لاسکتی۔ شیخ المحققین مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں :۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم از فرق تا قدم ہمہ نور بود کہ دیدۂ خیرت در جمال باکمال وے خیرہ مے شد مثل ماہ و آفتاب تاباں و روشن بود اگر نہ نقاب بشریت پوشیدہ بودے ہیچکس را مجالِ نظر و ادراک حسن وے ممکن نہ بودے و ہمیشہ جوہر وے نوری بود کہ انتقال کرد در اصلاب آباء و ارحام امہات از زمن آدم علیہ السلام تا انتقال بصلب عبداللہ و رحم آمنہ سلام اللہ علیہما اجمعین۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل اور ایک روایت میں ہے لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ غیر ربی " میرا اللہ تعالٰے کے ساتھ ایک مخصوص وقت ہوتا ہے جس میں مجھے دیکھنے کی طاقت نہ کسی مقرب فرشتہ میں ہوتی ہے اور نہ ہی نبی و رسول میں اور دوسری روایت کے لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ مجھے دیکھنے کی طاقت سوائے میرے رب کے اور کسی میں نہیں ہوتی۔

حضرت عبدالکریم الجیلی غوث زماں اس کے تحت فرماتے ہیں :۔

فکل مقام اعلیٰ یکون ظهوره فیه اکمل واتم من المقام الانزل ولکل ظهور جلاء لہٗ وھیبۃ بقدر المحل حتی یتناھی الیٰ محل لایستطیع ان یراہ احد من الانبیاء والاولیاء۔

اور اسی عبارت کا ترجمہ خاتم المحدثین شیخ عبدالحق صاحب نے تکملہ مدارج میں درج فرمایا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ ہر مقام میں محبوب کریم علیہ السلام کا ظہور اور جلوہ مختلف ہے اور ہر محل کے مناسب ہیبت وجلالت نمایاں ہوتی ہے حتے کہ اس مقام اعلیٰ وارفع اور حضرت قدس میں وہ جلالت اس حد تک پہنچتی ہے کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام میں سے کوئی بھی آپ کے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی اس محبوب کے حسن حقیقی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت
نہ جانا کسی نے تجھے بجز ستار
سوا خدا کے بھلا کوئی تجھ کو کیا جانے
تو شمس نور ہے اور شپر نمط اولوالابصار

(نوٹ) محبوب رب العالمین صلے اللہ علیہ وسلم کے اس وصف کمال کی قدرے تفصیل الکوثر کے تیرھویں معنے میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت موسٰے علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک دریا میں پھینکا تو اس میں بارہ خشک راستے پیدا ہو گئے اور بنی اسرائیل کے بارہ گروہ ان میں سے خشک پاؤں گزر گئے۔ حضرت موسٰے علیہ السلام کا یہ معجزہ زمین اور عالم سفلی سے تعلق رکھتا ہے لیکن محبوب کریم علیہ السلام نے عالم بالا میں اپنا تصرف اور شان اعجازی ظاہر فرمایا اور چاند جیسے عظیم کرہ کو انگلی کے اشارہ سے دو ٹکڑے کر دیا۔ کلیم اللہ نے پانی کو چیرا اور حبیب اللہ نے ٹھوس جسم کو چیرا، کلیم اللہ نے اپنا عصا پانی پر مارا لیکن حبیب اللہ نے یہیں سے اشارہ فرما کر اپنی انگلی مبارک سے پیدا ہونیوالی دھیمی لکیر سے چاند کا کلیجہ شق کر دیا۔

نکتہ رسول معظم نبی مکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کی تاثیر جب اتنی ہے تو اس انگلی کی تاب وتواں کیا ہو گی اور پھر اس دست اقدس کی ہمت وطاقت کیا ہو گی جسے رب العزت

اپنا ہاتھ فرماتا ہے اور اپنے دستِ قدرت کا مظہر قرار دیتا ہے فرمایا ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم اور فرمایا وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ پھر خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت و قدرت کتنی ہوگی حضرتِ حسان نعت خوان رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ؎

لہ ھمم لا منتھی لکبارھا
وھمتہ الصغری اجل من الدھر

"میرے محبوب کی بے شمار ہمتیں اور قوتیں ہیں جن میں سے بڑی بڑی ہمتوں کی تو انتہا ہی نہیں اور آپ کی قدرت و قوت کا ادنیٰ کرشمہ پورے زمانہ پر حاوی و غالب ہے اور اسے زیر و زبر کر سکتا ہے"

فاضلِ بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی! صلی اللہ علیہ وسلم

نیز شبِ معراج اس دریا کو عبور فرمایا جو زمین و آسمان کے درمیان ہے جس کا نام مکعوف ہے اور دنیا کے تمام دریاؤں اور سمندروں کی اس کے ساتھ وہ نسبت ہے جو کہ قطرہ کو بحرِ محیط کے ساتھ ہے۔

حضرتِ موسےٰ علیہ السلام نے بہتے دریا کو اپنے عصا مبارک سے خشک فرمایا اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نائب اور خلیفہ ثانی حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خشک دریائے نیل کو اپنے رقعہ سے جاری فرما دیا اور حضرتِ علاء حضرمی رضی اللہ عنہ نے ٹھاٹھیں مارتے دریا اور طوفانی موجوں پر سے اپنے سارے لشکر کو خشک پاؤں گزار دیا اور پانی ان کے لکڑی کے پیالہ کو بھی ضائع نہ کر سکا۔

اللہ رب العزت نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا فرمایا کہ وہ اپنے عصا کو جادوگروں کے سامنے میدان میں پھینکتے ہیں تو وہ بہت بڑا اژدھا بن گیا اور ساحر دل

کی تمام رسیوں کو نگل گیا اور موسٰے علیہ السلام اپنے دشمنوں پر غالب آ گئے۔

امام انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے اس سے بھی اعلیٰ کمال سے نوازا۔ آپ کامل التفات اور حضورِ قلب سے بارگاہ خداوندی میں مصروف عبادت تھے ابوجہل لعین نے ارادہ کیا کہ قریب جا کر ایک پتھر ماروں اور انہیں شہید کر دوں۔ جب قریب ہوا تو آپ کے کندھوں پر دو اژدھا دیکھے اور ڈر کر بھاگ نکلا اور اپنی خباثت کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکا۔ حضرتِ موسٰے علیہ السلام اپنے عصا مبارک کو اس قصد اور ارادہ سے پھینکتے تھے کہ وہ اژدھا بن جائے اور یہاں نہ عصا موجود ہے اور نہ اسے سانپ بنانے کا قصد بلکہ بلا ارادہ اور قصد سانپ ظاہر ہو رہے ہیں اور دشمن خائب و خاسر ہو کر بھاگ رہے ہیں۔

اللہ مالک الملک نے حضرت موسٰے علیہ السلام کے عصا میں جان پیدا فرمائی اور اس کی حقیقت و ماہیت میں انقلاب پیدا کر دیا تو خیرِ خلق صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کے ساتھ لگنے والے ستون میں بھی جان پیدا فرمائی اور اسے عقل و شعور بھی عطا فرمایا۔ جب شہنشاہِ کون و مکاں علیہ السلام نے منبر شریف کو اپنا مسند بنایا تو وہ ہجر و فراق کی وجہ سے چیخنے لگا اور قریب تھا کہ فرطِ غم میں پھٹ جاتا۔ اس کی بیقراری کو دیکھ کر آپ منبر سے اترے اور اسے اپنی بغل میں لیا تب اسے سکون نصیب ہوا۔

حضرتِ موسٰے علیہ السلام کے عصا میں ان کے قصد و ارادہ کیوجہ سے زندگی پیدا ہوئی اور یہاں بلا قصد و ارادہ محض جسم اقدس کے اتفاقاً لگ جانے سے حیات و ادراک اور حس و شعور نصیب ہو گیا۔ کیوں نہ ہو حضرت جبرائیل علیہ السلام جس گھوڑی پر سوار تھے اس کے قدموں سے لگنے والی مٹی کو سامری نے سونے کے بچھڑے کے منہ میں رکھا تو اس میں جان آ گئی تو سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے اپنے جسم پاک کے ساتھ مس ہونے سے اس میں کیوں زندگی پیدا نہ ہوتی ؂

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر
بہرِ حق سوئے غریباں یک نظر!

رب تعالٰے نے موسٰے علیہ السلام کے لیے عصا کی حقیقت کو بدلا، اسے جامد سے جاندار بنایا تو اپنے حبیبِ کریم کو بھی قلبِ ماہیت کا معجزہ عطا فرمایا۔ میدانِ بدر میں آپ نے حضرتِ عکاشہ رضی اللہ عنہ کو کھجور کی ایک شاخ عطا فرمائی جو ان کے ہاتھ میں فولادی تلوار بن گئی اور وہ جب تک زندہ رہے اسی تلوار سے دشمنانِ اسلام کو تہِ تیغ کرتے رہے۔

موسٰے بن عمران علیہ السلام اپنے عصا کو پتھر پر مار کر بارہ چشمے جاری فرماتے تھے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے جنابِ ابوطالب نے ایک سفر میں پیاس کی شکایت کی تو آپ نے اپنا پاؤں مبارک زمین پر مارا تو وہاں سے پانی کا چشمہ ابل پڑا اور آپ نے فرمایا اشرب یا عماہ "اے چچا پانی پی لے"۔

غزوہ تبوک کے موقع پر جب پانی ختم ہو گیا اور بہتر ہزار صحابی اور ان کی سواریاں پیاس سے تڑپنے لگیں تو آپ نے پانی کے ایک پیالہ میں اپنا ہاتھ مبارک رکھ دیا اور سب کو بلایا کہ آؤ خود پیتے جاؤ، مشکیزے بھرتے جاؤ اور اپنی سواریوں کو پلاتے جاؤ غرضیکہ سارا لشکر سیراب ہو گیا اور آپ کی انگلیوں میں سے پانی کے چشمے اسی طرح ابل رہے تھے۔[۱]

پتھروں سے پانی نکالنا بھی بڑا کمال ہے لیکن گوشت، پوست، ہڈیوں اور خون میں سے پانی جاری کرنا صرف تاجدارِ مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا حصہ ہے۔ محدثِ بریلوی نے فرمایا ؎ پنجۂ مہر عرب ہے جس سے دریا بہہ گئے — چشمۂ خورشید میں تو نام کو بھی نم نہیں۔

؎ انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجابِ رحمت کی ہیں جاری واہ وا

حضرت کلیم اللہ علیہ السلام پر بادل سایہ کرتے تھے اور حضرتِ حبیب علیہ السلام پر بھی بادل سایہ کرتے تھے لیکن حضرتِ موسٰے علیہ السلام پر سایہ کرنا بعد از نبوت ثابت ہے اور رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم بچپن ہی میں اس شرف سے مشرف تھے۔ جب آپ کی رضاعی بہن آپ کو باہر جا کر سیر کراتی رہی تو حضرتِ حلیمہ نے اسے ڈانٹا کہ تو انہیں دھوپ میں کیوں لیے پھرتی رہی، تو اس نے کہا کہ جب سے ہم باہر گئے ہیں بادل نے میرے بھائی کے سر پر سایہ کئے رکھا ہے۔

اس سے عجیب بات یہ ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سفرِ شام اختیار فرمایا اور بحیرا راہب کی عبادت گاہ کے قریب قافلہ والے پہنچ کر سایہ کے نیچے بیٹھ گئے اور فخرِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی جگہ نہ چھوڑی تو سایہ آپ کی جانب جھک گیا۔ جب راہب نے یہ دیکھا کہ بادل درخت کے اوپر کھڑا ہے اور سایہ بھی ان کی طرف جھک گیا اور پھر گیا ہے تو اسے یقین ہو گیا کہ پیغمبرِ آخرالزمان صلے اللہ علیہ وسلم یہی ہیں اور ابوطالب کو مشورہ دیا کہ آپ انہیں واپس بھیج دیں کیونکہ تورات میں پیغمبرِ آخرالزمان علیہ السلام کی جو علامات مرقوم ہیں وہ سب ان میں موجود ہیں لہٰذا یہود ان کو پہچان لیں گے اور ہر ممکن ایذاء اور تکلیف پہنچانے سے دریغ نہیں کریں گے۔ (ترمذی، ابنِ ابی شیبہ حاکم وغیرہ بروایت ابوموسےٰ اشعری)

بلکہ مولےٰ تعالےٰ نے بادلوں کو ان کے لئے اس طرح مسخر فرمایا کہ جب چاہیں بارش برسانے لگتے تھے اور جب اشارہ ہوتا چھٹ جاتے اور مطلع صاف ہو جاتا۔ مشکوٰۃ شریف میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ سخت قحط پڑا۔ آپ جمعہ کے دن منبر شریف پر جلوہ گر تھے۔ ایک اعرابی اٹھا عرض کیا جاعت العیال وھلکت الاموال "بال بچے بھوک کے مر رہے ہیں اور مال مویشی ہلاک ہو رہے ہیں" آپ نے بارش کی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، اس وقت آسمان پر ایک ٹکڑا بھی بادل کا موجود نہ تھا لیکن ہاتھ اٹھنے کی دیر تھی کہ گھٹا چھا گئی اور ہاتھ ابھی واپس ہی آئے تھے کہ موسلادھار بارش شروع ہو گئی اور مسجدِ نبوی کی چھت ٹپکنے لگی۔ اور اگلے جمعہ تک وہ بارش نہ رکی حتیٰ کہ اس اعرابی نے یا کسی اور نے عرض کی کہ اب تو مکان گرنے لگے اور راستے بند ہو گئے ہیں، تب آپ نے ہاتھ مبارک اٹھا کر ایک دائرہ کی شکل میں انگلی مبارک کو گھماتے ہوئے فرمایا اللھم حوالینا ولا علینا "اے اللہ ہمارے اردگرد بارش برستی رہے لیکن ہم پہ نہ برسے۔ تو جہاں تک انگلی مبارک نے دائرہ بنایا تھا بادل ہٹ گیا اور آسمان مدینہ طیبہ پر چھتری کی مانند معلوم ہونے لگا اور آس پاس بادل موجود رہے اور بارش برستی رہی،

حضرت مولانا احمد رضا خان قدس سرہ العزیز نے فرمایا ؎

جن کو سوئے آسماں پھیلا کے جل تھل بھر دیتے
صدقہ ان ہاتھوں کا پیارے ہم کو بھی درکار ہے

اللہ رب العزت نے حضرت موسٰے علیہ السلام کو کلیم بنایا اور طور پر انہیں اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا لیکن رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو حبیب بنایا اور کلیم بھی بنایا۔ موسٰے علیہ السلام سے کلام کوہِ طور پر ہوئی اور آپ سے کلام کے لئے عرشِ اعظم کو منتخب فرمایا بلکہ موسٰے علیہ السلام خود چل کر اس شوق میں طور پر حاضر ہوئے اور محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تقاضوں سے بلا کر کلیم ہونے کا اعزاز بخشا سے

طور اور معراج کے قصے سے ہوتا ہے عیاں
اپنا جانا اور ہے ، ان کا بلانا اور ہے

نیز حضرت موسٰے علیہ السلام فقط کلام سے مشرف ہوئے اور محبوبِ پاک کلام اور دیدار دونوں سے فیض یاب ہوئے۔ انہوں نے دیدار کی تمنا کی تو جواب دیا گیا لن ترانی اور حبیب علیہ السلام شبِ معراج جھجکتے اور رکتے ہیں تو حکم ہوتا ہے اُدنُ یا احمد اُدن یا خیر البریۃ اور حریمِ قدس میں بلا کر مشاہدۂ ذات سے سرفراز فرمایا جاتا ہے سے

تبارک اللہ ہے شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں یہ وہ جوشِ لَنْ تَرَانِي کہیں تقاضے وصال کے تھے

۵۔ حضرتِ داؤد علیہ السلام کو یہ مرتبہ بخشا کہ پہاڑ ان کے ساتھ مل کر تسبیح پڑھتے تھے اور یہ مرتبہ نبی الرحمۃ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل ہے۔ آپ نے کنکریاں اپنے ہاتھ میں پکڑیں تو وہ تسبیح پڑھنے لگیں بلکہ جب آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیں تو وہاں بھی تسبیح پڑھتی رہیں جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں منقول ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہے کو موم کی طرح نرم فرمایا گیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيد وہ جس طرف اسے موڑتے مڑ جاتا تھا اور آپ اس سے زرہیں وغیرہ تیار فرماتے تھے لیکن محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لئے پتھر کو موم

بنایا جب آپ کا پاؤں مبارک اس پر پڑتا تو قدمِ اقدس کے نشان اس میں گڑ جاتے حالانکہ ریتلی اور نرم زمین پر آپ کے نقشِ قدم نمایاں نہیں ہوتے تھے امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؂

اوبلثم التراب من قدم لانت حیامن مشیہا الصفواء

"اللہ کریم ان مبارک قدموں کی خاک کو بوسہ دینے کی سرفرازی بخشے گا جن کے حیا کی وجہ سے چلتے وقت سخت پتھر موم کی طرح نرم ہو جاتے تھے۔"

حافظ ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ آفتابِ نبوت صلے اللہ علیہ وسلم جب دورانِ ہجرت غار کے اندر تشریف لے گئے اور کفار غار کے اوپر آ گئے تو آپ نے اپنا سر مبارک پتھر کی طرف جھکا دیا تاکہ کفار کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں تو پتھر نرم ہو گیا اور سر مبارک اندر چلا گیا اور ہاتھ مبارک کا بھی پتھر پر نشان پڑ گیا۔ لوہا تپش و حرارت سے نرم ہو جاتا ہے اور اسے موڑا بھی جا سکتا ہے لیکن پتھر کو موم کر کے اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا صرف نبی امی ہی کی شان ہے۔ شبِ اسریٰ میں صخرۂ بیت المقدس خمیر کی طرح نرم ہو گیا اور آپ نے اپنا براق اس سے باندھ دیا۔

سفرِ مدینہ کے دوران جب پیاس محسوس ہوئی تو حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کے خیمہ میں تشریف لے گئے لیکن وہاں نہ کچھ کھانے کو مل سکا اور نہ پینے کو۔ صرف ایک انتہائی لاغر اور نحیف و نزار بکری وہاں کھڑی تھی جس کی ہڈیوں میں مغز بھی باقی نہ تھا پستان اور چمڑا خشک ہو چکا تھا اور چلنے پھرنے سے معذور تھی۔ اس میں سے دودھ نکلنے کا امکان ہی نہ تھا۔ رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ام معبد سے اس کا دودھ دوہنے کی اجازت طلب کی۔ وہ حیران ہو کر کہنے لگی کہ اس میں دودھ کہاں؟ لیکن اسے اس وقت تک خبر نہ تھی کہ یہ وہ ذات ہے جو اپنے دستِ رحمت سے پانی کے چشمے جاری فرما سکتے ہیں۔

جب آپ نے اس بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا تو اس میں تازگی پیدا ہو گئی، تھن دودھ سے بھر گئے۔ آپ نے بھی پیا، اپنے یارِ غار رضی اللہ عنہ کو بھی پلایا اور ام معبد کے

قبضے میں برتن تھے وہ سارے دودھ سے بھر دیئے اور ادھر اہل مکہ غیب سے یہ آواز سن رہے تھے۔

جزی اللّٰہ رب الناس خیر جزائہ
رفیقین حلا خیمتی ام معبد ! ! !
ھما نزلا بالبر ثم تروحا
فقد فاز من امسی رفیق محمد

"تمام انسانوں کا رب اپنی بہتر جزا عطا فرمائے ان دو ساتھیوں کو جو کہ ام معبد کے خیمہ میں تشریف فرما ہوئے، وہ دونوں نیکی اور بھلائی کے ساتھ نازل ہوئے اور پھر تشریف لے گئے پس تحقیق کامیاب ہو گیا وہ شخص جسے محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب ہو گئی۔"

حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پرندے جمع ہو کر پھرتے رہتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ہر جنس کے جانور اور انسان و جن ان کے لشکری بنے ہوئے تھے لیکن امام رسل صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکری ملاِ اعلیٰ ہیں اور ملائکہ میدانِ بدر میں پانچ ہزار فرشتے ساتھ ہیں یمددکم ربکم بخمسۃ آلاف من الملائکۃ، اور جنگ حنین میں بھی فرشتے مصروف پیکار رہے اور جب بنو قریظہ کو ان کی منافقانہ سرگرمیوں کی بنا پر ذلیل و رسوا کیا گیا تو اس وقت بھی حضرت جبرائیل مسلح ہو کر آپ کے ساتھ رہے غرضیکہ آپ کا لشکر ملائکہ ہیں جو کہ ہر لشکر سے افضل۔

نیز جنوں نے حضرتِ سلیمان علیہ السلام کی خدمت قہر و جبر کی بنا پر قبول کی لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی دل و جان سے قبول کی حضرتِ سلیمان علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے تھے محض ان کی ہیبت و جلال اور سطوت و سلطنت کے آگے مغلوب و مقہور تھے لیکن رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور امتی بن گئے انا سمعنا قرآنا عجبا یھدی الی الرشد فامنا بہ۔ نیز جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دشمنانِ مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کو تہ تیغ کر دیا اور ان کے منحوس وجود کو برداشت نہ کیا اسی طرح مسلمان جنوں نے کافر و گستاخ

اور بے ادب جنوں کو ٹھکانے لگایا۔

ابن تیمیہ نے الصارم المسلول میں کہا قد ذکروا ان الجن الذین آمنوا به صلی اللہ علیہ وسلم کانت تقصد من یسبه من الجن الکفار فتقتله قبل الهجرة وقبل الاذن فی القتال له وللانس اور محمد بن المنکدر کی روایت کو بطور استدلال ذکر کیا وہ فرماتے ہیں کہ ایک جن نے جبل ابی قبیس پر کھڑے ہو کر چند شعر کہے اور کفار کو بتوں کی حمایت اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی دشمنی پر جوش دلایا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ یہ مسعر نامی جن تھا جو کفار کو برانگیختہ کر رہا تھا۔ عنقریب اللہ تعالےٰ اسے رسوا کرے گا چنانچہ تیسرے دن اسی پہاڑ پر سے یہ اشعار سنائی دیئے ؎

نحن قتلنا فی ثلاث مسعرًا
اذ سفه الحق وسن المنکرا
قنعته سیفا حساما ابترا
بشتمه نبینا المطهرا

" ہم نے تین دن کے اندر مسعر کو قتل کر دیا جب کہ اس نے حق سے اعراض کیا اور اسے ناپسند کرتے ہوئے برائی کو رائج کیا۔ میں نے اس میں دھنسایا ہے ایسی تلوار کو جو بہت تیز اور کاٹنے والی ہے بسبب اس کے گالی دینے اور گستاخی کرنے ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم هذا عفریت من الجن آمن اسمه مسجح سمیته عبداللہ خبرنی انه فی طلبه منذ ثلاثة ایام فقال علی جزاه اللہ خیرا یا رسول اللہ۔

" آنحضور نے فرمایا کہ آواز دینے والا ایک زور آور سخت سرکش جن ہے جو مجھ پر ایمان لایا اور میں نے اس کا نام عبداللہ رکھا اس کا پہلا نام مسجح تھا اس نے مجھے اطلاع دی ہے کہ میں تین دن سے مسعر کے تعاقب میں تھا اور آج اسے جہنم واصل کیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالےٰ اسے اچھی جزاء

عطا فرمائے۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی بولیاں سمجھنے کی طاقت بخشی علمنا منطق الطیر، ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ اعزاز بخشا۔ ایک صحابی نے ایک پرندہ کے بچے پکڑ لیے اور بارگاہ رسالتمآب میں آکر بیٹھ گیا۔ اس پرندہ نے اوپر چکر لگانے شروع کر دیئے اور سید خلق علیہ السلام سے کچھ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا ایکم فجع ھذہ بولدھا "تم میں سے کس نے اس کو اپنی اولاد کی وجہ سے غمزدہ کیا ہے؟" اس نے عرض کی کہ میں نے اس کے بچے پکڑے ہیں، اور فوراً انہیں آزاد کر دیا۔ اونٹ اور ہرنی کی گزارشات سن کر انہیں پورا فرمایا۔

آپ کا گدھا یعفور خیبر سے مال غنیمت کے طور پر آپ کے قبضہ میں آیا اور آپ سے عرض کیا کہ انبیاء کرام میں سے صرف آپ کی ذات باقی ہے اور اپنے دادے کی نسل سے صرف میں باقی ہوں لہذا از راہ کرم مجھے اپنی سواری کے لئے منتخب فرمالیجئے! آپ نے اس کی التجا کو شرف قبول بخشا۔ جس آدمی کو بلانا ہوتا آپ اسے فرما دیتے وہ فوراً اس صحابی کو بلا لاتا۔ گویا صرف جانوروں کی بولیاں ہی نہیں جانتے بلکہ آپ ان میں عقل و شعور پیدا فرما دینے کی طاقت بھی رکھتے تھے بلکہ جانوروں اور پتھروں میں انسانی کلام پر قدرت پیدا فرمائی تاکہ وہ آپ کی نبوت و رسالت کی گواہی دیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت ہوا میں اڑتا تھا غدوھا شھر و رواحھا شھر "جس کی صبح کی سیر ایک ماہ کا راستہ تھی اور شام کی سیر بھی ایک ماہ کا راستہ" لیکن محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے وہ براق مسخر فرمایا جس کی جہاں نظر پڑتی تھی وہاں تک کے قدم پڑتے تھے، ان کی سیر صرف زمین پر تھی اور محبوب خدا کی سیر نے مکان و مکانیات کی حدود کو بھی پیچھے چھوڑ دیا اور حریم قدس میں بے حجابانہ جلوہ ریز ہوئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی نماز عصر قضا ہو گئی اور سورج پردے میں ہو گیا تو فرمایا ردوھا علی "اس سورج کو مجھ پر واپس کر دو" تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو

لوٹا دیا جیسا کہ امامِ رازی نے فرمایا محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بھی سورج کو الٹا پھرا یا جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نمازِ عصر قضا ہو گئی تھی اور محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام میں مخل ہونے کے خوف سے انہوں نے آپ کو نہ جگایا اور نماز قضاء ہو گئی۔ جب آپ بیدار ہوئے تو حقیقتِ حال عرض کی آپ نے فرمایا اے اللہ! علی رضی اللہ عنہ تیری تابعداری اور تیرے رسول کی تابعداری میں تھا لہٰذا اس پر سورج کو لوٹا تاکہ نماز ادا کر سکے جتنے کہ ڈوبا ہوا سورج لوٹ آیا اور علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے وقت عصر میں نماز کو ادا فرمایا اللھم انہ کان فی طاعتک وطاعۃ رسولک فاردد علیہ الشمس قالت اسماء فرأیتھا غربت ثم رأیتھا طلعت بعد ما غربت ووقفت علی الجبال والارض وذالک بالصھباء فی خیبر خرجہ الطحاوی فی مشکل الحدیث عن اسماء بنت عمیس و شفا شریف ص۱۸۵۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا انہ کان فی طاعتک وطاعۃ رسولک "علی تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا لہٰذا اس پر سورج کو لوٹا حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو فرضِ خدا نمازِ عصر قضا کر دی تھی تو اللہ تعالےٰ کی اطاعت کیسے ہوئی تو معلوم ہوا کہ حضور کی خدمت وطاعت ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور سب سے اہم فریضہ ہے۔

(۷) حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو مردے زندے کرنے کی توفیق بخشی واحی الموتی باذن اللہ محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کو یہ معجزہ بھی علی الوجہ الاتم حاصل ہوا جنگ خیبر سے واپسی پر ایک یہودیہ عورت نے آپ کی دعوت کی اور بکری کے گوشت کو زہر آلود کر کے آپ کے آگے رکھا۔ آپ نے فرمایا ان ھذا الذراع یخبرنی انہ مسموم "یہ ٹانگ مجھے بتا رہی ہے کہ مجھ میں زہر ملا ہوا ہے" عیسےٰ علیہ السلام نے سارے

عہ امام اہل سنت نے فرمایا ؎ ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں ؛ اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

مردہ جسم میں زندگی پیدا فرمائی اور حبیب اللہ علیہ السلام نے مردہ جسم کے ایک جزو میں، سارے جسم میں زندگی کا پیدا ہونا بھی بڑا کمال ہے لیکن سارا جسم مردہ ہے اور صرف ایک جز میں زندگی پیدا ہو جاتے یہ بہت بڑا کمال ہے۔ مزید برآں یہ کہ قوتِ گویائی بھی عطا ہو گئی اور شعور و ادراک بھی۔ بلکہ عیسٰی علیہ السلام خود قُم باذن اللہ فرماتے تو مردے زندہ ہوتے اور حبیبِ کبریاء علیہ التحیۃ والثناء کا نام لیکر اور ان کا وسیلہ پیش کرکے مردے زندہ کر دیتے گئے۔

مدینہ طیبہ میں ایک مہاجر صحابیہ کا جوان اکلوتا لڑکا فوت ہو گیا۔ اسے غسل و کفن وغیرہ دیکر حضرتِ انس رضی اللہ عنہ نے اس بڑھیا ماں کو بچے کی وفات کی اطلاع دی۔ اس نے کہا ما کان اللہ لیفعل ذٰلک "اللہ تعالٰے کی شانِ کریمی کے یہ لائق نہیں کہ مجھ بے بس کو اس مصیبت میں مبتلا کرے"۔ بارگاہِ رب العزت میں اس کے محبوب کیطرف ہجرت کرنے اور ایمان لانے کا وسیلہ پیش کیا اور اپنے لڑکے کی حیاتِ نو کا سوال کیا تو وہ لڑکا زندہ ہو گیا اور نمازِ جنازہ پڑھنے والوں کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔

نیز آپ کے غلاموں نے اور اولیاءِ کاملین نے مردوں کو زندہ فرمایا اور انہیں حیاتِ نو عطا فرمائی۔ حضرت شیخ محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی مرغ کا گوشت تناول فرما رہے تھے۔ ایک عورت "جس کا بچہ آپ کے پاس زیرِ تربیت تھا اور خشک روٹی کھا رہا تھا" نے کہا کہ آپ تو مرغ کا گوشت کھا رہے ہیں اور میرا بچہ خشک ٹکڑے، تو آپ نے اس مرغ کی ہڈیوں کو جمع فرمایا جس کا گوشت آپ کے پیٹ میں تھا اور سر، ٹانگیں اور انتڑیاں، بال و پر وغیرہ ادھر ادھر پھینک دیئے گئے تھے، اور فرمایا قم باسم اللہ وبرکۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ مرغ اپنے پروں کو جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ حضرت امام شرف الدین بوصیری فرماتے ہیں ؎

لو ناسبت قدرہ اٰیاتہ عظما
احیی اسمہ حین یدعی دارس الرمم

"اگر آپ کے معجزات آپ کی شانِ جلالت کے مطابق ظاہر ہوں تو آپ کا نام پاک لینے سے گلی سڑی ہڈیاں زندہ ہو جائیں"

اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں ؎

لبِ زلال چشمۂ کُن میں گندھے وقتِ خمیر
مردے زندہ کرنا اے جاں تم کو کیا دشوار ہے

عیسےٰ بن مریم علیہ السلام بیماروں کی بیماریاں دور فرماتے، کوڑھیوں کے کوڑھ دور فرماتے اور مادر زاد اندھوں کو بینائی عطا فرماتے، برص کے مریضوں کو خوبصورت جلد اور چہرا بخش دیتے، فرمایا ابرئ الاکمہ والابرص، محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اندھوں کو آنکھیں عطا فرمائیں۔ خیر البرایا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی وہ آنکھ جو تیر لگنے سے زخمی ہوئی اور وہ لٹک گئی تھی درست فرمادی اور اسے اپنے مقام پر رکھ کر دستِ رحمت پھیرا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ روشن ہوگئی اور جب عام لوگوں کو ہلالِ عید نظر نہیں آتا تھا وہ اس آنکھ سے دیکھ لیا کرتے تھے۔ بلکہ آپ کے وسیلہ جلیلہ اور آپ کے نامِ پاک کی برکت سے نابینا بینا ہوگئے۔

مشکوٰۃ شریف میں مروی ہے کہ ایک نابینا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا اگر صبر کرے تو ان کے بدلے اللہ تعالےٰ تجھے جنت میں داخل کرے گا اور چاہے تو میں دعا کردوں اور تجھے آنکھیں مل جائیں۔

فائدہ محبوبِ کریم کو اپنے ربّ تعالےٰ کے کرم پر اتنا اعتماد ہے کہ میں دعا کروں گا تو ضرور اسے آنکھیں مل جائیں گی اسی لئے دعا کو صبر اور بشارتِ جنت کے مقابل ذکر فرمایا۔

اس نے عرض کی مجھے بینائی درکار ہے۔ آپ نے اس کی بے صبری ملاحظہ فرمائی تو خود دعا نہ فرمائی بلکہ اسے دعا سکھلادی اور فرمایا وضو کر، دو رکعت نفل ادا کر اور یہ دعا مانگ:

اللّٰھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فی حاجتی لتقضی اللّٰھم فشفعہ فیّ قال البیہقی فقام وقد ابصر رواہ الترمذی و البیہقی۔

"اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی محمد

نبی الرحمۃ کے وسیلہ سے اے محمد! صلے اللہ علیہ وسلم میں تمہارے وسیلہ سے اپنے رب کیطرف اپنی حاجت میں متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ پوری ہو جائے، اے اللہ انہیں میرا شفیع بنا ئے" امام بیہقی فرماتے ہیں کہ جب وہ دعا مانگ کر اٹھا تو اسے بینائی مل چکی تھی گویا سجدہ میں گیا تو نابینا تھا اور اٹھا تو بینا ہو چکا تھا۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام اگر مرضِ برص کو دور فرماتے تھے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں بھی یہ صفت اور خصوصیت موجود تھی۔ حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی بیوی برص کے مرض میں مبتلا تھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی تکلیف کے لئے التجاءِ دعا اور نظرِ کرم کی تمنا کی تو آپ نے ایک شاخ لیکر اس جگہ پھیر دی جہاں برص کے داغ تھے وہ فوراً تندرست ہو گئی فمسح علیها بغصن فاذهب الله البرص۔

بلکہ علامہ سمہودی اپنی مشہورِ زمانہ اور نادرِ روزگار تصنیف میں مدینہ طیبہ کی خاک پاک کے خواص بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں روی ابن النجار وابن الجوزی فی الوفاء غبار المدینۃ شفاء من السقام" ابن النجار اور ابن الجوزی نے کتاب الوفاء میں حدیث نقل فرمائی ہے کہ مدینہ طیبہ کی غبار مرض جذام سے شفاء بخشتی ہے۔

رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جب سفرِ تبوک سے واپس تشریف لائے تو اس وقت کئی حضرات استقبال کے لئے نکلے۔ جب ان کے چلنے سے غبار اڑی تو بعض صحابہ نے اپنے منہ پر اس غبار سے بچنے کے لئے کپڑے لے لئے تو آپ نے اپنے دستِ اقدس سے اس کے منہ سے کپڑے کو ہٹا دیا اور فرمایا والذی نفسی بیدہٖ ان فی غبارها شفاء من کل داء مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے بیشک غبار مدینہ میں ہر بیماری کی شفا ہے ۔ جس ذاتِ پاک سے تعلق رکھنے والی اور جس کے مبارک قدموں سے لگنے والی خاک میں یہ تاثیر موجود ہو خود ان کی ذاتِ والا صفات کے کمالات کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام کا ایک مخصوص معجزہ یہ تھا کہ آپ لوگوں کو جو کچھ وہ کھا کر آتے اسے بھی بیان فرما دیتے اور جو کچھ گھروں میں ذخیرہ کر آتے اسے بھی بیان فرما دیتے

قرآن کریم میں ارشاد ہے وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر قیامت تک جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوگا سب منکشف فرما دیا گیا۔ آپ فرماتے ہیں انما انظر الی الدنیا وما ھو کائن فیھا الی یوم القیمۃ کانما انظر الی کفی ھذا (طبرانی) "میں دنیا اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونیوالا ہے اسے اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح میں اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں، فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں ؎

عرش تا فرش سب آئینہ ضمائر حاضر
بس قسم کھائیے امی تیری دانائی کی!
شش جہت سمت مقابل شب و روز ایک ہی حال
دھوم والنجم میں ہے آقا تیری بینائی کی! (وسیأتی تحقیقہ)

الحاصل کوئی معجزہ اور کمال ایسا نہیں جو کسی بھی نبی و رسول کو اللہ تعالٰے نے عطا فرمایا ہو اور اس رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذاتِ اقدس میں موجود نہ ہو بلکہ تمام اوصافِ کمالیہ اور معجزاتِ عالیہ علی الوجہ الاتم والاکمل سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے ؎

حسنِ یوسف، دمِ عیسٰے، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
داستانِ حسن جب پھیلی تو لا محدود تھی
اور جب سمٹی تو تیرا نام ہو کر رہ گئی

بلکہ انہی کا وہ دستر خوانِ فیض ہے جس سے تمام مخلوق نوری و ناری، خاکی و آبی اپنے روحانی اور مادی رزق کھا رہے ہیں اور روحانی و جسمانی غذاؤں کو حاصل کر رہے ہیں واللہ یعطی و انا قاسم " اللہ تعالٰے عطا فرماتا ہے اور رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم تقسیم فرماتے ہیں ؎

آسماں خوان زمیں خوان زمانہ مہماں   صاحبِ خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا

اور جس کو کوئی بھی خوبی اور وصفِ کمال حاصل ہوا ہے وہ انہی کے دستِ جود و عطا سے ہوا ہے کما قال البوصیری ؎

وکل اٰیٍ اتی الرسل الکرام بها
فانما اتصلت من نوره بهم
وکلهم من رسول الله ملتمس
غرفا من البحر او رشفا من الدیم

لہٰذا نبی الامۃ کاشف الغمۃ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت گویا ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش انبیاء کرام کی نبوت و رسالت ہے اس لئے اللہ رب العزت نے یہ نہ فرمایا کہ ہم نے آپ کو نبوت و رسالت عطا فرمائی بلکہ فرمایا انا اعطینٰک الکوثر۔

نکتہ تمام انبیاء کرام اور رسلِ عظام نفسِ نبوت و رسالت میں برابر ہیں اور سب پر لازم ہے کہ ان کی اس عظمت و برتری کا اعتراف و اقرار کریں لا نفرق بین احد من رسله لیکن اللہ تبارک و تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام تک ہر رسول و نبی کو اس کا نام لیکر پکارا اور ان کی امتوں نے بھی انہیں نام لیکر پکارا لیکن رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو نام لیکر پکارنے سے منع فرمایا ولا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا " تم رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کو پکارنا یوں نہ سمجھو جیسے ایک دوسرے کو پکارنا یعنی نام لیکر بلکہ خود پکارنے کا انداز اور طرز و طریقہ بیان فرمایا یاایها النبی یا ایها الرسول۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسولِ اعظم اور خلیفۂ اول صرف انہی کی ذاتِ مقدس ہے اور وصف رسالت و نبوت کے ساتھ ندا صرف انہی کے شایانِ شان ہے اسی لئے ان کی رسالت و نبوت سے ہی ابتداء ہوئی اور اسی پر اس کی انتہاء بھی، وہی رسولِ اعظم ہیں وہی خلیفۂ اول بھی۔

السادس :- الکوثر سے مراد قرآنِ پاک ہے اب انا اعطینٰک الکوثر کا معنےٰ ہوگا اے محبوب ہم نے آپ کو قرآن کریم عطا فرمایا۔ مقامِ غور ہے کہ قرآن بھی کتب سماویہ میں سے ایک کتاب ہے۔ جب دوسری کتابوں کے عطا کرنے کا ذکر کیا گیا تو انہیں ان کے نام سے

یا لفظِ کتاب سے ہی تعبیر کیا گیا لیکن قرآنِ کریم کی عطا کا ذکر کرتے وقت اسے الکوثر فرمایا کیونکہ قرآنِ پاک اپنے فضائل و کمالات کے لحاظ سے بے مثل و بے نظیر ہے۔ اپنے فوائد و ثمرات اور فیوض و برکات کے لحاظ سے لاثانی ہے اور علوم و معارف، اسرار و رموز کے اعتبار سے ناپیدا کنار سمندر ہے لہذا فرمایا اے محبوب تیری کتاب کوثر ہے اور خیرِ کثیر ہے۔

اس کتاب کے فضائل و کمالات کا اندازہ کیا ہو سکتا ہے جبکہ خود اللہ رب العزت نے فرمایا قل لوکان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا ۔" آپ فرمادیں کہ اگر سمندر میرے رب کے کلمات اور کلامِ الٰہی لکھنے کیلئے سیاہی بن جائے تو وہ سمندر کلماتِ الٰہیہ کے ختم ہونے سے پہلے ختم ہو جائے گا اگرچہ ہم اس کی مثل اور سیاہی بھی لے آئیں جو اس پہلی کی بقا میں معاون ثابت ہو۔" اور دوسرے مقام پر فرمایا ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمات اللہ ان اللہ عزیز حکیم ۔" اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں وہ کلماتِ خداوندی لکھنے کے لئے قلمیں بن جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو اور اس کے پیچھے سات سمندر ہوں جو اس کے معاون بنے رہیں پھر بھی کلماتِ رب تعالےٰ ختم نہیں ہوں گے۔ بیشک اللہ تعالےٰ عزت و حکمت والا ہے۔"

اس ارشادِ باری تعالےٰ سے ظاہر ہے کہ کلماتِ رب تعالےٰ اور کلامِ پاک قرآنِ مجید کے فضائل و کمالات اور فوائد و برکات احاطۂ تحریر سے باہر ہیں اور تمام سمندر سیاہی ہوں اور سب درخت قلمیں ہوں تو پھر بھی کلماتِ ربی کی توصیف و تعریف پوری نہیں ہو سکے گی اور وہ فانی اشیاء اس باقی اور لافانی کلام اور وہ متناہی اشیاء اس غیر متناہی کا احاطہ نہیں کر سکیں گی۔

سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے قرآنِ پاک کو نازل فرمایا اس میں امر ہے اور نہی ہے اور زجر بھی اور پہلے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے معاملات، اس میں تمہارے حالات و کیفیات، پہلے لوگوں کے حالات اور آنے والے واقعات

اور تمہارے احکام ہیں، بار بار پڑھنا اسے بوسیدہ نہیں کرتا اور نہ طبیعت کو بے ذوق کرتا ہے اور نہ ہی اس کے عجائب، اسرار و رموز اور نکات و فوائد ختم ہو سکتے ہیں۔ یہ ایک سچی کتاب اور وحی الٰہی ہے۔ اس کی تلاوت کرنیوالا اور اس کو بیان کرنیوالا ہی سچا ہے۔ اس کے احکام پر عمل کرنے والا عادل ہے، جو اسے دلیل بنائے گا کامیاب ہوگا، جو اس کے مطابق تقسیم کریگا منصف ہوگا، جو اس پر عمل کرے گا اجر دیا جائے گا۔ جو اس کا دامن تھامے گا راہِ ہدایت پر گامزن ہوگا، جو اس کے علاوہ کسی کتاب میں رشد و ہدایت طلب کریگا گمراہ ہوگا، جو اس کے سوا کسی دوسری چیز کا حکم دے گا اور اسے دستور العمل بنائے گا تباہ و برباد ہوگا۔ یہ ذکر حکیم اور نور مبین ہے، یہی صراطِ مستقیم ہے اور اللہ تعالےٰ تک پہنچانے والا مستحکم اور مضبوط وسیلہ ہے۔ یہ شفا ہے اور امراض روحانیہ و جسمانیہ میں نافع ہے۔ یہی عصمت ہے اور ذریعۂ نجات ہے۔ (شفا شریف)

حدیثِ پاک میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ میں آپ پر ایسی کتاب نازل کرنیوالا ہوں جس کی بدولت اندھی اور نابینا آنکھیں نورانی اور روشن ہو جائیں گی، بہرے کان شنوا ہو جائیں گے اور کفر و ضلالت کے حجابات میں محبوس و محجوب دل آزاد ہو جائینگے اور گناہ و آثام کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے قلوب منور ہو جائیں گے، اس میں علوم کی نہریں ہیں، حکمت کا بیان ہے اور دلوں کی تازگی ہے۔

اس کلام میں اللہ تعالےٰ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ جو بھی اس کے سننے کا شرف حاصل کرے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور کافر و مشرک ہی کیوں نہ ہو اس کا دل بھی اس کی حقانیت کا قائل ہو جاتا ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی مشرف بہ اسلام نہیں ہوا تھا۔ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نمازِ مغرب میں سورۂ طور تلاوت فرما رہے تھے جب ام خلقوا من غیر شیئ ام ھم الخٰلقون "کیا وہ بغیر اصل کے پیدا کئے گئے ہیں یا وہ خود پیدا کرنیوالے ہیں"، کو تلاوت فرمایا تو میرا دل اسلام کے لئے بیقرار ہو گیا اور سینہ سے باہر نکلتا ہوا معلوم ہونے لگا۔ اسلام کی عظمت و توقیر اسی دن میرے دل میں گھر کر گئی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے اس ارادہ کے ساتھ نکلے تھے کہ میں اس

مدعئ نبوت کو شہید کر دیتا ہوں اور اس شمع نبوت کو گل کر دیتا ہوں۔ راستہ میں معلوم ہوا کہ بہن فاطمہ بنت خطاب اور بہنوئی مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں۔ غضبناک ہو کر وہاں پہنچے، بہنوئی کو مارا پیٹا۔ جب بہن چھڑانے لگی تو اسے بھی مارا تو بہن نے غصہ میں آ کر کہا عمر جو چاہو کر لو ہم اسلام کو نہیں چھوڑ سکتے۔ حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم جس کتاب کی تلاوت کر رہے تھے وہ کہاں ہے؟ صحیفہ ان کے سامنے لایا گیا۔ جب حضرتِ عمر نے اس کو پڑھا طٰہٰ ما انزلنا علیك القرآن لتشقی الا تذکرۃ لمن یخشی تنزیلا ممن خلق الارض والسموات العلی کی تلاوت کی تو دل کی دنیا بدل گئی، عزم و ارادہ متزلزل ہو گیا اور پکار اٹھے کہ یہ کلام جھوٹی نہیں ہو سکتی ہے

نمی دانی کہ سوزِ قراءتِ تو
دگرگوں کرد تقدیرِ عمر را

رحمتِ عالم و عالمیاں صلے اللہ علیہ وسلم وادئ نخلہ میں نماز ادا فرما رہے تھے کہ اللہ تعالٰے نے جنوں کی ایک جماعت کو اس طرف متوجہ کیا۔ قرآنِ پاک کی تلاوت ہو رہی تھی، سنتے ہی دولتِ ایمان سے مالا مال ہو گئے اور پھر اپنی قوم کیطرف مبلغ بن کر پہنچے اور انہیں بھی اس قرآنِ پاک کی اتباع کا حکم دیا انا سمعنا قرانا عجبا یھدی الی الرشد فامنا بہ "ہم نے ایک عجیب کلام سنی جو کہ راہِ راست کیطرف رہنمائی کرتی ہے لہٰذا ہم تو ایمان لے آئے تم بھی ایمان لے آؤ۔"

جب اس کتابِ کامل کی تلاوت کی جائے تو آسمان سے فرشتے سننے کے لئے اتر آتے ہیں اور اس کے سماع سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سورۂ بقرہ کی تلاوت فرما رہے تھے، ان کا گھوڑا ان کے پاس بندھا ہوا تھا گھوڑے نے چکر لگانے شروع کر دیئے۔ حضرت اسید چپ ہو گئے تو وہ بھی رک گیا آپ نے پھر تلاوت شروع کر دی تو اس نے بھی چکر لگانا شروع کر دیئے، آپ چپ ہو گئے تو وہ بھی رک گیا۔ ان کا صاحبزادہ پاس ہی چارپائی پہ آرام کر رہا تھا اس خیال پہ کہ گھوڑا اسے روند نہ ڈالے چارپائی کو ایک طرف کھینچنے کے لئے اٹھے تو دیکھا کہ آسمان و زمین کے درمیان

ایک سیاہ بادل یا چھتری ہے جس میں روشن دئیے اور بتیاں جل رہی ہیں۔ صبح کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا کیا تو جانتا ہے وہ کیا چیز ہے؟ عرض کی نہیں میں نہیں جانتا۔ تو آپ نے فرمایا تلک ملٰئکۃ دنت لصوتک ولو قرأت لاصبحت ینظر الناس الیھا دھی لا تتوارٰی منھم (مشکوٰۃ) "یہ فرشتے تھے جو کہ تیری تلاوت سننے کے لئے نزدیک آگئے تھے اور اگر تم تلاوت جاری رکھتے تو یہ صبح تک اسی طرح رہتے لوگ انہیں دیکھتے رہتے اور یہ لوگوں سے پوشیدہ نہ ہوتے۔"

نیز اس عظیم کتاب کی تلاوت و قرارت بہت بڑے اجر و ثواب کا موجب ہے، ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں اور رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا اقول الٓمٓ حرف بل الف حرف ولام حرف ومیم حرف "میں یہ نہیں کہتا کہ الٓم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام دوسرا حرف ہے اور میم تیسرا حرف ہے۔" گویا الٓم کی تلاوت سے تیس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔ اور اگر تلفظ کے لحاظ سے حروف کو اعتبار کریں تو الف میں بھی تین حرف اور اسی طرح لام اور میم میں بھی تین تین تو کل نو حرف ہو گئے لہٰذا ان کے تلفظ سے نوے نیکیاں عطا ہو گئیں۔

حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ملائکہ نے کلامِ پاک کو سنا تو کہا طوبیٰ لامۃ ینزل ھذا علیھا وطوبیٰ لاجواف تحمل ھذا وطوبیٰ لالسنۃ تکلم بھذا رواہ الدارمی "مبارک ہے اس امت کیلئے جس پر یہ کلام نازل ہوگی اور مبارک ہیں وہ دل اور سینے جو اس کلام کو یاد کریں گے اور محفوظ رکھیں گے اور مبارک ہیں وہ زبانیں جو اس کی تلاوت کریں گی۔"

حضرتِ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے من شغلہ القرآن عن ذکری و مسألتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین وفضل کلام اللہ علیٰ سائر الکلام کفضل اللہ علیٰ خلقہ رواہ الترمذی۔ "جس شخص کو تلاوتِ قرآن باقی اذکار اور دعاؤں سے مشغول کرے تو میں اسے طلب کرنے والوں سے بھی زیادہ عطا کرتا ہوں اور قرآنِ پاک کی فضیلت باقی کلاموں پر

ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت تمام مخلوق پر۔

حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سید الخلق صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقرؤا القرآن فانہ یاتی یوم القیٰمۃ شفیعا لاصحابہ" قرآن پاک کی تلاوت کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے تلاوت کرنے والوں کی شفاعت کرے گا۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان ھذہ القلوب تصدأ کما یصدأ الحدید اذا اصابہ الماء قیل یا رسول اللہ ماجلاؤھا قال کثرۃ ذکر الموت وتلاوۃ القرآن رواہ البیھقی" بیشک یہ دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسا کہ لوہا جب اسے پانی لگ جائے۔ عرض کی گئی دلوں کے زنگ کو دور کرنے اور صیقل کرنے والی کونسی چیز ہے تو فرمایا کہ موت کو اکثر یاد کرنا اور قرآن پاک کی زیادہ تلاوت کرنا۔" الحاصل قرآنِ کریم کے فضائل و برکات اور فوائد و ثمرات بیشمار ہیں اور کتبِ حدیث اس کی فضیلت سے بھر پور ہیں یہ دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی کا موجب ہے اور روحانی و جسمانی امراض و عوارض سے شفا بخشنے والا ہے۔

۲۔ اس کتابِ کریم کی ایک خصوصی اور امتیازی شان یہ بھی ہے کہ یہ اپنی نظم و عبارت کے لحاظ سے معجزہ ہے اور کوئی اس کی مثل بنانے پر قادر نہیں نہ کوئی جن اور انسان اور نہ ہی کوئی فرشتہ اس جیسی عبارت بنا سکتا ہے گویا یہ کتاب بیک وقت نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا منشور بھی ہے اور آپ کے دعویٰ نبوت و رسالت پر دلیل بھی۔

جب کفارِ مکہ نے اس کو افسانہ اور شعر وغیرہ کہہ کر ناقابلِ اعتبار بنانے کی ناپاک سعی کی تو انہیں حکم دیا گیا کہ اس قرآن جیسی کتاب بنا کر لے آؤ۔ وہ جب اس سے عاجز آگئے تو فرمایا اس جیسی دس سورتیں بنا کر لے آؤ" فأتوا بعشر سور مثلہ مفتریات۔ جب یہ ہمت بھی نہ ہوئی اور مقابلہ کی تاب نہ لا سکے تو فرمایا ان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فأتوا بسورۃ من مثلہ" اگر تمہیں شک ہے اس کتاب کی حقانیت میں جو ہم نے اپنے بندۂ خاص پر نازل فرمائی ہے تو اس جیسی ایک مختصر سی سورت بنا کر لے آؤ اور اگر اکیلے نہیں بنا سکتے تو اپنے معبودوں کو بھی ساتھ ملا لو وادعوا شھداءکم من دون اللہ

اور پھر انہیں غیرت دلانے اور غیض و غضب میں جلانے کے لئے فرمایا فان لم تفعلوا و لن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکافرین؟

" اور اگر تم ایک مختصر سورت کی مثل بھی نہ لاؤ اور ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ تم ہرگز نہیں لاسکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن پتھر اور کفار انسان ہیں اور اسے منکرینِ رسول و قرآن کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

ایک طرف فصحائے عرب اور بلغائے زمانہ ہیں دوسری طرف ایک امی لقب ذات ہے جو نہ کسی مکتب میں تشریف لے گئے، نہ کسی سے تعلیم حاصل کی، نہ کسی مجلسِ ادب میں شمولیت فرمائی لیکن باوجود اس کے اس امی رسول کی کتاب میں سے ایک مختصر ترین سورت کا مقابلہ نہ کر سکنا اس بات پر شاہدِ صادق ہے اور دلیلِ ناطق ہے کہ یہ زبان زبانِ مصطفٰے ہے اور یہ کلام کلامِ خدا ہے وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملت بشست

عاشقِ رسولِ مقبول اعلیٰحضرت بریلوی نے فرمایا ؎

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحا عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

حضرتِ ابوعبیدہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے یہ آیت سنی فاصدع بما تؤمر " تو علانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے" سجدہ میں گر گیا اور کہا کہ اس آیت کی فصاحت و بلاغت نے مجھے سجدہ ریز ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ ایک اور فصیح و بلیغ بدوی نے جب فلما استیأسوا منہ خلصوا نجیًا " جب یوسف علیہ السلام کے بھائی ان سے بنیامین کی رہائی سے ناامید ہوئے تو مشورہ کے لئے علیحدہ ہوئے"، سنا تو بے اختیار کہہ اٹھا میں گواہی دیتا ہوں کہ مخلوق اس جیسا کلام بنانے پر قادر نہیں۔

جس نے معارضہ اور مقابلہ کی کوشش کی جب قرآنِ کریم کے الفاظ اور اسلوبِ بیان پر غور و فکر کیا تو اپنے ارادہ پر نادم ہوا اور فوراً تائب ہو گیا۔ ابن المقفع اپنے وقت میں فصاحت و

بلاغت اور روانگی وسلاست میں تمام اہلِ زمان پر فوقیت رکھتا تھا، قرآن حکیم کی مثل بنانیکی کوشش کی۔ اتفاقاً ایک شخص یہ آیت کریمہ پڑھتا جا رہا تھا وقیل یا ارض ابلعی ماءك الآیۃ جب اسے سنا اور غور وفکر کیا اسکے معانی بیان کئے تو اعد کا مجموعہ پایا اور انتہائی اختصار کے باوجود بے شمار وجوہ بدیع پر مشتمل پایا۔ جب واپس اپنی جگہ پر آیا تو جو کچھ لکھا تھا اسے مٹا دیا اور کہا اشہد ان ھذا لا یعارض وما ھو من کلام البشر "میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کا معارضہ نہیں ہوسکتا اور نہ ہی یہ انسانی کلام ہے۔

یحیٰی بن الحکم غزال اندلس جیسے مردم خیز خطہ میں یکتائے زمانہ فصیح وبلیغ تھا۔ اس نے بھی یہ ارادہ کیا کہ قرآن شریف کی سورتوں میں سے کسی کی مثل ایک سورت بناؤں اور اس قرآن کی صداقت وحقانیت کو آزماؤں اور سورۂ اخلاص جیسی سورت بنانیکا فیصلہ کیا۔ جب اس سورت پر غور وفکر کیا تو کہنے لگا فاعترتنی خشیۃ ورقۃ حملتنی علی التوبۃ "میرا دل اس کی جامعیت دیکھ کر مرعوب ہوگیا اور میں نے مجبوراً توبہ کرلی۔

کفارِ مکہ نے جب اس کے شانِ اعجاز کا مشاہدہ کیا، دلوں پر اس کی تاثیر کو ملاحظہ کیا، اپنے شرک کے قلعوں پر برقِ صداقت گرتی دیکھی اور بنیادِ گمرہی وضلالت کو لرزتے دیکھا تو کہنے لگے لا تسمعوا لھذا القراٰن والغوا فیہ لعلکم تغلبون ہ" اس قرآن کو مت سنو اور جب اس کی تلاوت کی جارہی ہو اس میں شور وشغب سے کام لو اور لغویات بکنے شروع کردیا کرو شاید کہ تم حق وصداقت کی یلغار کو روک سکو۔

نیز لوگوں میں غلط پروپیگنڈہ شروع کردیا اور بیہودہ پرچار کرنے لگے۔ کبھی کہتے یا ایھا الذی نزل علیہ الذکر من بیننا انك لمجنون "اے وہ شخص جس پر اپنے زعم کے مطابق کلامِ الٰہی نازل ہوا ہے تم مجنون ہو"، کبھی کہتے بل ھو شاعر" بلکہ یہ تو شاعر ہے"، کبھی کلام کو جادو اور سحر کہتے ان ھذا الا سحر یؤثر" نہیں یہ قرآن مگر جادو جو نقل کیا جاتا ہے"، لیکن جب اپنی محفلوں میں بیٹھتے

تو اظہارِ حق کئے بغیر نہ رہ سکتے اور تسلیم کرتے کہ ہم جو کچھ بھی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات کے متعلق کہتے ہیں اور ان کے قرآن کے حق میں رائے زنی کرتے ہیں وہ سب غلط ہے وہ ان سب الزامات سے منزہ و مبرا ہیں۔

ولید بن مغیرہ نے عرب میں منعقد ہونے والے ایک میلہ سے پہلے تمام رؤساءِ عرب کو بلایا اور یہ تجویز پیش کی کہ تمام اطراف واکناف کے عرب اس میلہ میں شریک ہوں گے اور محمد بن عبداللہ اس میں شریک ہو کر اپنے پُر تاثیر کلام سے لوگوں کو اپنی طرف راغب کرلیں گے اور مسلمان بننے پر مجبور کر دیں گے لہٰذا کوئی ایسا عیب اور الزام تراشا جائے جو لوگوں کو متاثر نہ ہونے دے اور تم جھوٹے بھی نہ کہلاؤ۔ ایک نے کہا کہ ہم کہیں گے یہ مجنون ہیں اس نے کہا وہ مجنون نہیں یہ الزام غلط ہے۔ دوسرے نے کہا ہم کاہن ہونے کا الزام لگائیں گے اس نے کہا یہ بھی خلافِ حقیقت ہے۔ نہ ان جیسا آواز ہے اور نہ ان جیسے الفاظ اور سجع۔ تیسرے نے کہا ہم شاعر کہہ کر لوگوں کو متنفر کریں گے۔ اس نے کہا یہ الزام کیسے درست ہو سکتا ہے۔ ہم شعر کے سارے اقسام جانتے ہیں، ان کے بحر اور اوزان جانتے ہیں، ان کا کلام شعر بھی نہیں۔ چوتھے نے کہا ہم ساحر اور جادوگر کہہ دیں گے لیکن ولید نے کہا وہ ساحر بھی نہیں اور مجھے یقین ہے کہ تم جو الزام بھی عائد کرو گے وہ خلافِ حقیقت ہو گا اور محمد بن عبداللہ کی ذات ان سب عیوب سے منزہ و مبرا ہے لیکن وہ جھوٹ جو قدرے قابلِ تسلیم ہے اور ظاہر بین لوگ اسے مان سکتے ہیں وہ یہی قول ہے یعنی یہ ساحر اور جادوگر ہیں کیونکہ وہ اپنے کلام سے بیٹے کو باپ سے اور بھائی کو بھائی سے جدا کر دیتے ہیں، بیوی کو خاوند سے دور کرتے ہیں اور قبیلہ دار کو قبیلہ سے متنفر کرتے ہیں اور جادو میں بھی اسی قسم کا اثر ہوتا ہے اگرچہ وہ ایسی کلام نہیں ہوتا بلکہ منتر وغیرہ ہوتے ہیں۔

عتبہ بن ربیعہ نے ساری کلام اور طویل بحث سن کر کہا اے قوم تم جانتے ہو کہ کوئی ایسی شئی نہیں جسے میں نے نہ پڑھا ہو یا میرے علم میں نہ ہو یا میں نے بیان نہ کی ہو لیکن خدا کی قسم اس کلام جیسی کوئی کلام نہیں سنی نہ یہ کاہن اور حسابی رملی کی کلام ہے

نہ شعر ہے اور نہ ہی سحر ہے۔

الغرض ان کا ہر حیلہ بیکار ثابت ہوا، ہر حربہ ناکام ہوا، دین الٰہی پھلنے پھولنے لگا اور لوگ اس کلام روحانیت نشان سے متاثر ہو کر آپ کے حلقہ بگوش ہونے لگے تو کفار عرب جنگ و جدال پر اتر آئے اور کلام سے عاجز آ کر تیغ بے نیام کو سونت لیا کلمات و حروف کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر نیزوں اور تلواروں کو سنبھال لیا لیکن نہ تیر رہے نہ نیزے، نہ زرہیں رہیں اور نہ کمانیں، نہ تلواریں رہیں اور نہ ڈھالیں، نہ ابوجہل رہا نہ ولید، نہ ابولہب رہا اور نہ ہی عتبہ و شیبہ، سب نیست و نابود ہو گئے اور زمانہ والوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ کتاب اور کلام مٹنے کے لئے نہیں آیا تھا بلکہ پہلی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا تھا یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون ۰ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے فصحاء اور بلغاء عرب نے قصائد لکھ کر دیوار کعبہ کے ساتھ لٹکائے ہوئے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ زمانہ میں کون ایسا ہوگا جو اپنی فصاحت و

ع تنبیہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام معجز نشان سب معجزات سے افضل و اعلےٰ ہے اور تمام انبیاء کرام کے معجزات پر فائق ہے اولاً اس لئے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات مجسم اور ٹھوس ہونے کے باوجود بھی محفوظ نہ رہ سکے لیکن یہ معجزہ آواز اور صوت ہونے کے باوجود، حروف اور کلمات ہونے کے باوجود محفوظ ہے۔ نہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی رہی نہ موسےٰ علیہ السلام کا عصا مبارک محفوظ نہ وہ پتھر جس سے چشمے ابلتے تھے، نہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو بصارت و بینائی ہی عطا کرنے والی قمیص یوسفی لیکن محبوب خدا محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کا یہ معجزہ قیامت تک قائم و دائم رہے گا انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون ۰ ثانیاً اس لئے کہ بنی اسرائیل اور دیگر امتوں کو نہ مردے زندہ کرنے کا دعویٰ تھا نہ غیب دانی کا۔ نہ پتھر سے پانی جاری کرنے کا اور نہ دریاؤں میں خشک راستے پیدا کرنے کا وغیرہ وغیرہ اور نہ یہ امور ان میں مروج تھے لیکن نبی امی خاتم الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ایسا معجزہ دکھایا جو اہل عرب میں معروف و مروج تھا۔ ہر وقت شعراء فصحاء اور بلغاء اپنی برائی ظاہر کرنے کے لئے فصیح سے فصیح تر اور بلیغ سے بلیغ تر کلام نظم و نثر کی صورت میں بناتے تھے اور اس میں مہارت تامہ رکھتے تھے لیکن بایں ہمہ آپ کے سامنے عاجز آ گئے اور وہ مختصر ترین سورت الکوثر ہے جس کی تین آیات ہیں تو معلوم ہوا کہ قرآن شریف کی تین تین آیات ایک ایک معجزہ ہیں تو اس طرح قرآن کریم اور فرقان حمید ایک معجزہ نہ ہوا بلکہ دو ہزار سے بھی زیادہ معجزات پر مشتمل ہے کیونکہ قرآن کریم کی آیات چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ہیں تو صرف لفظی اعجاز کے اعتبار سے قرآن کریم میں دو ہزار دو سو بائیس معجزات ہو جائیں گے اور اگر تعداد حروف کا اعتبار کرتے ہوئے سورہ کوثر کی آیات کے مساوی مقدار اعتبار کریں تو تعداد معجزات اور زیادہ ہو جائے گی اور علم غیب پر مشتمل ہونے کے اعتبار سے معجزات کی تعداد میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

افضل و اعلیٰ ہے نیز قرآن کریم میں کفار عرب سے مختصر ترین سورت بنانے کا مطالبہ کیا گیا لیکن وہ عاجز آ گئے الخ

بلاغت میں ہماری برابری کر سکیگا لیکن جب قرآنِ کریم نازل ہوا تو وہ قصائد انہوں نے فوراً اتار لیے اور اپنی عاجزی و بے بسی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے ۔ اعلیحضرت بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں !
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جسکا بیاں نہیں

۳۔ قرآنِ مجید فرقانِ حمید اپنے علوم و معارف اور اسرار و رموز کے لحاظ سے کوثر ہے علومِ اولین و آخرین کو شامل کتبِ سابقہ کے تمام قواعد و اصول اس میں داخل ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا وکل شیئ احصیناہ فی امام مبین ہ " ہر چیز کو ہم نے امامِ مبین اور کتابِ کریم میں جمع فرما دیا " ما فرطنا فی الکتاب من شیئ " ہم نے اپنی کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں کی " نزلنا علیک القراٰن تبیانا لکل شیئ ہ " ہم نے آپ پر وہ قرآن نازل فرمایا جو کہ ہر شئی کا مدلل بیان ہے اور ہر شئی کی مکمل تفصیل " ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین ہ اور ہر خشک اور تر چیز کا علم قرآنِ پاک میں موجود ہے " ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی کتاب مبین ہ ہر چھوٹی اور بڑی چیز کا علم قرآنِ کریم میں ہے " هذا بیان للناس وھدًی " یہ لوگوں کے لئے ہر شئی کا بیان ہے اور رشد و ہدایت ہے " وما کان ھذا القراٰن ان یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل الکتاب لاریب فیہ من رب العالمین ہ " اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ اسے اللہ تعالےٰ کا غیر اپنی طرف سے بنالے لیکن یہ توسچی کتاب ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنیوالی ہے اور لوحِ محفوظ کی تفصیل ہے ۔ یہ رب تبارک و تعالیٰ کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے اور شک و شبہ سے پاک ہے ۔

آیت مذکورہ بالا کے تحت امام رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ان ھذا القراٰن مشتمل علی تفصیل جمیع العلوم الشریفۃ عقلیھا ونقلیھا اشتمالا یمتنع حصولہ فی سائر الکتب فکان ذلک معجزا ہ " تحقیق یہ قرآن علوم عقلیہ و نقلیہ کی تفصیلات پر مشتمل ہے اور ایسی تفصیل کسی دوسری آسمانی کتاب میں ملنی محال ہے لہٰذا یہ نبی امی فداہ ابی و امی کا معجزہ ہے

قاضی عیاض، محدث دہلوی اور دیگر اہلِ سیر فرماتے ہیں قرآنِ پاک کا اعجاز یہ ہے کہ ہزاروں سال پہلے رونما ہونے والے واقعات، مکہ مکرمہ سے دور دراز پھیلی ہوئی امم اور اقوام کے حالات اور دنیا سے ناپید ہو جانے والی شریعتیں اور احکامات بیان فرمائے لیکن آج تک کسی کو ان میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور نہ کسی واقعہ کو غلط ثابت کرنے کی جرأت ہوئی لہذا یہ کتابِ مبین ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا عظیم معجزہ ہے۔ آنحضرت نے جس طرح ازمنہ ماضیہ، قرونِ سالفہ اور شرائع داثرہ کو بیان فرمایا۔ اسیطرح آنیوالے واقعات کو اپنے علمِ باطن، بصیرتِ صادقہ اور وحیِ الٰہی کی بدولت بیان فرمایا اور ہر خبر پوری ہو کر رہی۔ اگر حضرتِ آدم و حضرت ابراہیم، اسماعیل و اسحاق، یعقوب و یوسف اور موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کے واقعات بیان فرمائے، قوم ثمود و عاد کا تمرد بیان فرمایا، فرعون و ہامان کی تباہی و بربادی واضح فرمائی اور بنی اسرائیل کے کردار سے پردہ اٹھایا تو یہ بھی علی الاعلان فرما دیا کہ میرا قرآن نہ بدلنے والی کتاب ہے اور نہ مٹنے والے حروف و کلمات میں اور ہمیشہ رہنے والا ذکرِ حکیم ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون۔ دنیائے یہودیت و نصرانیت اور قرامطہ کی طاغوتی طاقت ہمیشہ اس غیبی خبر کو غلط ثابت کرنے اور قرآنِ مجید کو بدلنے کی فکر میں رہی لیکن ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور ذلت و رسوائی اٹھانی پڑی۔

میدانِ بدر میں قلیل لشکر تھا اور وہ بھی بے سروسامان اور کفار کا لشکر کثیر تعداد میں تھا اور ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح لیکن اس امی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرما دیا:

سیھزم الجمع و یولون الدبر (عنقریب یہ لشکر شکست کھائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلیں گے) تو زمانہ والوں نے دیکھا کہ کفار کس طرح مغلوب ہوئے اور اپنے پیچھے ستر تڑپتی لاشیں اور بہت سے قیدی چھوڑ گئے۔ میدانِ بدر آج بھی اس اعلان صداقت نشان کی گواہی دے رہا ہے اور اس غیبی خبر کی صداقت پر شہادت دے رہا ہے۔

صحابہ کرام اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں تشریف لے گئے اور کفار و مشرکین کے جبر و تشدد سے تنگ آکر اپنے محبوب وطن کو چھوڑ دیا لیکن محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا لتدخلن المسجد الحرام

ان شاء اللہ امنین (تم ضرور بالضرور مسجدِ حرام میں امن و سلامتی کے ساتھ داخل ہو گے) دنیا جانتی ہے کہ اعلان کے بعد دوسرے سال ہی رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے امن و سلامتی کے ساتھ حرمِ پاک کی زیارت کی لیکن یہ داخلہ اور حرمِ پاک کی حاضری معاہدہ صلح حدیبیہ کے تحت تھی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا انا فتحنا لك فتحا مبینا (بیشک ہم نے آپ کو فتحِ مبین سے ہمکنار فرمایا یعنی فتحِ مکہ) اور چشمِ فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ کفارِ مکہ کثیر تعداد میں بھی تھے اور ان کے پاس ہر قسم کے آلاتِ حرب بھی موجود تھے اور گھروں میں مامون و محفوظ بھی تھے لیکن انہیں ہاتھ اٹھانے کی بھی جرأت نہ ہوئی اور حلقہ بگوشِ اسلام ہونے یا شہر چھوڑنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ رہا اور اس طرح اس فتحِ مبین کی بشارت پوری ہو کر رہی۔

فارس کے آتش پرست روم کے اہلِ کتاب پر غالب آ گئے، مشرکینِ مکہ نے خوشی کا اظہار کیا اور مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ آج ہمارے مشرک بھائی تمہارے اہلِ کتاب پر غالب آ گئے ہیں کل ہم بھی تم پر غالب آجائیں گے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کی زبان پر اعلان جاری فرمایا غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین (رومی قریبی علاقہ میں مغلوب تو ہو گئے لیکن وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب چند سالوں میں فارسیوں پر غالب آجائیں گے) چنانچہ سات سال کے عرصہ میں اہلِ روم فارسیوں پر غالب آ گئے اور مسلمانوں نے ان کی فتح پر خوشی منائی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو قرآنِ کریم نے مژدہ سنایا لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم (اللہ تعالےٰ ضرور بالضرور انہیں زمین کی خلافت عطا فرمائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلافت بخشی وہ ضرور پائیدار اور مستحکم فرمائے گا ان کے دین کو جو اللہ نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے) اور یہ مژدہ اور بشارت خلافتِ راشدہ کے دورِ سعید میں جس طرح پوری ہوئی اسے ہر صاحب علم جانتا ہے اور علی الخصوص سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ اقدس میں جب کہ اسلامی سلطنت لاکھوں مربع میل پر پھیل چکی تھی اور قیصرِ روم اور کسریٰ فارس کے خزانے غازیوں میں بٹ گئے اور ان کے تخت و تاج ان کے قدموں میں پامال اور تاراج ہو گئے۔

یہود نے جب محبوبِ خدا ہونے کا اور جنت کے مالک ہونے کا دعویٰ کیا تو قرآنِ پاک نے جواب میں فرمایا فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ۔ (اگر اس دعویٰ میں سچے ہو تو موت کی آرزو اور تمنا کرو تاکہ تم تنگنائے دنیا اور دارِ تکلیف و محن سے نجات پاؤ اور جنت جیسے راحت افزا اور روح پرور مقام پر پہنچ جاؤ) اور ساتھ ہی اعلان فرما دیا ولن یتمنوہ ابدًا بما قدمت ایدیھم واللّٰہ علیم بالظالمین ۔ (یہ ہرگز جنت کی تمنا و آرزو اپنی بدکاریوں کی وجہ سے نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو اچھی طرح جاننے والا ہے)

خدا شاہد ہے کہ اس اعلان واجب الاذعان کے بعد بھی بغض و عداوت کی آگ میں جلے سڑے یہودی صرف زبان سے بھی موت کی تمنا و آرزو نہ کر سکے اور مرنے پر زبانی بھی رضا مندی ظاہر نہ کر سکے [عہ]

ان پر کتاب اتری تبیانًا لکل شیئ

تفصیل جس میں ماعبر و ماغبر کی ہے

عہ یہ سب غیبی خبریں تھیں جو مستقبل سے تعلق رکھتی تھیں اور اسی طرح بے شمار آیات و روایات میں زمانہ مستقبل سے تعلق رکھنے والی اشیاء اور زمانہ قدیم کے واقعات غیبیہ سے نبی الانبیاء امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی اور جس طرح فرمایا اسی طرح ہوا تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور تعلیم سے غیوب کو جان لینا امر حق ہے اور اس کا انکار قرآن کریم کا انکار ہے اور احادیثِ متواترہ معنے سے انکار ہے قرآنِ کریم میں ہے تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک " یہ امور غیبی خبروں میں سے ہیں جو کہ ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں " عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول اللہ تعالیٰ غیب کا عالم بالذات ہے اور وہ اپنے غیب پر اطلاع اور غلبہ صرف انہی رسولوں کو بخشتا ہے جو کہ اس کے پسندیدہ ہیں وما کان اللّٰہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللّٰہ یجتبی من رسلہ من یشاء " اے یہود اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں کہ وہ تمہیں غیب پر مطلع کرے لیکن وہ تو اس اطلاع اور عطا کے لئے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب فرما لیتا ہے " ولا یحیطون بشیئ من علمہ الا بما شاء " اور نہیں احاطہ کر سکتی کوئی مخلوق بھی اس کے معلومات کا مگر جس کو وہ چاہے " یہ آیات کریمہ ہمارے اس دعویٰ کی روشن دلیل ہیں کہ مخلوق خود بخود غیب نہیں جان سکتی بلکہ خود بخود جاننا اس علم میں مستقل بالذات ہونا اور غیر محتاج ہونا فقط اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے مخلوق کو جو علم بھی حاصل ہوتا ہے وہ اطلاعی و تعلیمی اور عطائی ہے اور بعض کتب میں یہ جو لکھا ہے کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے تو اس سے ذاتی غیب مراد ہے ورنہ قرآن کریم کے خلاف ہوگا کیونکہ عطا کرنا بھی اسی کا خاصہ ہے اور کون ہے جو یہ علوم عطا کرے اور قرآن کریم میں جہاں یہ وارد ہے قل لا یعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الا اللّٰہ (آپ فرما دو نہیں جانتے آسمان و زمین والے غیب کو مگر اللہ تعالیٰ جانتا ہے) تو اس کا معنے بھی واضح ہو گیا کہ خود بخود بغیر تعلیم الٰہی کوئی نہیں جانتا ورنہ اس کی تعلیم و اطلاع سے غیب کو جاننا بے شمار آیات صریحہ صحیحہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے۔ اگر رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم سے علم غیب ذاتی و عطائی ہر دو کی نفی ہو تو آیات میں تعارض لازم آئے گا۔ نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب اور مخلوق کے علم میں قدیم و حادث غیر متناہی و متناہی

قرآنِ کریم میں تین طرح کے مضامین صراحتہً موجود ہیں عقائد، احکام اور اوامر و نواہی اور قصص و امثال۔ قصص و امثال عبرت حاصل کرنے کے لئے ہیں اور ضمناً ان سے بھی احکام علی الوجہ الاوکد ثابت ہیں کیونکہ جب کسی قوم کی بدعملی ذکر کر کے پھر ان کا انجام بیان فرمایا تو اس سے ہر آدمی کو یہ خوف دامنگیر ہوگا کہ اگر میں نے اس برائی کا قصد کیا تو میرا انجام بھی یہی ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نیک عمل اور صالح کردار پر کسی کی احسن جزا کو ذکر فرمایا گیا ہے تو ہر پڑھنے سننے والا اس شوق میں اس عملِ صالح کے درپے ہوگا تاکہ مجھے بھی یہ انعام ملے، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کو پوری تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا۔ اللہ تعالےٰ کی ذات، آخرت اور نبوت و رسالت کے متعلق عقائد کو بڑی جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے جس کا عشرِ عشیر بھی پہلی کتابوں میں موجود نہیں تھا نیز اسرار و رموز، خفیاتِ امور اور علوم غیبیہ پر بھی مشتمل ہے۔ عقائد اور احکام قصص و امثال آیات محکمات میں بیان فرمائے گئے اور اسرار و رموز متشابہات میں، اللہ تعالےٰ نے فرمایا منہ آیات محکمات ھن

ازلی ابدی اور تدریجی کے علاوہ ذاتی اور عطائی کا فرق ہے جیسا کہ ہماری سابقہ تحریر و تقریر سے ظاہر ہے اور کلی و جزئی والا فرق من گھڑت ہے جس پر کوئی دلیل قرآن و حدیث سے پیش نہیں کی جا سکتی نیز اگر جزئی سے مراد جزئی حقیقی ہے تو وہ شخص معین پر اطلاق کی جاتی ہے اور دنیا میں کون ایسا فرد ہے ذوی العقول سے جسے صرف ایک شی کا علم ہو۔ اور اگر جزئی اضافی مراد ہے تو وہ کلی کے منافی نہیں لہٰذا کلی کے مقابل ذکر کرنا کیونکر صحیح ہوگا۔ نیز کلی کے بحسب الافراد سات قسم ہیں ۱۔ خارج میں وجود افراد محال ہو لاموجود، لاشی، ولاممکن۔ ۲۔ وجود افراد ممکن ہو لیکن بالفعل کوئی فرد بھی موجود نہ ہو عنقاء۔ ۳۔ بالفعل صرف ایک فرد موجود ہو اور دوسرا محال ہو جیسے واجب الوجود۔ ۴۔ بالفعل صرف ایک فرد موجود ہو اور دوسرا ممکن ہو جیسے شمس و قمر۔ ۵۔ ایک سے زیادہ افراد موجود ہوں لیکن متناہی و معدود ہوں جیسے کوکب سیار۔ ۶۔ بہت سارے افراد موجود ہوں جو خارج میں محدود ہیں لیکن وہاں سے آگے متجاوز ہو سکتے ہوں یعنی غیر متناہی لاتقفی جیسے انسان۔ ۷۔ غیر متناہی بالفعل ہوں اور کوئی عدد اور حد ان کا احاطہ و تحدید کر سکے جیسے معلومات و مقدورات باری تعالیٰ۔ اب ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کے معلومات پر کلی کا ساتواں قسم صادق آتا ہے اور اس کا علم کلی اس معنے کے لحاظ سے ہے لہٰذا مخلوق میں اگر پانچواں اور چھٹا معنے پایا جائے تو شرک اور مساوات کیسے لازم آئے گی حالانکہ دونوں علم کلی ہوں گے ولعل ھذا مما تفردت بہ منا من المنان ذی الکرم العام والاحسان التام۔

عــہ جب دلائل اور براہین ساطعہ سے ثابت ہوگیا کہ ہر صغیرہ کبیرہ خشک تر اور ماکان و ما یکون کا علم قرآن میں ہے اور وہ ہر شی کی تفصیل و تشریح ہے واضح اور مدلل بیان ہے اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ اسرار و رموز اور مختلف علوم غیبیہ حروف مقطعات اور متشابہ آیات میں موجود ہیں اور یہ بھی دن دوگن سے واضح اور روشن ہے کہ قرآن پاک کے محکمات و متشابہات میں سے کوئی بھی رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے مخفی نہیں لہٰذا ان اسرار و رموز اور امور غیبیہ میں سے کوئی بھی ان پر مخفی نہیں نہ علم قیامت اور نہ علم مافی الغد نہ مافی الارحام اور محل موت کا علم اور نہ ہی بارش برسنے کی مدت اور اس کے قطرات وغیرہ۔ ناظر منصف کے لئے تو ان واضح مقدمات پر دلیل دینے کی ضرورت نہیں لیکن حاسد قدر نبی اور مدعی نقص علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان اظہر من الشمس و ابین من الامس مقدمات میں حیل و حجت سے کام لے لہٰذا عقلی و نقلی دلائل سے مقدمہ ثانیہ کو واضح کر دیا

ام الکتاب و اخر متشابہات (قرآن مجید کی بعض آیات محکم ہیں اور واضح الدلالۃ، وہ کتاب کی اصل ہیں اور بعض متشابہات ہیں) سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فی کل کتاب سر و سر اللہ فی القرآن اوائل السور" ہر کتاب میں اسرار ہوتے ہیں اور قرآن کریم کے اسرار سورتوں کے ابتدائی حروف تہجی اور آیاتِ متشابہات ہیں۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان لکل کتاب صفوۃ وصفوۃ ھذا الکتاب حروف التہجی علامہ بیضاوی فرماتے ہیں قیل انہ سر استاثر اللہ بعلمہ و قد روی عن الخلفاء الاربعۃ ما یقرب منہ۔ امام رازی نے فرمایا ان ھذا علم مستور وسر محجوب استاثر اللہ تبارک وتعالیٰ بہ۔ صاحبِ مدارک نے فرمایا قیل انہا من المتشابہ الذی لا یعلم تاویلہ الا اللہ۔ صاحبِ خازن فرماتے ہیں ان حروف الھجاء فی اوائل السور من المتشابہ الذی استاثر اللہ بہ۔

ہوں اور مقدمۂ اولیٰ پہلے وضاحت کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ و قرانہ ثم ان علینا بیانہ اے میرے محبوب جبریل جب قرآن آپ پر تلاوت کرے تو اس کے ساتھ ساتھ جلدی پڑھنے کی ضرورت نہیں تاکہ آپ کو جلد حفظ ہو جائے کیونکہ اس کتاب کریم کا جمع کرانا، پڑھانا اور اس کی تعلیم دینا، اس کے مطالب و معانی بیان کرنا ہمارے ذمہ کرم پر ہے سنقرئک فلا تنسی الا ما شاء اللہ ہم عنقریب تمہیں پڑھائیں گے پس آپ اسے ہرگز نہیں بھولیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے جس حصہ کے نسخ کا ارادہ فرمایا گا وہ آپ کے لوحِ قلب سے محو ہو جائے گا۔ یعلمہم الکتاب والحکمۃ میرے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم انہیں کتاب و حکمت سکھلاتے ہیں اور جو خود کتاب نہ جانتا ہو وہ دوسروں کو کس طرح سکھا سکتا ہے۔ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم ہم نے آپ پر قرآن کریم کو نازل کیا تاکہ تم لوگوں کو بیان کرو جو ان کے لئے نازل کیا گیا ہے، خود جانیں گے تب ہی تو بیان کریں گے ورنہ کیسے ممکن ہے کہ خود نہ جانیں اور دوسروں کے لئے معلم اور مبین ہوں۔ علامہ شبعی مقطعات کے متعلق فرماتے ہیں ۔ بین المحبین سر لیس یفشیہ ؛ قول ولا قلم للخلق یحکیہ" حروف مقطعات اور آیات متشابہات اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب و مطلوب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اسرار ہیں جن کو مخلوق کے سامنے نہ کوئی زبان ظاہر کر سکتی ہے اور نہ کوئی قلم حکایت کر سکتی ہے"، محقق حنفیہ صاحبِ تفسیراتِ احمدیہ نور الانوار شرح المنار میں فرماتے ہیں فانہا سر بین اللہ و رسولہ لا یعلمہا احد غیرہ اور اس سے ذرا پہلے فرمایا کہ متشابہ کے متعلق یہ کہنا کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ سے خاص ہے اور دوسرا کوئی نہیں جانتا یا امت کے حق میں ہے اور دنیا کے لحاظ سے ورنہ آخرت میں تو انہیں ہر ایک جان لے گا واما فی حق النبی علیہ السلام فکان معلوما والا تبطل فائدۃ التخاطب ویصیر التخاطب بالمہمل کالتکلم بالزنجی مع العربی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب متشابہات معلوم ہیں ورنہ آپ سے خطاب کرنا بے سود ہوگا اور یہ کلام معجز نشان بمنزلہ کلام مہمل کے ہو جائیگی یا جیسے کہ عربی کے ساتھ زنگی کلام میں خطاب کیا جائے اور یہ عقلاً لغو ہے۔ قاضی بیضاوی نے فرمایا لعلہم ارادوا انہا اسرار بین اللہ و رسولہ و رموز لم یقصد بہا افہام غیرہ اذ یبعد الخطاب بما لا یفید جن لوگوں نے حروفِ مقطعات کو اسرار و رموز کہا ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز ہیں اور ان کے علاوہ کسی اور کی تفہیم ان سے مقصود نہ تھی کیونکہ اگر آپ بھی ان کے معانی کو نہ جانتے ہوں تو یہ کلام غیر مفید ہوگی اور مقام

الحاصل حروف مقطعات اور اوائل سور متشابہات سے ہیں اور یہ اسرارِ خداوندی
ہیں۔ کتاب اللہ کا خلاصہ اور مغز و جوہر ہیں اور ان کی حقیقت سے اللہ تعالےٰ ہی واقف
ہے وما یعلم تاویلہ الا اللہ اور خلفاءِ اربعہ سے بھی قریب قریب یہی معانی منقول
ہیں بلکہ جمہور صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین کا یہی مسلک ہے کہ وقف وما یعلم
تاویلہ الا اللہ پر ہے اور والراسخون فی العلم الگ جملہ اور آیت ہے لہٰذا متشابہ
کی تاویل و تفسیر کا علم ذاتِ باری تعالےٰ سے مخصوص ہے اور یہی تعریف متشابہ کی فقہاءِ کرام
اور مفسرین نے کی ہے جیسا کہ علامہ بیضاوی نے آئت متذکرۃ الصدر کے تحت فرمایا
المتشابہ ما استاثر اللہ بعلمہ کوقت قیام الساعۃ ومدۃ بقاء الدنیا و
عدد الزبانیۃ۔ متشابہ وہ امور ہیں جن کا علم اللہ تعالےٰ سے مخصوص ہے مثلاً قیامت کے قائم

خطاب میں ایسی کلام کرنا علے الخصوص باری تعالیٰ کیطرف سے انتہائی بعید ہے۔ امام رازی نے بھی انہی خیالات کا اظہار کرتے ہوتے فرمایا کہ اگر نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم انہیں نہ جانتے ہوں تو عربی کے ساتھ زنگی زبان میں کلام کرنا لازم آئے گا۔ نیز کلام کا مقصد افہام و تفہیم ہوتا ہے تو نہ جاننے کی صورت میں کلام عبث اور بے فائدہ ہو گی۔ اس کے علاوہ اس کلام معجز نشان کے مقابلہ پر بار بار کفار کو تحدی کی گئی ہے اور دعوتِ معارضہ دی گئی ہے اگر اس کا معنی و مفہوم خود نبی امت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم نہیں تو یہ ایک مہمل کلام ہو گی نعوذ باللہ! یہ خود سرمایۂ افتخار نہیں ہو سکتی اس کے مقابلہ پر کسی کو کیونکر بلایا جا سکتا ہے۔ علامہ اسمٰعیل حقی تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں کہ شیخ بن نور الدین نے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے حروف متشابہات کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا ھی من اسرار المحبۃ بینی وبین اللہ یہ میرے اور اللہ تعالےٰ کے درمیان اسرار محبت ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور کٓھٰیٰعٓصٓ پڑھنا شروع کیا تو ہر ہر حرف کے مقابلے علمت علمت فرماتے گئے یعنی میں جان گیا، میں جان گیا۔ تو حضرت جبرئیل نے عرض کیا کیف علمت ما لم اعلم میں نے تو انہیں سمجھا نہیں تھا آپ کیسے جان گئے؟ ؎ میانِ عاشق و معشوق رمزیست ؛ کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست
فلھذا اجاز ان یقال لم یعرف احد من الثقلین والملائکۃ ما عرفہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی
جن انسان اور فرشتہ کو علم و معرفت حاصل نہیں جو حبیب کبریا کو حاصل ہے شب معراج سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کا مقام سدرۃ المنتہےٰ اور عرش علی سے متجاوز ہونا بیان کر کے فرمایا انسانوں، جنوں اور فرشتوں کے علوم آپ کے علم کے مقابلہ میں یوں ہیں جیسے سمندر کے مقابلہ میں قطرہ اور آنحضور کو حروف کی حقیقت کا اتنا علم حاصل ہے جس سے زیادہ طاقتِ بشریہ کے امکان میں نہیں عبارت علوم الکل بالنسبۃ الی علمہ کقطرۃ من البحر فلہ علیہ السلام علم بالحروف بما لا مزید علیہ فی حد البشر سے نیچے۔ اد نیٰ کے چھپکے دلی کے باغ میں ؛ جبل سدرۃ تک ان کی بو سے بھی محروم نہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں ثم ان علینا بیانہ کے تحت فرماتے ہیں ای بیان محکمہ ومتشابھہ واجب ضرورۃ لا یجوز ان یکون شئی منھا غیر مبین لہ الی ان قال والحق ما حققنا فی اوائل سورۃ البقرۃ ان المتشابھات ھو اسرار بین اللہ و رسولہ۔ امام بزدوی نے فرمایا قولہ تعالیٰ یدل علی ان بیان المجمل واجب علی اللہ بالوعد تفسیر مجمل ای بیان ما اشکل علیک من معانیہ۔ تینوں عبارتوں کا ماحصل یہ ہے کہ قرآن کریم

ہونے کا وقت ۔ دنیا باقی کب تک رہیگی اور دوزخ کے فرشتوں کی گنتی اور شمار، غرضیکہ مفاتیح غیب اور مغیباتِ خمسہ یعنی علمِ قیامت ۔ علمِ مافی الغد (کل کیا ہوگا) علم مافی الارحام (مؤنث کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ) محلِ موت کا علم ۔ بارش کب ہوگی اور کتنی ہوگی ۔ یہ سب علوم ان حروفِ مقطعات اور آیات متشابہات میں موجود ہیں اور یہ اسرار ان استار میں مستور ہیں اور قرآنِ کریم کی آیات میں تبیانا لکل شیئ ۔ تفصیلا لکل شیئ ۔ تبیانا لکل شیئ کے عمومات حتمی اور قطعی طور پر اس دعویٰ کے لئے مثبت ہیں اور قرآنِ کریم کے سب علوم کو شامل اور جامع ہونے پر نصوصِ صریحہ ہیں لہٰذا ماکان ومایکون الیٰ یوم القیامۃ کا کوئی فرد ایسا نہیں ہوگا جو قرآنِ کریم میں بیان نہ کیا گیا ہو اسی لئے ماہرینِ قرآن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض (عبداللہ بن مسعود) نے فرمایا لوضاع لی عقال بعیر لوجدتہ فی کتاب اللہ (اتقان ج۲) اگر میرے اونٹ کی رسی گم ہوجائے تو میں کتاب اللہ میں سے اس کا پتہ پاسکتا ہوں "

الحاصل جب کلامِ پاک اتنے فضائل وکمالات، علوم ومعارف اور اسرار ورموز اور نظم فصیح وبلیغ پر مشتمل ہے تو وہ خیر کثیر ہے اور کیوں نہ ہو نظم وعبارت محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر شاہدِ صادق ہے اور مضامین ومطالب امتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم

کے محکمات ومتشابہات اور مشکلات ومجملات کا بیان اپنے وعدہ کرم کے لحاظ سے اللہ تعالےٰ پر واجب ولازم ہے اور ان میں سے کوئی شئے بھی آپ پر مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتی ۔ محقق حنفیہ امام ابن الہمام تحریر میں اور ان کے شاگرد ابن امیر الحاج تقریر شرح تحریر میں فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم متشابہات کو جانتے ہیں اور وما یعلم تاویلہ الا اللہ میں حصر اضافی ہے اور آپ کے ماسوا کے لحاظ سے ہے کیونکہ آپ کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا علمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما ۔ قاضی ثناء اللہ نے فرمایا کہ یہاں حصر اضافی ہے جس طرح کہ قل لا یعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الا اللہ میں حصر اضافی ہے اور مقصد یہ ہے کہ عوام کو ان کا علم نہیں دیا گیا لیکن رسول مکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور کامل متبعین کو تو ان کا علم لدنی حاصل ہے ۔ علامہ محمود آلوسی رئیس المفسرین اپنی بے نظیر تفسیر میں فرماتے ہیں ولا یعرفہا بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم الا الاولیاء الورثۃ وھم انما یعرفونہ من تلک الحضرۃ وقد تنطق لھم الحروف کما کانت تنطق لمن سبح بکفہ الحصی وکلمہ الضب والظبی کما صح ذلک عن اجدادنا رضی اللہ عنہم نبی رحمت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ان متشابہات کو وہ اولیاء کرام جانتے ہیں جو وارث علوم مصطفٰے ہیں اور فنا فی الرسول کے درجہ پر فائز ہیں اور تحقیق یہ حروف ان کے ساتھ کلام کرتے ہیں جس طرح کہ اس ذات والا صفات کے ساتھ کلام کرتے تھے جن کے کف اقدس میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی اور جن سے سوسمار اور ہرن نے کلام کی جس طرح کہ ہمارے اجداد سے صحیح روایت کے ساتھ ثابت ہے ۔ اس تحقیق سے واضح ہوا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم متشابہات کو جانتے ہیں اور ان میں علوم مخصوصہ مثل علم قیامت اور مدۃ بقاء دنیا وغیرہ ہیں لہٰذا ان سب کو محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں اور وما یعلم تاویلہ الا اللہ میں حصر اضافی ہے حقیقی نہیں ۔ اس میں آپ کے علم کی نفی نہیں بلکہ ماسوا کی بلکہ اولیاء کاملین کے بھی ماسوا کی لہٰذا علم قیامت اور علم غیب کے متعلق جتنے بھی حصر ہیں لا یعلم من فی السمٰوات والارض

کے لئے رشد و ہدایت ہے ایک ہی وقت میں دلیلِ نبوت کی بھی واقفیت اور احکامِ شریعت کی بھی معرفت اور باایں ہمہ اختصار و ایجاز اتنا کہ اہلِ سنت کے کم عمر اور نوخیز بچے دو دو اڑھائی اڑھائی سال میں حفظ کر سکتے ہیں جبکہ پہلی کتابوں کا حفظ کرنا انبیاء کرام کا معجزہ ہوا کرتا تھا اور کسی امتی کو یہ طاقت نہیں ہوتی تھی کہ اسے حفظ کر سکے اسی لئے فرمایا انا اعطینٰک الکوثر ہم نے تمہیں صرف ایک کتاب ہی عطا نہیں فرمائی بلکہ خیرِ کثیر عطا فرمایا ہے۔

السابع : الکوثر (دینِ اسلام)

اس معنیٰ کی بناء پر انا اعطیناک الکوثر کا یہ مطلب ہوگا بے شک ہم نے آپ کو دینِ اسلام عطا فرمایا۔ اسلام ہی وہ دین ہے جو سب ادیان سے مکمل و اکمل ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینًا اللہ تعالٰی نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ آیتِ کریمہ نازل فرما کر تکمیلِ دین کی بشارت دی اور فرمایا کہ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل فرمایا اور تم پر اپنی نعمت کو کامل و مکمل فرمایا اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند فرمایا" اسلام ہی راہِ راست ہے اور اسی پر چلنے سے نجات ہے ان الدین عند اللہ الاسلام "تحقیق دین حق تعالٰی کے نزدیک اسلام ہی ہے" ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ" جو بھی اسلام کے علاوہ کسی اور ملت اور مذہب کو اختیار کرے گا اللہ تعالٰی اسے ہرگز قبول نہیں فرمائیگا" اس ہدایت کی وضاحت کے بعد رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والا دوزخ کا ایندھن ہوگا۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدٰی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ

الغیب الا اللہ۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ ۔ قل انما علمها عند ربی یہ سب حصر اضافی ہیں اور ان میں نبی کریم کے علم کی نفی نہیں بلکہ آپ کے توسل و توسط سے اولیاء کاملین کے علوم کی بھی نفی نہیں۔ فنافی الرسول ہونے کی بدولت انہیں بھی یہ علوم نصیب ہو جاتے ہیں۔ وھذا من افادات استاذ العلماء الاعلام البحر الطمطام والحبر القمقام الحاج علامۃ الزمان رئیس فن التدریس شمس فلک التحقیق والتدقیق مولانا **عطا محمد** دامت برکاتھم النزیل بندیال شریف۔

مع کبیر۔ قرطبی۔ جمل۔ مغیرہ

ما تولّٰی ونصلہ جہنم وساءت مصیرًا۔ ہر انسان خسارہ میں ہے اور سرمایۂ عمر کو برباد کرنے والا ہے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اپنے دلوں کو نورِ تصدیق وایمان سے منور کر لیا اور اپنے ظاہر و باطن کو اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ سے مزین کر لیا۔ ان الانسان لفی خسر الا الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات جس نے بھی اللہ تعالےٰ کے احکام اور اس کے محبوب ومطلوب صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی خلاف ورزی کی وہ گمراہ ہوا اور ضلالت و غوایت کے گڑھے میں جاگرا من یعص اللہ ورسولہ فقد غویٰ۔

ان آیاتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ کے ہاں سب ادیان و مذاہب اور شرائع و ملل میں سے پسندیدہ مذہب صرف اسلام ہے اس کا خلاف اللہ تعالےٰ کے ہاں نامقبول مردود ہے۔ اس مذہب کو اپنانے سے ہی دنیا و آخرت کی بہتریاں اور بھلائیاں حاصل ہو سکتی ہیں اور اس سے اعراض و روگردانی دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی اور خیبت و خسران کا موجب ہے لہٰذا فرمایا کہ اسلام فقط ایک مسلک اور مذہب نہیں بلکہ خیر کثیر اور کوثر ہے اور ہم نے آپ کو یہ خیر کثیر عطا فرمایا ہے انا اعطینٰک الکوثر۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علیٰ خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان متفق علیہ۔

" اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ ۱۔ اللہ تعالےٰ کے وحدہ لاشریک لہ ہونے اور محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے رسولِ خدا ہونے کی گواہی دینا۔ ۲۔ نماز ادا کرنا۔ ۳۔ زکوٰۃ دینا اور مال میں فرض حصے ادا کرنا۔ ۴۔ بیت اللہ شریف کی حج کرنا۔ ۵۔ رمضان شریف کے روزے رکھنا۔

بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت سے ثابت ہوا کہ قصرِ اسلام کی بنیاد ان پانچ امور پر ہے اور جس شخص میں یہ پانچ موجود نہ ہوں تو وہاں اسلام کی بنیاد ہی موجود نہیں باقی

محل کس طرح تعمیر ہوگا؟ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام صرف ان عبادات کا نام نہیں بلکہ وہ ایک ایسا دستور العمل ہے جو زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق اصول و قوانین پر مشتمل ہے۔ یہ پانچ امور تو قصرِ اسلام کی بنیاد و اساس ہیں۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الایمان بضع وسبعون شعبۃ فافضلھا قول لا الٰہ الا اللہ وادناھا اماطۃ الاذیٰ عن الطریق والحیاء شعبۃ من الایمان متفق علیہ۔

"خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء نے فرمایا کہ ایمان و اسلام کے ستر سے بھی زیادہ شعبے ہیں ان میں سب سے افضل توحید کی گواہی ہے اور سب سے آخری درجہ راستہ سے ایسی چیزوں کو دور کرنا ہے جو راہگیروں کو رنج اور تکلیف پہنچائیں اور شرم و حیا ایمان کے شعبوں میں سے ایک عظیم شعبہ ہے۔"

حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ والمؤمن من امنہ الناس علی دماءھم واموالھم والمجاھد من جاھد نفسہ فی طاعۃ اللہ والمھاجر من ھجر الخطایا والذنوب (مشکوٰۃ)

کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہیں اور کامل مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنے اموال اور خون میں مامون اور پر امن ہوں، کامل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی تابعداری اور طاعت میں جہاد کرے اور کامل مہاجر وہ ہے جو اپنی خواہشاتِ نفسانیہ گناہوں اور خطاکاریوں کو ترک کر دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولا دین لمن لا عھد لہ رواہ البیہقی

"جو امین نہیں اور وصف امانت داری سے عاری ہے وہ ایماندار نہیں اور جو عہد و پیمان کو پورا نہیں کرتا وہ دین دار نہیں"

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے سید انس و جان صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ افضل اعلیٰ درجہ ایمان کا کیا ہے تو آپ نے فرمایا ان تحب للہ و تبغض للہ و تعمل لسانك فی ذکر اللہ قال ثم ماذا یا رسول اللہ قال ان تحب للناس ما تحب لنفسك و تکرہ لهم ما تکرہ لنفسك رواہ احمد "کسی سے محبت کرے تو محض اللہ کے لئے اور اپنی زبان کو ذکر الٰہی میں مشغول و مصروف رکھے" حضرت معاذ نے عرض کیا اس کے بعد اور کیا ہے تو فرمایا کہ افضل درجہ ایمان کا یہ ہے کہ لوگوں کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور لوگوں کے لئے وہی چیز ناپسند کرے جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہے"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واللہ لا یؤمن واللہ لا یؤمن واللہ لا یؤمن قیل من قال الذی لا یامن جارہ بوائقہ متفق علیہ "بخدا مومن نہیں، بخدا مومن نہیں، بخدا مومن نہیں۔ عرض کیا گیا کون؟ فرمایا جس کے پڑوسی اس کی برائیوں سے محفوظ نہ ہوں"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ میں نے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو فرماتے ہوئے سنا لیس المومن بالذی تشبع وجارہ جائع الی جنبہ "وہ آدمی کامل مومن نہیں جس نے خود پیٹ بھر کر کھایا اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا بیٹھا ہو"

عن تمیم الداری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الدین النصیحۃ ثلثا قلنا لمن قال للہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم رواہ مسلم۔ "حضرت تمیم داری فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا الدین النصیحۃ (دین نام ہے خلوص، ہمدردی اور ارادہ خیر کا) ہم نے عرض کیا کس کے لئے خلوص کو دین فرمایا گیا ہے تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے لئے، اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول کے لئے، مسلمانوں کے حکام اور ان کے عوام کے لئے خلوص دین ہے اور اگر ان کے ساتھ خلوص قلب نہیں ہے تو دین نہیں ہے۔

اس حدیث پاک نے اپنی جامعیت کے لحاظ سے دینِ اسلام کے تمام شعبوں کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے اور دین کی تمام تر تفصیلات کو اگر اختصار کے ساتھ بیان کرنا ہو تو محبوبِ خدا کے کلمات جوامع میں سے صرف ایک کلمہ الدین النصیحۃ اس کے لئے کافی ہے۔ اس میں حقوق اللہ، حقوق الرسول، حقوق العباد، حقوق الکتاب اور حقوق الحکام سب آ گئے، اعمال و ایمان بھی اس میں موجود، رسول اور امت کا تعلق، اللہ تعالےٰ کی نازل کردہ کتاب اور مسلمانوں کا تعلق، حاکم اور محکوم کا تعلق، عوام مسلمانوں کے ساتھ تعلق بھی اسی ایک جملہ میں مذکور ہے اور ایمان و اسلام کے ستر سے زیادہ شعبے اسی ایک مقدس جملہ میں مذکور ہیں۔

الغرض اسلام نے دنیا و آخرت کی سعادات اور ان کے اسباب کو واضح فرمایا انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں کو احسن طریقہ پر بیان فرمایا، تہذیبِ اخلاق، سیاستِ مدنیہ اور آدابِ حکومت کو روشن فرمایا۔ حاکم و محکوم، مالک و مملوک، خادم و مخدوم، والد و مولود، مربی و مربوب کے حقوق کا تعین فرمایا، لین دین اور خرید و فروخت کے جائز و ناجائز طرق کو واضح فرمایا، غیر مسلم اقلیتوں کے تحفظ اور ان کی آزادی کے حدود، معاشرہ کی تباہی و بربادی کا سدِ باب اور اس جرم کے مرتکبین کی سزاؤں کو بیان فرمایا، تربیتِ جسم اور تزکیۂ نفس و روح کا درس دیا۔ الغرض زندگی کے ہر پہلو پر اسلام نے روشنی ڈالی اور کفر و شرک، ظلم و ستم کو دنیا سے رخصت کیا اور اسے نورِ ایمان و معرفت اور ضیاءِ عدل و انصاف سے منور فرمایا، اعمالِ صالحہ، طاعاتِ الٰہیہ سے اسے سرسبز و شاداب فرمایا، جب تک اسلام رہے گا دنیا رہے گی، جب یہ ختم ہو جائے گا دنیا بھی ختم ہو جائے گی۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تقوم الساعۃ الا علی شرار الخلق وفی روایۃ لا تقوم الساعۃ علی احد یقول اللہ اللہ (مشکوٰۃ)

"قیامت بدکردار، فساق اور بدمعاش لوگوں پر قائم ہوگی، دوسری روایت میں ہے کہ قیامت کسی ایسے فرد پر قائم نہیں ہوگی جو اللہ اللہ کرنے والا ہوگا یعنی مسلمان اور ایماندار ہوگا۔"

چونکہ دنیا اور اہلِ دنیا کی آبادی بھی اسلام سے ہے اور اخروی ساری نعمتیں بھی اس کی بدولت ہیں لہٰذا اسلام محض ایک دین ہی نہیں بلکہ خیرِ کثیر ہے اسی لئے فرمایا

انا اعطینٰک الکوثر۔

سوال : اللہ تعالےٰ نے بیشمار لوگوں کو دولتِ اسلام اور نورِ ایمان سے سرفراز فرمایا لہٰذا یہ مشترک انعام ہے اس میں رسولِ اکرم سید عرب و عجم صلے اللہ علیہ وسلم کی کیا تخصیص ہے لہٰذا صرف آپ کو خطاب کرتے ہوئے انا اعطینٰک الکوثر کیوں فرمایا ؟

جواب ۔ اگرچہ اسلام کے فوائد و منافع اور فیوض و برکات سے ہر ایک متمتع ہوا لیکن رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے ہی ہوا ہے لہٰذا دراصل یہ انہی کا مذہب و مسلک ہے اور انہی کے لئے یہ عطیہ ہے اور باقی سب انہی سے مستفید و مستفیض لہٰذا فرمایا انا اعطینٰک الکوثر۔

سوال: ہر دین و مذہب لوگوں کی بھلائی کے لئے تھا اور انبیاء کرام اس کی تبلیغ کے لئے تشریف لاتے رہے لیکن وہ کوثر نہ کہلائے اور صرف یہی دینِ اسلام ہی کوثر کہلایا اس کی کیا وجہ ہے ؟

جواب : دینِ اسلام ادیانِ سابقہ کی خوبیوں اور اچھائیوں کو جامع ہے اور جو امور نامکمل رہ گئے تھے ان کی تکمیل کرنیوالا ہے اسی لئے رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعثت لا تمم مکارم الاخلاق (میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں تاکہ اخلاقِ کریمہ اور محاسنِ اعمال کی تکمیل و تتمیم کر دوں) اسی لئے دینِ اسلام نے پہلے سب ادیان کو منسوخ کر دیا نیز پہلے ادیان اور مذاہب خاص اقوام اور قبائل کے لئے تھے ان میں ہمہ گیری نہیں تھی اور دینِ اسلام کی دعوت عام ہے یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا " اے لوگو ! میں تم سب کیطرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں " وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیطرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا " لیکون للعالمین نذیرا " تاکہ میرا محبوب سب جہان والوں کے لئے نذیر ہو " فخرِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارسلت الی الخلق کافۃ " میں سب مخلوق کیطرف بھیجا گیا ہوں " نیز اسلام کے اصول اور احکام دائم و باقی ہیں اور یہ شریعت متغیر و متبدل نہیں ہو سکتی اور یہ قواعد و قوانین قیامت تک پیدا ہونے والے لوگوں اور ان کے جملہ احوال کو محیط

ہیں اور ہر ایک کا تفصیلی حکم اس شریعت میں موجود ہے لہٰذا مذہبِ اسلام ہی کو ثر اور خیرِ کثیر ہے۔

تنبیہ

جب دینِ اسلام مکمل اور اکمل دین ہمارے پاس موجود ہے اور دنیا و آخرت کی بھلائیوں پر مشتمل ہے۔ عبادات و اعتقادات، سیاسیات و معاملات کی تمام تفاصیل اس میں موجود ہیں تو اس کی موجودگی میں کسی اور دین و مذہب اور نظریۂ حیات کیطرف رغبت کسی مسلمان کو زیبا نہیں۔ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوکان موسٰی حیا لما وسعہ الا اتباعی " اگر موسٰے علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا"۔ گویا مذہبِ اسلام کی موجودگی میں دوسرا آسمانی مذہب بھی قابلِ قبول نہیں اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کسی اور پیغمبر کی اتباع جائز نہیں تو کسی دوسرے عام انسان کی اتباع اور اس کے نظریاتِ باطلہ کو اپنانا کس طرح جائز ہوگا؟

حضرتِ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو توراۃ کے عالم تھے اور مذہبِ یہودیت پر کاربند اور پھر دینِ اسلام میں داخل ہو گئے، اللہ تعالےٰ نے ان کیلئے بہت بڑے اجر و انعام کا اعلان فرمایا، لیکن انہوں نے احکامِ اسلام میں سے ایک حکم کی نظریاتی طور پر مخالفت کی اور احتیاط سے کام لیتے ہوئے کہا کہ اونٹ کا گوشت دینِ موسٰے علیہ السلام میں حرام ہے اور دینِ محمدِ مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم میں مباح و حلال ہے نہ فرض و واجب لہٰذا میں اسے نہیں کھاؤں گا تاکہ دینِ یہود کے لحاظ سے حرام کام نہ کر بیٹھوں تو اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا یا ایھا الذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین ۰
" اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو بیشک وہ تمہارے لئے کھلا دشمن ہے"۔

وہ صحابی بھی ہیں ان کا مرتبہ سب امت سے افضل ہے جن کے متعلق حضور

اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تمس النار مسلما رآنی او رای من رآنی "جس مسلمان نے میری زیارت کرلی یا میرے صحابی کی زیارت کرلی وہ دوزخ کی آگ میں نہیں جلیگا" اور فرمایا کہ اگر تم احد پہاڑ جتنا سونا راہِ خدا میں خرچ کرو تو وہ ان کے ایک سیر جَو بلکہ ان کے نصف تک بھی نہیں پہنچے گا جو انہوں نے راہِ خدا میں خرچ کیا وغیرہ وغیرہ لیکن محض ایک حکم میں کوتاہی کی ہے اور نظریہ واعتقاد میں لچک پیدا کر دی ہے، دینِ اسلام کے ساتھ دینِ یہود کو ملانے کی کوشش کی ہے حالانکہ کئی مسلمان ساری زندگی اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے اور نہ انہیں کھانے کا موقع ملتا ہے نہ وہ گوشت کھانا فرض ہے اور نہ واجب، محض مباح و حلال کے درجہ میں ہے، اس کو احتیاطاً اپنے اوپر حرام کر لینے سے اس جلیل القدر صحابی کو حکم دیا جاتا ہے کہ پورے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو، جب تک اسلام کے ہر حلال کو حلال نہ سمجھو گے اور اسلام کے ہر حرام کو حرام نہیں سمجھو گے اتنے وقت تک تمہارا اسلام مکمل نہیں ہے اور عقیدۂ اسلام کے برعکس یہود کے اعتقادیات پر عمل، اتباعِ شیطان ہے اور شیطان کی اتباع سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو وہ تمہارے لئے کھلا دشمن ہے۔

الثامن
الکوثر (رفعتِ ذکر)

اس وقت آیتِ کریمہ کا معنٰے یہ ہوگا اے محبوب کریم ہم نے آپ کو بلندیٔ ذکر عطا کی اور آپ کے ذکر کو عام کیا، دنیا و آخرت میں، زمین و آسمان میں، عالمِ علوی و سفلی میں، تمام انبیاء و رسل کی زبانوں پر، تمام امتوں اور آسمانی کتابوں میں تمہارے ذکر کو عام کیا، فرشتے تمہاری یاد میں مصروف، انسان و جن تمہارے لئے دعا گو، شجر و حجر، بحر و بر تمہاری مدح و ثنا میں مشغول، تمام جاندار حیوانات و بہائم تمہارے ذکر میں رطب اللسان، تمام عالم میں کوئی ایسا مقام نہیں جہاں آپ کی

یاد نہ ہو بلکہ لامکان میں بھی آپ ہی کے تذکرے ہیں ؎

ورفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر

بول بالا ہے تیرا ذکر ہے اونچا تیرا

ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ وہ کونسی کتاب ہے جس میں محبوب کے اوصاف و کمالات اور ان کے حسن وجمال کا بیان نہیں الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل" جو لوگ اتباع کرتے ہیں اس رسول کی جو امی ہیں اور جن کا تذکرہ وہ اپنی کتابوں توراۃ و انجیل میں پاتے ہیں۔" وہ کونسا رسول ہے جس نے اپنی امت کو ان کے آنے کی بشارت نہیں دی۔ اور ان سے ان کی اتباع کا عہد نہ لیا ہو۔ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد عیسٰے علیہ السلام نے کہا" میں بشارت دینے والا ہوں اس رسولِ کریم کی جو میرے بعد تشریف لائیں گے جن کا نام احمد ہے۔" وہ کونسی امت ہے جس نے ان کے نام کا وسیلہ بارگاہِ الٰہی میں پیش نہیں کیا۔ وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا" اہلِ کتاب ان کی آمد سے پہلے ان کے وسیلہ سے کفار پر فتح طلب کیا کرتے تھے اور انہیں فتح نصیب ہوتی تھی۔" وہ کونسی امت ہے جو ان سے متعارف نہیں اور ان کی علامات و آیات کو نہیں جانتی۔ یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم" اہلِ کتاب میرے محبوب کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔" دنیائے یہود و نصارٰے کا وہ کونسا گروہ ہے جو ان کی انتظار میں نہیں اسی لئے فرمایا یا اھل الکتب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتاب ویعفوعن کثیر۔" اے اہلِ کتاب ہمارے رسول تشریف لے آئے جو تمہارے سامنے تمہاری کتابوں کے بہت سے حصے بیان فرماتے ہیں جن کو تم چھپاتے تھے اور لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرتے تھے اور بہت سے درگذر فرماتے ہیں۔

کائناتِ عالم میں ہر مقام پر حبیب کو الگ نام اور الگ صفت سے یاد کیا جاتا ہے

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہلِ جنت کے نزدیک آپ کا نام عبدالکریم ہے، اہلِ نار کے نزدیک عبدالجبار، اہلِ عرش کے نزدیک عبدالحمید، ملائکہ کے نزدیک عبدالمجید، انبیاء کے نزدیک عبدالوہاب، شیاطین کے نزدیک عبدالقہار، اللہ تعالےٰ کے ہاں عبدالرحیم، پہاڑوں میں عبدالخالق، جنگلات اور خشکی میں عبدالقادر، سمندر میں عبدالمہیمن، مچھلیوں کے نزدیک عبدالقدوس، کیڑے پتنگوں کے نزدیک عبدالغیاث، وحشی جانوروں کے نزدیک عبدالرزاق، درندوں کے نزدیک عبدالسلام، چارپائیوں کے ہاں عبدالمومن، پرندوں کی زبان پر عبدالغفار، تورات میں موذ موذ، انجیل میں طاب طاب، صحفِ انبیاء کرام میں عاقب (آخری نبی) زبور شریف میں فارق، اللہ تعالےٰ کے ہاں طٰہٰ ویٰس اور مومنین کے نزدیک **محمد** صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔

الغرض سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی و اسمِ گرامی ہر مخلوق کی زبان پر ہے، ہر مقام و مکان میں مختلف صفات سے مشہور و معروف اور ہر مخلوق ان کے ذکر اور یاد میں مصروف ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں ؎

عرش پہ تازہ چھیڑ چھاڑ فرش پہ طرفہ دھوم دھام
کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے

سرورِ کائنات فخرِ موجودات علیہ الصلوات والتسلیمات کے نامِ نامی اور اسمِ گرامی کا پایۂ عرش پر مکتوب ہونا اور حضرتِ آدم علیہ السلام کا اس اسمِ پاک کے توسل سے بارگاہِ الٰہی میں دعاءِ مغفرت کرنا ہر ایک کو معلوم ہے، جنت کے ہر درخت اور درختوں کے ہر پتا پر، جنتی برتنوں میں سے ہر برتن پر انکی مہرِ سیادت و رسالت کا ثبت ہونا مشہور و معروف ہے۔ شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج جس آسمان میں لا الٰہ الا اللہ لکھا ہوا دیکھا تو ساتھ ہی محمد رسول اللہ لکھا ہوا پایا بلکہ "ابوبکر الصدیق" بھی مرقوم و منقوش دیکھا، اسیطرح

کائناتِ سفلی میں بھی اس سیدِ کریم علیہ السلام کا ذکرِ پاک ہر اس مقام پر موجود ہے جہاں اللہ رب العزت کا ذکر ہے، جہاں قلمِ قدرت نے زمین کی کسی چیز پر اپنا نام لکھا ہے ساتھ ہی اپنے محبوب کا نام لکھا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں بروایت زہری تحریر فرمایا ہے کہ ایک قدیم پتھر پر عبرانی زبان میں باسمک اللھم جاء الحق من ربک بلسان عربی مبین لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ خراسان میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کے پہلو پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا، ہندوستان کے بعض علاقوں میں ایک ایسا پھول پیدا ہوتا ہے جس پر سفید خط سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوتا ہے۔

علامہ ابنِ مرزوق نے عبداللہ بن صوحان سے نقل کیا ہے کہ ہم بحرِ ہند میں کشتی پر سفر کر رہے تھے، تیز ہوا کے جھونکوں نے ہماری کشتی کو آگے نہ جانے دیا ناچار لنگر انداز ہو گئے۔ جزیرے کے کنارے پر اترے تو دیکھا کہ ایک سرخ رنگ کا انتہائی خوشبودار پھول ہے جس پر سفید خط سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ دوسرا پھول سفید ہے جس پر زرد رنگ کے خط سے براءۃ من الرحمٰن الرحیم الی جنّٰت النعیم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تحریر کیا ہوا تھا۔

ابو عبداللہ بن مالک فرماتے ہیں کہ میں ہندوستان کے ایک قصبہ میں جسے "متنبیہ" کہا جاتا ہے داخل ہوا۔ وہاں ایک بہت بڑا درخت دیکھا جس پر بادام کی مانند پھل تھا جب چھلکا اتارا جاتا تو درمیان سے ایک سبز ورق نمودار ہوتا جس پر سرخ رنگ کے خط سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہوتا اور وہ لوگ اس درخت سے تبرک حاصل کرتے تھے، بارش کی دعا کرتے اور قحط سالی سے محفوظ رہتے۔

یعقوب صیاد سے منقول ہے کہ میں نے دریائے ابلہ پر شکار کھیلا تو دیکھا کہ جال میں ایک مچھلی آئی جس کے دائیں پہلو پر لا الٰہ الا اللہ منقوش تھا اور بائیں پہلو پر

محمد رسول اللہ مرقوم تھا۔ بعض علاقوں میں ایک چوڑے پتوں والا درخت دیکھا گیا ہے جس کے پتوں پر قلمِ قدرت سے پیدائشی طور پر تین سطریں بنی ہوئی تھیں۔ پہلی میں لا الٰہ الا اللہ، دوسری میں محمد رسول اللہ اور تیسری میں ان الدین عند اللہ الاسلام مکتوب ہوتا تھا۔

خلاصہ یہ کہ جہاں بھی مالکِ ملک اور خالقِ کائنات کا نامِ نامی موجود ہے اس حبیبِ کریم سیدِ کائنات کا اسمِ گرامی بھی موجود ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرتِ جبریل علیہ السلام نے بارگاہِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم نے آپ کا ذکر اس طرح بلند کیا ہے کہ جب بھی میرا نام لیا جائے گا ساتھ ہی تیرا نام لیا جائیگا اذا ذکرتَ ذکرتَ معی (شفا شریف)

جب اللہ تعالےٰ نے اپنی توحید بیان فرمائی لا الٰہ الا اللہ تو ساتھ ہی اپنے محبوب کی رسالت کا ذکر فرمایا محمد رسول اللہ، مقامِ اطاعت میں ان کا نام اپنے نام کیساتھ ذکر کیا فرمایا ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگا وہ عظیم کامیابی سے سرفراز ہوگا۔ جہاں اپنی اطاعت کا حکم دیا ساتھ ہی رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول بلکہ فرمایا میرے رسول کی اطاعت میری اطاعت ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ، جہاں اپنی نافرمانی کے انجام کا ذکر فرمایا ساتھ ہی سید الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا انجام بھی واضح فرمایا من یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا "جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ واضح اور ظاہر گمراہی میں مبتلا ہوا" مقامِ انعام میں فرمایا اذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ "جب آپ فرماتے تھے اس شخص سے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا اور آپ نے انعام فرمایا"، مقامِ عطا میں فرمایا ولو انھم رضوا ما اتاھم اللہ ورسولہ "کاش کہ وہ پسند کرتے اس چیز کو جو انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے

رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی "، غنا اور دولتمندی سے سرفرازی ہے۔ موقع پر ارشاد فرمایا ان اغناھم اللہ ورسولہ من فضلہ "غنی کیا انہیں اللہ تعالٰے نے اور اس کے محبوب نے اپنے فضل سے "۔ طلب رضا و تسلیم قضا کا درس دیتے ہوئے فرمایا و اللہ ورسولہ احق ان یرضوہ" اللہ تعالٰے اور اس کا رسول اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ انہیں راضی کیا جائے "، مقامِ بعیت میں فرمایا ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم" بے شک وہ لوگ جو تمہاری بعیت کرتے ہیں وہ صرف اللہ تعالٰے سے بعیت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے" کفار کو کنکریاں مارنے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی" اور نہیں مارا آپ نے جبکہ مارا آپ نے کفار کو لیکن اللہ تعالٰے نے مارا "

آذان میں اشھدان لا الہ الا اللہ ہے تو ساتھ ہی اشھدان محمد رسول اللہ بھی موجود ہے۔ حضرتِ حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے

ضم الالہ اسم النبی الی اسمہ

اذ قال فی الخمس المؤذن اشھد

"اللہ تعالٰے اپنے نبی کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا دیا ہے کیونکہ مؤذن پانچوں وقت کی اذان میں اشھدان لا الہ الا اللہ بھی کہتا ہے اور اشھد ان محمدا رسول اللہ بھی کہتا ہے "

نماز جو کہ اللہ تعالٰے کی خالص عبادت ہے اس کے تشہد میں التحیات للہ والصلوات والطیبات کے ساتھ ہی السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہے حالانکہ نماز میں کسی کے سلام کا جواب دینا یا سلام کہنا زبان سے ہو یا اشارہ سے، وہ نماز کے لئے مفسد ہے لیکن جب تک محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثنا پر درود و سلام نہ بھیجا جائے تو نماز مکمل نہ ہو گی بلکہ واجب الاعادہ ہو گی کیونکہ تشہدِ آخری عبدہ ورسولہ تک پڑھنا واجب ہے اور ترک واجب سے نماز نامکمل واجب الاعادہ ہوتی ہے تو ثابت ہوا کہ جہاں بھی اللہ کریم کا ذکرِ پاک ہے اس کے حبیبِ پاک کا ذکر بھی ہے

حتیٰ کہ نماز جیسی خالص عبادت بھی اس عظیم و جلیل رسولِ کریم کے ذکر سے خالی نہیں بلکہ صرف ذکر پر اکتفاء نہیں کیا گیا ان کی ذاتِ والا صفات کو خطاب کرنا اور ان پر سلام بھیجنا لازم کیا گیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ:

در کلامِ بعضے عرفاء واقع شدہ کہ خطاب از مصلے بملاحظہ شہود روح مقدس آنحضرت و سریانِ روحِ وے در زراری موجودات خصوصا در ارواحِ مصلین است و بالجملہ دریں حالت از شہود و وجود و حضورِ آنحضرت غافل و ذاہل نباید بود بامیدِ ورودِ فیوض از روحِ پرفتوح وے صلے اللہ علیہ وسلم۔

"بعض عارفین کی کلام میں مذکور ہے کہ نمازی "السلام علیک" میں خطاب کرتے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روحِ مقدس کے شہود و حضور اور ہر ذرۂ موجودات میں علی الخصوص نمازیوں کے ارواح میں ان کے سریان و نفوذ کا لحاظ رکھے مختصر یہ کہ اس حالتِ خطاب اور تشہد میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود و حضور سے غافل و ذاہل نہیں ہونا چاہیے اس امید کے ساتھ کہ ان کے روحِ مقدس منبعِ جود و عطا سے فیوض و برکات کا ورود و نزول ہوگا۔"

سید العارفین امام الواصلین حضرت الشیخ عبدالکریم الجیلی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:-

کن فی حال ذکرك له علیه السلام کانك بین یدیه فی حیاته متادبا بالاجلال والتعظیم والهیبة والحیاء فانه یراك ویسمعك کلما ذکرته لانه متصف بصفات الله والله جلیس من ذکره فللنبی صلی الله علیه وسلم نصیب وافر من هذه الصفة ولو کنت متکلفا مستحضرا فعن قلیل یتالف روحك به فیحضر لك عیانا تجده و تحدثه و تخاطبه فیجیبك ویحدثك

ویخاطبك فتفوز بدرجة الصحابة رضوان اللہ عنہم۔

اس کا ترجمہ شیخ محقق محدث دہلوی نے مدارج النبوت جلد ثانی تکملہ در صفات کاملہ وے صلے اللہ علیہ وسلم بزبانِ عرفا میں درج فرمایا ہے عبارت ملاحظہ ہو:۔

درد دلیفرست بروے صلی اللہ علیہ وسلم گویا کہ مے بینی اورا متادب باجلال و تعظیم بدانکہ وے صلی اللہ علیہ وسلم مے بیند ترا ومی شنود کلامِ ترا زیراکہ وے صلی اللہ علیہ وسلم متصف است بصفاتِ الٰہیہ ویکے از صفاتِ الٰہیہ آنست انا جلیس من ذکرنی الخ

دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضور شافعِ یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر اور درود وسلام کے وقت آدمی کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ گویا میں ظاہری زندگی پاک میں ان کے سامنے ہوں ادب کے ساتھ ان کی جلالتِ شان اور عظمت وہیبت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یقیناً وہ تجھے دیکھتے ہیں اور جب بھی تو انہیں یاد کرتا ہے وہ تیری کلام کو سنتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالےٰ کی صفات سے موصوف ہیں اور ان صفاتِ جلیلہ میں سے ایک یہ بھی ہے انا جلیس من ذکرنی (میں اس کا ہمنشین ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے) لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس صفت ومرتبہ سے وافر حصہ مرحمت ہوا ہے اور وہ اپنے یاد کرنیوالے کے ہمنشین ہیں اور اگرچہ ابتداء میں تکلیف کے ساتھ اس ذاتِ والاصفات کی صورت کا استحضار کرنا پڑیگا لیکن بہت جلد تیری روح ان سے مانوس ہو جائے گی اور ان کی ذاتِ اقدس تیری آنکھوں کے سامنے ہوگی، تو ان سے بلاحجاب ہمکلام ہوگا اور درجہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر فائز ہوگا۔

مدارج النبوت جلد اول میں محدثِ دہلوی فرماتے ہیں:۔

وصاحبِ مواہبِ لدنیہ برطریقۂ اہلِ معرفت گفتہ کہ مصلیاں چوں بہ التحیات استفتاح بابِ ملکوت کردند اذن کردہ شد مر ایشاں را بدخول در حریم حرمِ عزتِ الٰہی تبارک وتعالےٰ پس روشن گشت دیدۂ بصیرت ایشاں وآگاہ شدند ودریافتند کہ آں بوساطت نبی الرحمۃ وبرکتِ متابعت اوست پس حاضر یافتند حبیب را در حرمِ حبیب پس اقبال کردند بروے وگفتند السلام علیك ایها

النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وبعض اربابِ تحقیق گفتہ اند ایں خطاب باعتبار سریان حقیقتِ محمدیہ است در ذرائرِ موجودات وحضور اوست در باطنِ عبد ،

صاحب مواہبِ لدنیہ نے اہلِ معرفت کے انداز میں فرمایا کہ جب نمازیوں نے التحیات للہ والصلوات والطیبات کے تحفے لیکر ملکوت کی حدود پار کر کے بارگاہِ الٰہیہ کے اندر قدم رکھے تو انہیں حریمِ قدس میں داخل ہونے کا اذن مل گیا اور وہاں پہنچ کر ان کے دیدۂ بصیرت اور نظرِ فراست نے جان لیا کہ سب عروج و وصول صرف محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کی بدولت ہے پس حبیب کو بارگاہِ حبیب میں حاضر پایا تو ان کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور بعض محققین نے فرمایا کہ یہ خطاب حقیقتِ محمدیہ کے ہر ذرۂ موجودات میں موجود ہونے اور باطنِ عبد میں حاضر ہونے کی وجہ سے ہے۔

امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں (جلد اول باب چہارم فصل سوم)

واحضر فی قلبک النبی صلی اللہ علیہ وسلم وشخصہ الکریم وقل السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
یعنی بوقت سلام نبی الانبیاء کی ذاتِ مقدسہ کو اپنے دل میں حاضر کر کے سلام پیش کرو وکذا فی المرقاۃ شرح المشکوٰۃ لملا علی قاری)

درِمختار میں ہے ویقصد بالفاظ التشھد الانشاء کانہ یحیی علی اللہ ویسلم علی نبیہ بنفسہ ای لا یقصد الاخبار والحکایۃ عما وقع فی المعراج شامی۔ "تشہد اور سلام کے الفاظ میں انشاء کا قصد و ارادہ کرے گویا کہ وہ خود اپنی طرف سے توحید و رسالت کی شہادت اور بارگاہِ رسالت پناہ میں ہدیۂ سلام عرض کر رہا ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ محض معراج میں جو کچھ واقع ہوا رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تعالےٰ کو اور اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب کو جو تحفے پیش کئے

انہیں کی حکایت وخبر کا ارادہ نہ کرے۔

ائمۂ دین، محدثین وعارفین کے ارشادات آپ نے ملاحظہ فرمائے اب ذرا امامِ دیوبندیہ مولانا محمد اسماعیل صاحبِ صراطِ مستقیم کی تصوف ومعرفت سے بھرپور اور توحیدِ باری سے معمور عبارت ملاحظہ فرمادیں اور مراتبِ عرفان و وصول میں تفاوت کا مشاہدہ فرمادیں :۔ فرماتے ہیں :۔

درحالتِ نماز از وسوسہ زنا خیالِ مجامعتِ زوجہ خود بہتر است وصرف ہمت بسوئے شیخ وامثالِ آں از معظمین گو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق درصورت گاؤ خر خود است

"زنا کے وسوسہ سے اپنی بیوی کے ساتھ مجامعت کا خیال بہتر ہے اور شیخ پیر ومرشد یا اسی جیسے اور بزرگوں کیطرف خواہ جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں اپنی ہمت وتوجہ کو لگانا اپنے گدھے اور بیل کی صورت میں مستغرق اور گم ہوجانے سے بدرجہا بدتر ہے"

کوئی اس فاضل محدث سے پوچھے کہ جب ہم السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پڑھیں گے اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد پڑھیں گے تو کس کی توجہ سرورِ عالم کیطرف نہ ہوگی۔ جب قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس پڑھیں گے تو کلمۂ "قل" کے مخاطب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا تصور ہمیں کیسے نہ آئیگا۔ نیز قرآنِ کریم میں سینکڑوں آیات اس سید السادات کی بلندی وبرتری اور عظمت وجلالت کی قصیدہ خواں ہیں تو وہاں تصورِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے بغیر ان کی تلاوت کیسے ممکن ہوگی نیز قیام وقعود، رکوع وسجود، قرارت وتشہد اور تحریم وتسلیم میں سنتِ خیرالوریٰ علیہ السلام کو ملحوظ نہ رکھنا کیسے جائز ہوگا ؟

ان تصریحات سے واضح ہوگیا کہ نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف ذکر ہی نہیں

صحابہ کرام کی مادری زبان عربی، قرآنِ کریم عربی۔ وہ ہر لفظ کا معنے و مفہوم جانتے تھے۔ اللہ تعالےٰ اور اس کے محبوب بے یہ جانتے ہوئے کہ ان آیات کی تلاوت سے اور تشہد و سلام سے ان کی توجہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منعطف ہوگی اس سے منع نہ فرمایا؟ بلکہ آپ ہی نے نماز پڑھنے کا اور تشہد و سلام اور درود و سلام پڑھنے کا حکم فرمایا۔ تو اس کا مطلب یہ نکلے گا (نعوذ باللہ) کہ وہ ذاتِ اقدس جو دنیا سے کفر و شرک کی جڑیں اکھیڑنے کے لئے تشریف لائے اور کفر و الحاد کی ظلمتوں کو نورِ اسلام سے کافور کرنے کے لئے مبعوث ہوئے اور صحابہ کرام جنہوں نے اسلام پر جان و مال اور اولاد کو بھی قربان کر دیا وہ بھی اس درجۂ توحید کو نہ سمجھ سکے ع

برین عقل و دانش بباید گریست

اس علامہ کے نزدیک تصور و خیال ممنوع و حرام ہے لیکن صحابہ کرام حالتِ نماز میں کھڑے ہوئے تھے اور نظریں اس حسنِ خدا نما پر جمی ہوئی تھیں اور ان کا ہیں آئینۂ حق نما سے تجلیاتِ الٰہیہ کا نظارہ کر رہی تھیں۔ حضرتِ انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نماز میں مشغول تھے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے۔ اچانک رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ شریف کا پردہ اٹھایا اور اپنے غلاموں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، مسکرائے اور خوشی میں ہنسے۔ ابوبکر صدیق اس خیال سے کہ حضورؐ خود تشریف لاتے ہیں پیچھے ہٹے تاکہ صف کے ساتھ مل جائیں وھم المسلمون ان یفتتنوا فی صلاتھم فرحا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاشار الیھم بیدہ رسول اللہ ان اتموا صلاتکم ثم دخل الحجرۃ وارخی الستر (بخاری صفحہ ۹۳) اور مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور

بلکہ انہیں سلام دینا واجب، ان پر درود بھیجنا لازم اور ان کی ذاتِ عالیہ کو خطاب کرنا

یدار کی خوشی میں نماز کو توڑ دیں تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز کو
ورا کرو۔ پھر آپ حجرہ مقدس میں تشریف لے گئے۔

بخاری شریف کی یہ روایت صاف طور پر بتلا رہی ہے کہ صحابہ کرام رضی
اللہ عنہم شوقِ دیدار میں قریب تھا کہ نماز کو توڑ بیٹھتے اور اگر آپ اشارے سے
تمام کا حکم نہ فرماتے تو نماز مکمل نہ ہو سکتی۔ وہ حجرۂ اقدس جہاں ایامِ علالت میں
حضورؐ تشریف رکھتے تھے وہی آج گنبدِ خضریٰ کے روپ میں قبلۂ اہلِ ایمان و
بصیرت بنا ہوا ہے اور مرکزِ تجلیات بنا ہوا ہے۔ وہ مسجد کے قبلہ والی جانب
نہیں بلکہ مشرقی جانب ہے تو اس جانب سے حضور کا دیکھنا التفاتِ نظر بلکہ
ہر دل کو قبلہ سے پھیرے بغیر ممکن نہیں اور پھر آپ کے اشارہ کو دیکھنا اور سمجھنا
غیر اس کے متصور نہیں ہو سکتا کہ سب پروانوں کی نظریں اس شمعِ نبوت پر لگی
ہوئی ہوں نیز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مصلائے امامت سے امام الانبیاء والمرسلین علیہ
السلام کے لئے پیچھے ہٹے لیکن کسی کی نماز میں کوئی خلل پیدا نہ ہوا، نہ حضور نے انہیں نئے
سرے سے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ اور عارفین کاملین اپنی نمازوں میں ان کی ذات کو مشاہدہ
فرمانے کے بعد ہدیۂ سلام و نیاز عرض کرتے ہیں اور بارگاہِ قدس کے حریمِ ناز میں حبیب
کو حبیب کی بارگاہ میں دیکھ کر نذرانہ عقیدت و محبت پیش کرتے ہیں لہٰذا ان کی نمازوں
میں خلل پیدا بھی نہیں ہوتا اور عوام کو بھی اس حرمِ حریمِ قدس تک واصل ہونے کا طریقہ
بھی بتلایا ہے تاکہ وہ بھی ان کے حضور و وصول سے مشرف ہو سکیں لیکن شیخ نجدی کو دیکھئے
یہودیوں کے معبود بیل کے تصور کو تو اچھا جانے اور محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم
کے تصور کو بدرجہا بدتر کہے۔ نماز میں گدھے کی صورت بمع تمام اجزاء و اعضاء کے
دل نشین ہو جائے تو نماز کامل تر ہو جائے گی لیکن آئینہ ذات و صفاتِ حق، مظہرِ
انوارِ الٰہی کی صورتِ خدانما اس کی نماز کو فاسد کر دے گی۔

اور انہیں اپنے سامنے موجود ماننا، ان کی حقیقت کو اپنی ذاتوں میں موجود مان کر سلام دینا

تنبیہ اول: امام موحدین نے اپنے اس قولِ باطل کی توجیہ یہ پیش کی ہے "شیخ کا خیال تو تعظیم اور بزرگی کے ساتھ انسان کے دل سے چمٹ جاتا ہے۔ بیل اور گدھے کے خیال کو نہ تو اس قدر چسپیدگی ہوتی ہے اور نہ تعظیم اور غیر کی یہ تعظیم اور بزرگی جو نماز میں ملحوظ ہو وہ شرک کیطرف کھینچ کر لے جاتی ہے۔ صراطِ مستقیم ص۱۳۶"

لیکن ہر ذی عقل و شعور جانتا ہے کہ یہ توجیہہ انتہائی لغو و بیہودہ ہے کیونکہ تصورِ ذاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت جو تعظیم دل میں پیدا ہوگی وہ خلیفہ و نائب خدا نبی مصطفےٰ اور رسولِ مجتبےٰ ہونے کے لحاظ سے ہے یا خدا اور مالک و خالق اور معبود و مسجود ہونے کے لحاظ سے دوسری شق ہر حالت میں شرک ہے نماز میں یہ خیال ہو یا اس سے خارج، اور شقِ اول فرضِ عین ہے اور علامت ایمان و اسلام ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب "جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور آیاتِ قدرت کی تعظیم کرتا ہے تو یہ قلبی تقوےٰ اور خدا خوفی کی علامت ہے واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی "مقامِ ابراہیم کو اپنی جائے نماز بناؤ" حالتِ نماز میں اس مقام سے یمن و برکت حاصل کرنیکا خیال شاملِ حال ہوگا اور اس کی تعظیم بھی، نیز کعبہ کیطرف منہ کرنا اور نماز میں اس طرف متوجہ ہونا اس کی تعظیم ہے لیکن اس سے شرک و کفر لازم نہیں آتا، کیا صرف رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا خیال ہی تکمیلِ نماز میں خلل انداز ہے؟

نعوذ باللہ من ذلک۔

نیز ان کی عظمت و جلالتِ شان کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اپنا مصلّٰے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے اور صف میں کھڑے ہو گئے۔ آنحضور نے فرمایا بھی تھا ان امکث مکانک "اپنی جگہ پہ کھڑے رہو" لیکن انہوں نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد عرض کیا ما کان لابن ابی قحافۃ

ضروری ہے تو جب نماز جیسی مخصوص عبادت میں بھی اللہ تعالٰے کا ذکر محبوب کے ذکر

ان یصلی بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" ابو قحافہ کے بیٹے کو یہ لائق نہیں کہ وہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔ کیا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا تعظیم محبوب کے لئے مصلّے چھوڑ کر پیچھے ہٹ آنا بھی نماز کے لئے مفسد تھا اور کیا یہ تعظیم و تبجیل بھی شرک کیطرف کھینچ کر لے جانیوالی تھی جبکہ بقول انور شاہ صاحب محدث دیوبند حضرت صدیقِ اکبر فاتحہ شریف پڑھ لینے کے بعد آنحضور کی توقیر کی خاطر پیچھے ہٹ آئے اور آنحضور نے قرارت وہیں سے شروع فرمائی جہاں پر صدیقِ اکبر نے چھوڑی تھی۔ اور بقول انور شاہ مرحوم یہ روایت گیارہ کتبِ حدیث میں انہوں نے دیکھی ہے وجدت ھذا الحدیث فی احد عشر کتابا (عرف شذی جلد اول ص۱۰۱) اگر تعظیم و توقیر حالتِ نماز میں موجبِ شرک یا فسادِ نماز ہوتی تو یقیناً رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم انہیں اس سے منع فرماتے اور نماز لوٹانے کا حکم دیتے۔

بخاری شریف کی اس صحیح روایت نے جسے سہل بن سعد ساعدی نے نقل کیا اور گیارہ کتبِ حدیث میں اس روایت کا موجود ہونا وہ ناقابلِ تشکیک ثبوت ہے اور ناقابلِ تردید حقیقت ہے جس نے حالتِ نماز میں تعظیم و توقیرِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے جواز کو اظہر من الشمس کر دیا ہے۔

نیز رئیس الموحدین تو خیالِ مصطفٰے کو موجبِ شرک بتاتے ہیں حالانکہ مولائے مرتضٰے شیرِ خدا رضی اللہ عنہ نے نمازِ عصر ہی محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نیند پر قربان کردی حالانکہ وہ بڑی مؤکد نماز ہے اللہ تعالٰے نے فرمایا حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قانتین ؁ "سب نمازوں کی حفاظت کرو اور خصوصاً صلوٰۃِ عصر کی اور اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں خضوع و خشوع کے ساتھ قیام کرو" اور حضرت علی المرتضٰی نے نماز کو بالکلیہ ترک فرما دیا اور حبیبِ خدا

سے الگ نہیں پایا گیا تو پھر اور کونسا مقام فیض و کرم اور محلِ لطف و عنایت ہوگا

علیہ السلام کے آرام میں خلل نہ پڑنے دیا۔ نیز نماز سے بھی حفظِ جان اہم فریضہ ہے اور جہاں جان کا خطرہ ہو اس جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا منع ہے لیکن پروانۂ شمعِ نبوت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی جان کو بھی ان کے آرام پر قربان کر دیا اور سانپ کے زہر کو برداشت کر لیا لیکن سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار نہ کیا، امامِ اہلِ سنت نے فرمایا ؎

مولا علی نے واری تیری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے
صدیق بلکہ غار میں جان ان پہ دے چکے
اور حفظِ جاں تو جان فروض غرر کی ہے
ہاں تو نے ان کو جان انہیں پھیر دی نماز
پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے

اگر اس موحد کے دیدۂ بصیرت کو بغض و عناد نے نابینا نہ کر دیا ہوتا تو کتبِ حدیث میں انہیں یہ بھی نظر آجاتا کہ اگر آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور اللہ تعالیٰ کا رسول علیہ السلام اس وقت میں یاد فرمائے تو نماز کو چھوڑ دینا اور انکی خدمت میں حاضری دینا لازم ہے۔

حضرت سعید بن المعلّی رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشکوٰۃ شریف میں بصراحت مذکور ہے کہ وہ نماز میں مشغول تھے فخرِ بنی آدم و آدم صلے اللہ علیہ وسلم نے یاد فرمایا تو بڑی تیزی سے نماز کو مکمل کر کے آپ کی بارگاہ حاضر ہو گئے۔ آپ نے پوچھا اتنی دیر کیوں لگائی تو عرض کیا انی کنت اصلی "میں نماز پڑھ رہا تھا" رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الم یقل اللہ استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم "کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول تمہیں بلائیں فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہو جایا

جسمیں محبوب کا ذکر اللہ تعالے کے ذکر کے ساتھ نہ ہو۔

کرو" اس حدیثِ پاک اور آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ نماز کو وہیں چھوڑ دینا اور بارگاہِ محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو جانا لازم ہے چہ جائیکہ ان کا خیالِ پاک نماز میں خلل انداز ہو یا باعثِ شرک و کفر، انہیں کون سمجھائے کہ تعظیم اور چیز ہے اور عبادت اور چیز، عبادت اللہ تعالے کے ساتھ خاص ہے اور ماسوا کی عبادت جائز نہیں، ہاں عبادتِ خدا تعالے کو عظمتِ مصطفٰے پر قربان کیا جا سکتا ہے بلکہ فرضِ عین ہے۔

اب ذرا محدثین و مفسرین کی تصریحات بھی دیکھ لیجئے اور اس خانہ ساز توحید کی حقیقت بھی جان لیجئے۔ ملا علی قاری قدس سرہ فرماتے ہیں:۔

دل الحدیث علی ان اجابۃ الرسول علیہ السلام لا تبطل الصلوٰۃ کما ان خطابہ بقولک السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ قال البیضاوی اختلف فیہ فقیل ھذا لان اجابتہ علیہ السلام لا یقطع الصلوٰۃ فان الصلوٰۃ ایضا اجابۃ وقیل ان دعاءہ کان لامر لا یحتمل التاخیر وللمصلی ان یقطع الصلوٰۃ لمثلہ وظاھر الحدیث یحتمل الاول۔

"اس حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ نماز چھوڑ کر حضور کی خدمت میں حاضر ہونا نماز کو نہیں توڑتا جسطرح کہ آپ کو سلام دینا، علامہ بیضاوی نے فرمایا اس میں اختلاف ہے کہ نماز کو چھوڑ کر نبی العالم کی خدمت میں حاضر ہونا کیوں ضروری تھا بعض نے کہا کہ ان کی خدمت میں حاضری نماز کو باطل نہیں کرتی کیونکہ نماز بھی تو انہی کے حکم کی تکمیل ہے اور بعض نے کہا کہ آپ نے ایک ضروری کام کے لئے بلایا تھا جس میں تاخیر کی گنجائش نہیں تھی اور نمازی ایسے معاملات میں نماز کو

قطع کر سکتا ہے لیکن ظاہرِ حدیث وجہِ اول کے مناسب ہے۔"

وجہ یہ ہے کہ آپ نے انہیں سورۂ فاتحہ کی تعلیم کے لئے بلایا تھا اور اس میں تاخیر بھی ہو سکتی تھی نیز آپ نے تاخیر کے ممنوع ہونے پر قرآنِ پاک کی اس آیت کو دلیل بنایا جس میں مطلقاً ہر حکم کی تعمیل کے لئے فوراً حاضر ہونا لازمی قرار دیا گیا ہے۔

اس حدیثِ پاک آیتِ کریمہ اور تصریحِ محدثین و مفسرین سے معلوم ہوا کہ نماز کو چھوڑ کر رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری دینا، ان کے ساتھ کلام کرنا، ان کے احکام کو بجالانا نماز میں کسی قسم کا خلل پیدا نہیں کرتا اور جہاں نماز چھوڑ کر جائے وہیں سے آکر شروع کرے کیونکہ نماز بھی انہی کے حکم کی تعمیل ہے۔ اور کلام کی ہے تو اس ذاتِ مقدس سے جن پر سلام دینا ضروری ہے اور منہ پھیرا قبلہ سے تو متوجہ ہوا اس ذات کیطرف جو قبلہ کا بھی قبلہ ہے۔

اب مولانا محمد اسماعیل صاحب سے وہی کچھ عرض کرنا ہی کافی ہوگا جو علامہ اقبال مرحوم نے مولانا حسین احمد صاحب مدنی کو فرمایا تھا ؎

بہ مصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست
محمدِ عربی کابروئے ہر دو سرا است
کسے کہ خاکِ درش نیست خاک بر سر او

تنبیہ ثانی:-

بعض حضرات نے اس عبارتِ سراپا عداوت و شقاوت کی توجیہ یہ کی ہے کہ اعلیٰ مقامِ عبودیت و عبادت یہ ہے کہ بندہ کل ماسوی اللہ سے حتیٰ کہ اپنی ذات و صفات اور اپنی عبادت وغیرہ سے بھی بے خبر ہو چہ جائیکہ کسی ولی و مرشد یا رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم

فرمایا اے عبداللہ یثرب کے یہود کے عالم تمہی ہو؟ انہوں نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ!

کا تصور و خیال اس کو ہو لیکن ذرا غور تو فرمائیے کہ جن کی عبارت میں تصوف کا یہ بلند ترین مقام درج کرنے کی سعی لا حاصل کی جا رہی ہے وہ تو فرماتے ہیں کہ زنا کے خیال سے بیوی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے اور مقربانِ بارگاہِ خداوندی کیطرف توجہ پھیرنے سے اپنے گدھے اور بیل کے خیال میں گم ہو جانا بہتر ہے۔

کیا اس فنافی اللہ کے مقام میں بھی زنا کا خیال آسکتا ہے؟ اور کیا وہاں گدھے اور بیل کے خیال کی گنجائش ممکن ہے نیز یہ مقام تو استغراق اور فنافی اللہ کا ہے اور اپنے آپ سے بے خبر ہونے کا اور صاحبِ صراطِ مستقیم تو گدھے اور بیل کے خیال میں مستغرق ہونے کو بہتر فرما رہے ہیں نیز کیا ان امور میں اتنی جاذبیت اور کشش موجود ہے کہ مقامِ فنافی اللہ تک پہنچا ہوا عبد بھی ہر ماسوی اللہ سے بے خبر ہو سکتا ہے لیکن ان سے نہیں ہو سکتا، سچ ہے کہ ایک جھوٹ اور غلطی کو چھپانے کے لئے ہزار جھوٹ بولنا پڑتا ہے لیکن وہ پھر بھی چھپ نہیں سکتا، امامِ اہلِ سنت رضی اللہ عنہ نے فرمایا ؎

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا
تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے گا
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

تنبیہِ ثالث:-

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز میں السلام علیک ایھا النبی کے الفاظ نبی کریم کی ظاہری زندگی میں تھے بعد میں انہیں بدل کر السلام علی النبی کہا جاتا تھا۔ لہٰذا نماز میں خطاب کرنا لازم نہیں آئے گا۔ تو اس شبہ کے جواب میں اولاً تو یہ گذارش ہے کہ ہماری تحریرات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ محدثین و عارفین اور فقہاء کرام نے

میں ہی ان کا عالم ہوں۔ فرمایا میں تجھے اس خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں جس نے تورات کو نازل

السلام علیک ایھا النبی کے الفاظِ خطاب ذکر فرمائے اور اس کی وجوہ بیان فرمائیں نیز رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی الفاظ ہی تعلیم فرمائے من جلس فی الصّلوٰۃ فلیقل السلام علیک ایھا النبی" جو بھی نماز میں بیٹھے تو السلام علیک ایھا النبی کہے" اس میں یہ تخصیص نہیں فرمائی گئی کہ میری ظاہری زندگی میں اس طرح کہنا پھر بدل دینا۔

ثانیًا اگر ظاہری حیاتِ طیبہ میں ہی الفاظِ خطاب استعمال کئے گئے ہوں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ صحابہ کرام ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے، کوئی بھی صحابی سفر و حضر میں، جنگ و صلح میں کبھی آپ سے الگ نہیں ہوا اور اگر واقعہ اس کے خلاف ہے، صحابہ کرام مکہ شریف، طائف شریف، خیبر وغیرہ کے علاقوں میں رہائش پذیر تھے، تجارت میں، جہاد میں حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے الگ دور دراز علاقوں میں ہوتے تھے اور نمازیں السلام علیک ایھا النبی ہی پڑھا کرتے تھے، توکیا ان کی نمازیں نعوذ باللہ فاسد ہوتی رہیں اور یہ خطاب اور تصور و توجہ انہیں شرک کیطرف کھینچ کر لیجاتے تھے، نہ انہوں نے ان الفاظ کو ترک فرمایا نہ رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء نے دور دراز علاقوں میں رہنے والوں کو ان الفاظِ خطاب سے منع فرمایا، نہ اللہ تعالےٰ نے حضرتِ جبریل علیہ السلام کو بھیجکر متنبہ فرمایا، توکیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم اس شرک پر راضی ہو گئے تھے! ع بریں عقل و دانش بباید گریست

ثالثًا ہماری کلام تصورِ محبوب اور نمازمیں ان کی طرف رغبت و التفات میں ہے اور السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ میں بھی یہ التفات و توجہ اور کشش وجذب لازم آتے ہیں جیسا کہ التحیات للہ والصلوات والطیبات

فرمایا کیا تو نے میرے اوصاف و کمالات، میرے نبی ہونے کے دلائل و آیات تورات میں پڑھے ہیں؟ تو انہوں نے عرض کی آپ کے متعلق اللہ تعالےٰ نے تورات میں فرمایا ہے یا ایہا النبی انا ارسلنٰک شاھداً و مبشراً و نذیرا و حرزا للامیین انت عبدی و رسولی سمیتک المتوکل لست بفظٍ و لا غلیظ ولا صخاب فی الاسواق ولا یجزی السیئۃ بالسیئۃ ولکن یعفو و یغفر ولن یقبضہ اللہ حتی یقیم بہ الملۃ العوجاء بان یقول لا الٰہ الا اللہ فیفتح بہ اعینا عمیا و اٰذانا صما و قلوبا غلفا
" اے نبی ہم نے آپ کو مبعوث فرمایا دراں حالیکہ آپ شاہد ہیں اور بشیر و نذیر، امیوں کے لئے پناہ و آسرا، تم میرے بندے اور رسول ہو، میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے، نہ آپ سخت گو ہیں اور نہ ہی سخت دل اور نہ بازاروں میں آوارہ لوگوں کی طرح

میں صیغۂ خطاب موجود نہیں لیکن ذاتِ باری تعالےٰ کا تصور و خیال لامحالہ آئے گا، نیز یہ کہنا کہ ہر آدمی عربی زبان سے واقف نہیں تاکہ ہر ایک کو بوقتِ سلام تصور بھی ہو تو ہم عرض کرتے ہیں کہ جو لوگ عربی جانتے ہیں ان کے متعلق حکم کیا ہوگا؟ کیا نماز صرف عربی سے ناواقف لوگوں پر فرض ہے؟ کیا صحابہ کرام، تابعین، علماء و ائمۂ دین تمام کی نمازیں بالکل باطل و فاسد ہوں گی۔ نیز عوام کی وہ نماز جس میں ان کو یہ پتہ بھی نہیں ہوتا کہ ہم اللہ تعالےٰ کی ثنا کر رہے ہیں یا گستاخی و بے ادبی، اسے عطاء بخشش کی درخواست پیش کر رہے ہیں یا اپنے فضل و کرم کو روک لینے کی صحیح معنوں میں نماز کہلا سکتی ہے؟ بلکہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ دین کے فرائض و واجبات، حلال و حرام، جائز و ناجائز کی ضروری تعلیم حاصل کرے۔

تمت الحاشیۃ

شور کرنیوالے، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ عفو و درگذر اور بخشش و چشم پوشی سے کام لیتے ہیں، اللہ تعالےٰ اسوقت تک ان کی روحِ پاک کو قبض نہیں فرمائیگا جب تک ان کی بدولت کج رو اور ناراستی پر کار بندامت کو راہِ راست پر نہ لے آئے وہ لا الٰہ الا اللہ کا اعلان فرمائیں گے پس اس کے ذریعہ نابینا آنکھوں کو بینا اور روشن فرمادیں گے، بند کانوں کو کھولیں گے اور کفر و شرک کے پردوں میں محجوب دلوں کو منور کریں گے اور پاک وصاف۔

حضرتِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب احبار سے پوچھا تورات میں ہمارے آقا کے متعلق کیا کچھ لکھا ہے تو انہوں نے کہا تورات میں ہے محمد بن عبد اللہ عبدی المختار مولدہ بمکۃ مہاجرہ بالمدینۃ و ملکہ بالشام "محمد بن عبداللہ میرے مختار بندے ہیں جن کی جائے ولادت اور مقامِ پیدائش مکہ شریف ہے اور مقامِ ہجرت مدینہ طیبہ اور مقامِ سلطنت ملکِ شام ہے۔"

ایک اور مقام پر تورات میں مذکور ہے کہ حق تعالیٰ نے کوہِ سینا سے تجلی فرمائی اور کوہِ ساعیر سے اپنی تابانیاں دکھلائیں اور کوہِ فاراں سے خود آشکارا ہوا، کوہِ فاراں میں ہی وہ غارِ حرا ہے جس سے ہادیٔ عرب و عجم اتر کر قوم کیطرف تشریف لائے اور کلامِ الٰہی کا نسخۂ کیمیا انہیں عطا کر کے ان کے قلوب کی ماہیت کو بدل کر رکھ دیا۔

یوحنا اپنی انجیل میں کہتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے فرمایا میں اپنے رب تعالےٰ سے درخواست کروں گا کہ تمہیں ایک ایسا فارقلیط یعنی حامد و مخلص رسول عطا فرمائے جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے، وہ روحِ حق ہیں اور تمہیں ہر چیز کی تعلیم دیں گے۔

انجیل میں اللہ تعالےٰ نے حضرتِ عیسےٰ علیہ السلام کیطرف وحی کی کہ میرے محبوب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرو اور ان کے ساتھ ایمان لاؤ

اور اپنی امت کو بھی فرماؤ کہ ان میں سے جو بھی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائے وہ ان کے ساتھ ایمان لائے۔ اے مریم بتول کے بیٹے یقین کرو اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آدم علیہ السلام کو پیدا نہ کرتا اور بہشت و دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔ جب میں نے عرش کو پیدا کیا تو وہ مضطرب تھا، جب میں نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھوایا تو وہ سکون و مطمئن ہو گیا۔

تورات موسےٰ علیہ السلام کے سفرِ خامس میں ہے کہ پروردگار جل وعلا تیرے بھائیوں میں سے بنی اسرائیل کے لئے ایک نبی پیدا فرمائے گا اور اپنی کلام ان کی زبان پر جاری فرمائے گا۔ سبحان اللہ! اس نبی امی کے قرآن صداقت نشان نے اس غیبی خبر کو کس طرح سچ کر دکھایا اور فرمایا وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ

صرف یہی نہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کا تذکرہ کتبِ سابقہ میں موجود تھا بلکہ آپ کی جائے ولادت اور دارِ ہجرت کی پوری تفصیلات اہلِ کتاب کو معلوم تھیں اور آنحضور کا حلیہ مبارک اور شبیہ مبارک ان کے پاس موجود تھی۔

تفسیر ابنِ کثیر اور مدارج النبوت میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے یہ روایت منقول ہے کہ جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور مکہ مکرمہ میں ان کے دعویٰ نبوت کا چرچا ہوا۔ میں بغرضِ تجارت بصریٰ پہنچا، نصاریٰ کی ایک جماعت نے مجھ سے دریافت کیا کہ تو حرم شریف سے آ رہا ہے؟ تو میں نے کہا ہاں! انہوں نے پوچھا کہ تو اس شخص کو جانتا ہے جس نے پیغمبری کا دعوےٰ کیا ہوا ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئے جس میں تصاویر آویزاں تھیں مجھے کہا کہ کیا ان تصاویر میں اس نبی کا عکس اور فوٹو موجود ہے جس نے دعویٰ نبوت کیا ہوا ہے؟ تو میں نے نفی میں جواب دیا۔ وہ مجھے دوسرے کمرہ میں لے گئے جو پہلے سے بڑا تھا اور اس میں بہت زیادہ تصویریں موجود تھیں۔ داخل ہوتے ہی میں نے آنحضور کی شبیہ مبارک کو دیکھا اور ساتھ ہی ابوبکر صدیق کی شبیہ بھی تھی جو آنحضور کا گھٹنا مبارک پکڑے ہوئے خدمت

پاک ہیں حاضر ہیں لیکن میں نے دل میں یہ عہد کر لیا کہ پہلے انہیں نہیں بتاؤں گا جب تک کہ وہ خود نہیں بتائیں گے۔

چنانچہ انہوں نے سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی تصویر کیطرف اشارہ کر کے کہا کہ اس مقدس ہستی کا اب ظہور ہونے والا ہے اور یہ گھٹنا پکڑے ہوئے ان کے یارِ جانثار ابوبکر صدیق ہیں تو اس وقت میں نے کہا کہ واقعی اب یہ مقدس ہستی مکہ مکرمہ میں ظہور فرما ہوئی ہے اور اعلانِ نبوت فرمایا ہے۔ میں نے کہا مجھے یہ خطرہ ہے کہ قریش انہیں شہید نہ کر ڈالیں۔ انہوں نے کہا بخدا وہ انہیں قتل نہیں کر سکتے، وہ پیغمبرِ آخر الزماں ہیں اللہ تعالےٰ انہیں تمام پر غالب فرمائے گا اور یہی قرآنِ کریم نے فرمایا یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اہلِ مدینہ نے تُبع شہنشاہِ یمن کے بیٹے کو قتل کر دیا تھا۔ اس نے بدلہ لینے کے لئے مدینہ پر چڑھائی کی اور چار سو عالم ماہرِ تورات کو بھی اپنے ساتھ لیا۔ جب وہاں پہنچکر تبع نے اس شہر کی تباہی و بربادی کا حکم دینا چاہا تو شامول نے جو کہ سب سے بڑا عالم تھا کہا اسے تبع یہ تو وہ شہر ہے جس کی طرف پیغمبرِ آخر الزمان (جن کا نامِ نامی احمد ہے اور بنی اسماعیل میں سے ہوں گے) مکہ سے ہجرت کر کے تشریف لائیں گے، یہی ان کا مقامِ ہجرت ہے اور یہی ان کی آخری آرام گاہ ہوگی۔

تبع اپنے ارادے سے باز آگیا اور واپس یمن کو چل دیا لیکن ان علماء نے واپس چلنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ان کے دیدار سے مشرف ہوں گے اور یا پھر حسرتِ دیدار میں جان دے دیں گے چنانچہ بادشاہ نے ان کے لئے چار سو مکان تعمیر کروائے اور ہر ایک کو وافر مقدار میں مال و دولت دیکر جو سب سے بڑا عالم تھا اسے ایک عریضہ لکھ کر دیا اور خود واپس چلا گیا۔ اس عریضہ کا مضمون یہ ہے :-

۵ شهدت علی احمد انه
رسول من الله باری النسم
فلو مد عمری الی عمرہ
لکنت لہ وزیرًا و ابن عم

"میں احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پاکیزہ نسب والے رسول ہیں اور میری عمر نے ان کے زمانہ ظہور تک وفا کی تو میں ان کا وزیر بنوں گا اور جاں نثار بھائی کیطرح مخلص خادم"

اور یہ وصیت کی کہ فخرِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم اس کی زندگی میں تشریف لاویں تو خود ان کی خدمت میں پیش کرے ورنہ اولاد کو وصیت کرے کہ یہ عقیدت نامہ حضور کی بارگاہ میں پیش کیا جائے۔ اور ایک مکان آپ کے لئے بھی بنوایا تاکہ آپ اس میں نزولِ اجلال فرمادیں۔

جب مدت کے بعد وہ ماہتابِ رسالت اور آفتابِ نبوت طلوع ہوا تو اس وقت اس مکان میں حضرت ابوایوب انصاری قیام پذیر تھے۔ جب وہ محبوب مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ میں جلوہ فرما ہوئے تو اہلِ مدینہ میں سے ہر ایک آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑ کر اپنے گھر لیجانے کی کوشش کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا دعوھا فانھا ماموره من الله" اس کو چھوڑ دو کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اسے اپنے محلِ اقامت اور مقامِ سکونت کی اطلاع دے رکھی ہے" حضور کی اونٹنی چلتے چلتے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے بیٹھ گئی اور اس طرح تبع کی صدیوں پہلے کی آرزو کو آج رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے پورا فرما دیا۔

الغرض محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ذکرِ پاک زمین و آسمان، سماک و سمک، لوح و قلم، ہر صحیفۂ آسمانی اور وحیِ ربانی میں موجود اور ہر نبی کی زبان پر ان کی ثنا جاری ہے۔ ساری امتیں ان کی یاد میں مصروف و مشغول، چرندے، پرندے، درندے، آبی اور ہوائی مخلوق سبھی ان کی مدح و ثنا میں رطب اللسان، بلکہ خود خالقِ کائنات بھی انہی کا حامد

واصف۔ اس سے بڑھ کر اور رفعتِ ذکر کسے نصیب ہوگی اور کس کو یہ منصبِ عالی نصیب عطا ہوگا۔ اسی لئے فرمایا انا اعطینٰک الکوثر۔

الکوثر التاسع عـہ

(اخلاقِ مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء)

اس بناء پر آیتِ کریمہ کا معنٰے یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو اخلاقِ عظیمہ عطا فرمائے وہ ایسے اخلاق ہیں جو اپنی تعداد اور گنتی کے لحاظ سے، عظمت و مقدار کے اعتبار سے اور اپنی شان و کیفیت کے لحاظ سے بے حد و حساب ہیں اور حدود دِ وہم و گمان سے وراء الوراء ہیں۔ کوئی ایسا خلق اور وصفِ حسن نہیں جو کسی نبی و رسول میں موجود ہو اور محمودِ خالق و مخلوق میں موجود نہ ہو۔ اللہ رب العزت نے فرمایا اولٰئک الذین ھدی اللّٰہ فبھدٰ ھم اقتدہ۔ انبیاء و رسل وہ مقدس ہستیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایک مخصوص سیرت و کردار سے نوازا ہے۔ اعلیٰ کردار اور بلند اخلاق سے مشرف فرمایا ہے لہٰذا آپ اس حسنِ سیرت اور بلند کردار کو اپنائیں اور سب اخلاق کو اپنے اندر جمع فرمالیں۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرے لختِ جگر، نورِ نظر محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو میں نے ایک عظیم بادل دیکھا جس سے یہ آواز آرہی تھی اعطوا محمدا اخلاق الانبیاء واجمعوھا لہ فخذوا لہ من اٰدم خلقہ ومن شیث علمہ ومن ابراھیم خلتہ ومن اسماعیل کلامہ ومن داؤد صوتہ ومن ایوب صبرہ ومن عیسٰی زھدہ ومن نوح شکرہ ومن موسٰی قوتہ ومن یوسف حسنہ وخذوا لہ من جمیع انبیاء اللّٰہ ورسلہ صفاتھم الکریمۃ واخلاقھم العظیمۃ۔

"میرے حبیب علیہ السلام کو تمام انبیاء و رسل کے اخلاق عطا کردو اور سب اوصافِ کمال کو ان میں جمع کردو، انہیں حضرتِ آدم علیہ السلام کا خلق اور حضرتِ شیث علیہ السلام کا علمِ اسرار دے دو، ابراہیم خلیل علیہ السلام کا مقامِ قرب و خلت اور اسماعیل کا کلامِ دلنشین، حضرت داؤد علیہ السلام کا لحنِ طرب انگیز اور ایوب علیہ السلام کا صبرِ حیرت انگیز، حضرتِ عیسٰی

عـہ تفسیر کبیر۔

علیہ السلام کا مقامِ زہد و تقوےٰ اور نوح علیہ السلام کا منصبِ شکر و رضا، موسےٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی قوت و ہمت اور یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال غرضیکہ ہر نبی و رسول کی صفتِ کاملہ اور خصلتِ عالیہ کو ان میں جمع کر دو۔"

حضور کے اخلاقِ عالیہ کی حقیقت تک کس کو رسائی ہو سکتی ہے جبکہ خالقِ کائنات جل و علا فرمائے انك لعلیٰ خلق عظیم۔" یقیناً آپ خلقِ عظیم پر حاوی و غالب ہیں،، ربِ قدوس کے نزدیک دنیا و مافیہا اپنی تمام تر وسعتوں اور بے پایانیوں کے باوجود اور غیر محدود و معدود نعمتوں کے باوصف قلیل ہے قل متاع الدنیا قلیل لیکن خلقِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء عظیم ہے۔ اور صرف یہی نہیں فرمایا کہ آپ صاحبِ خلقِ عظیم ہو بلکہ فرمایا انك لعلیٰ خلق عظیم یعنی اخلاقِ کریمہ اور اوصافِ کمالیہ پر آپ حاوی و غالب ہیں اور وہ آپ کے سامنے مغلوب۔

کتبِ سیرت میں آنحضور کے اخلاقِ عالیہ اور اوصافِ کمالیہ کا مطالعہ کرنے سے اس عظمت کا قدرے اندازہ ہو سکتا ہے۔ طائف شریف میں تبلیغِ دینِ حق کے لئے تشریف لے گئے لیکن ان لوگوں نے حق قبول کرنے کی بجائے آپ کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا اور پتھروں سے لہو و لہان کر دیا۔ جب فرشتوں نے ان بدکیشوں اور بدطینت افراد کو دو پہاڑوں کے درمیان مسل کر اس بد باطنی کی سزا دینا چاہی تو آپ نے اس انتقام سے منع کر دیا اور فرمایا میں رحمت بن کر آیا ہوں، زحمت و عذاب بن کر نہیں آیا، یہ مسلمان نہ ہوئے تو ان کی اولاد مسلمان ہو جائے گی۔

جنگِ احد میں اعلاءِ کلمۃ الحق کے لئے اور دشمنانِ خدا و رسول کے عزائمِ باطلہ کو خاک میں ملانے کے لئے میدانِ جہاد میں تشریف لائے، زخم بھی کھائے، لہو نہان بھی ہوئے، ایک دانت مبارک کو چوٹ بھی لگی اور اس ہیرے کی کنی ٹوٹ گئی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کی کہ ان کے لئے دعائے ہلاکت فرمائیں

لیکن مالکِ خلقِ عظیم رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون۔ "اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ میری حقیقت اور میری دعوت سے بے خبر ہیں۔" ورنہ طوقِ غلامی گلے میں ڈالتے اور اس تمرد و سرکشی سے باز آجاتے۔

اہلِ مکہ نے ہر تکلیف اور ایذاء پہنچائی، راستے میں کانٹے بچھائے، گلے میں رستے ڈالے، سجدے کی حالت میں اونٹ کا شکنبہ پیٹھ مبارک پر رکھا، شاعر و مجنون کا الزام دیا، ساحر و مفتون کا طعنہ دیا، جان کے دشمن بن گئے، پیارے وطن مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا، بیت اللہ شریف چھوڑنے پر مجبور کیا، مدینہ شریف میں بھی آرام وسکون سے بیٹھنے نہ دیا لیکن آپ فاتحانہ انداز سے مکہ شریف میں داخل ہوئے اور کفر کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ کفارِ مکہ کو جو سزا چاہتے دے سکتے تھے، جو بدلہ وانتقام لینا چاہتے لے سکتے تھے لیکن فرمایا لا تثریب علیکم الیوم " آج کے دن تم پر شدت و سختی، ہلاکت و بربادی نہیں۔" بلکہ جو ہتھیار ڈال دے اسے بھی امان، جو گھر کا دروازہ بند کر لے اسے بھی امان، جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے اسے بھی امان، اتنا رحم و کرم صرف اس رحمۃ للعالمین ہی کا حصہ ہوسکتا ہے اور یہ عالی ظرفی انہی کا ہی نشانِ امتیاز ہوسکتا ہے۔

وصفِ جود و عطا میں بھی زمانہ آپ کی نظیر و مثال پیش کرنے سے عاجز ہے، جو کچھ آتا ہے سب کا سب سائلوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور مہینوں تک گھر میں آگ بھی نہیں جلائی جاسکتی مگر کسی مانگنے والے کو "نہیں" کہنا یہ ان کے شانِ کریمی نے گوارا نہیں کیا۔ حضرتِ حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ؎

ما قال لا قط الا فی تشھدہٖ

لولا التشھد کان لاءہ نعم

"آنحضور نے سوائے کلمۂ شہادت و توحید کے کبھی لفظِ "لا" (نہیں) کو اپنی زبان پر جاری نہیں فرمایا۔ اگر مقامِ شہادتِ وحدانیتِ باری تعالیٰ نہ ہوتا تو یہاں بھی لا کی جگہ نعم ہوتا یعنی نہیں کی جگہ ہاں ہوتا۔" اعلیحضرت بریلوی نے فرمایا ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

مسجدِ اقدس میں دراہم و دنانیر کے انبار لگے ہوئے ہیں، ہر سائل کو اس کی مرضی کے مطابق عطا کیا جاتا رہا۔ جب تقسیم فرما کر اٹھے تو ایک دینار بھی اپنی ذاتِ اقدس و اطہر کے لئے نہیں بچایا۔ مویشیوں کی پوری وادی بھری ہوئی ہے، ایک سائل نے پوری وادی کا مطالبہ کر دیا آپ نے سب جانور اس کے حوالے کر دئے اور ذرا تامل نہ فرمایا تو اسے مجبوراً کہنا پڑا کہ اتنی سخاوت سوائے نبی کی ذات کے اور کوئی نہیں کر سکتا اور فوراً مسلمان ہو گیا۔

حلم و حوصلہ کو دیکھو تو انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ ایک بدوی آیا۔ حضور راہ میں تشریف لے جا رہے تھے، پیچھے سے چادر مبارک کھینچکر کہا یہ دونوں اونٹ غلہ سے لاد کر دو، کیونکہ یہ غلہ نہ تمہارا ہے اور نہ تمہارے باپ کا۔ چادر کو کھینچنے سے گردن مبارک پر خراش بھی آگئی تھی اور طرزِ سوال بھی دلخراش تھی لیکن کوثرِ اخلاق کے مالک نے ہنس کر فرمایا کہ بیشک یہ مال نہ میرا ہے نہ میرے باپ کا بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے، اونٹ لاد کر دے دیئے جائیں گے لیکن جو تو نے چادر کھینچکر تکلیف پہنچائی ہے اس کا بدلہ تجھے دینا پڑے گا، اس نے عرض کی بخدا مجھے یہ بدلہ نہیں دینا پڑے گا۔ آپ نے فرمایا کیوں؟ یہ تیری زیادتی ہے اس کا بدلہ تو ضرور لیا جائے گا۔ عرض کی اس لئے کہ تمہاری شانِ عالی کا طرۂ امتیاز ہی یہی ہے لا تجزیٔ السیئۃ بالسیئۃ" آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں بلکہ نیکی اور احسان سے دیتے ہو۔

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

ایک غزوہ کے دوران آپ اکیلے ایک درخت کے سایہ میں آرام فرما تھے اور صحابہ کرام بھی ادھر ادھر درختوں کے نیچے سایہ میں محوِ استراحت تھے۔ آپ کی تلوار درخت کے ساتھ لٹکی ہوئی تھی۔ ایک کافر نے اس تلوار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور خبثِ باطن اور غرض فاسد کی تکمیل کرنا چاہتا تھا کہ وہ چشمِ خوابناک بیدار ہوئی۔ دیکھا تو دشمن

تیغِ بے نیام لئے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے من یعصمك منی "تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے بلا توقف فرمایا" میرا اللہ" اس کافر کا بدن تھر تھر کانپنے لگا حتیٰ کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ سرورِ عالم وعالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا اب تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ تو اس نے کہا صرف آپ کا رحم وکرم اور عفو و درگذر، تو آپ نے اس سے درگذر فرمادیا۔

صداقت وامانت کا وصفِ کمال تو دشمنوں نے بھی اس وقت تک تسلیم کیا جب وہ جان کے دشمن تھے اور وطنِ عزیز سے نکال دینے کی فکر میں تھے۔ ابوجہل لعین نے اس بارگاہِ عالم پناہ میں حاضر ہو کر کہا ہم آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ آیاتِ الٰہیہ کی تکذیب کرتے ہیں اور انہیں جھٹلاتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے اسی واقعہ کے متعلق فرمایا "لا یکذبونك ولکن الظالمین بآیات اللہ یجحدون ہ" یہ کفار آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ آیاتِ الٰہیہ کی تکذیب کرتے ہیں"

جب قریش آپ کے جانی دشمن تھے اور ان کی تلواریں آپ کے غلاموں کے خون کی پیاسی تھیں اور آپ بامرِ الٰہی ہجرت پر آمادہ ہو گئے تو اس وقت بھی کفار کی امانتیں آپ کے پاس موجود تھیں جن کی ادائیگی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی گئی۔ آپ نے اپنے عمل وکردار سے ثابت کر دیا واللہ انی لامین من فی السماء و امین من فی الارض" بخدا میں اہلِ سماء کے نزدیک بھی امین ہوں اور اہلِ ارض کے نزدیک بھی"

ہرقل بادشاہ کے دربار میں تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوت نامۂ ایمان واسلام پہنچا تو اس نے ابوسفیان کو بلایا جو اس وقت اتفاقاً وہاں پر موجود تھا اور اس وقت تک دولتِ اسلام سے مشرف نہیں ہوا تھا، اور مختلف سوالات کئے ایک سوال یہ بھی کیا کہ انہوں نے کبھی تمہارے ساتھ کذب اور غلط بیانی سے کام لیا ہے تو ابوسفیان نے کہا ہرگز نہیں! ہرقل نے کہا جو مخلوق کے ساتھ جھوٹ نہیں بولتا وہ خالق پر کس طرح کذب وافتراء کریگا؟

عفت و پاکدامنی کا یہ عالم کہ مسلمانوں کی بیویاں اور تمام عورتیں سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد ہیں حضور ان کے روحانی باپ اور آپ کی ازواجِ مطہرات ان کی مائیں وازواجہ امہاتھم لیکن باوجود اس کے کسی غیر منکوحہ اور غیر محرم عورت کو ہاتھ تک نہیں لگایا بلکہ بیعت بھی لی تو زبان سے عہد کرایا یا کپڑے کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں پکڑا اور دوسرا عورتوں کو پکڑا کر انہیں حبل اللہ المتین کے ساتھ مرتبط و منسلک فرمایا۔

شفقت و رأفت و رحمت کی گواہی قرآنِ کریم ان الفاظ میں دے رہا ہے، عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم "جو چیز تمہیں تکلیف و رنج میں مبتلا کرے وہ انہیں شاق گزرتی ہے وہ تمہاری بہتری اور ہدایت پر حریص ہیں مومنین کے ساتھ خصوصی رأفت و رحمت کا جذبہ رکھنے والے ہیں، لیکن یہ نہیں کہ فقط مومنین کے ساتھ ہی رحیم و کریم ہیں بلکہ ان کے عمومِ کرم اور شمولِ رحمت سے ہر ذرۂ کائنات مستفیض ہے اور کائناتِ عالم کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ان کا ابرِ کرم نہ برس رہا ہو وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین - رحمتی وسعت کل شیئ۔

اس شفقت و رأفت کا مظاہرہ بعض اعمال میں اس طرح فرمایا لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلوٰۃ " اگر میں اپنی امت پر شاق نہ سمجھتا تو انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ تراویح کی نماز باجماعت ہمیشہ ادا نہ فرمائی تاکہ میری امت پر فرض نہ ہو جائے، صومِ وصال سے امت کو منع فرمایا تاکہ ضعف و ناتوانی میں مبتلا نہ ہو جائیں بلکہ شانِ رحیمی و کریمی کا اس سے بڑھ کر اور کونسا نمونہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ سید الخلق اور سرورِ عالم و عالمیاں ہیں، امام الانبیاء و الرسل ہیں لیکن جب کبھی اپنی امت کے افراد کو غیر اولیٰ اور ناموزوں امور پر تنبیہ فرماتے ہیں تو اس کے متعلق بھی بارگاہِ رب العالمین میں عرض پرداز ہیں انما انا بشر اغضب کما تغضبون فای امرئ لعنتہ او سببتہ فاجعلہا رحمۃ و مغفرۃ

"میں بشری صفات سے موصوف ہوں میں بھی غضبناک ہو جاتا ہوں جس طرح کہ دوسرے لوگ غیظ و غضب میں مبتلا ہو جاتے ہیں لہذا میں جس آدمی کو غیظ و غضب کے عالم میں لعنت کروں اور گالی دوں تو اس لعنت اور سب وشتم کو اس کے حق میں رحمت و مغفرت کا سامان بنا اور اس کی بخشش کا ذریعہ۔ غالباً اسی موقع کے لئے حضرتِ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے

بیدادِ تو عدل است، جفائے تو کرامت
دشنامِ تو خوشتر کہ زبیگانہ دعائے

شجاعت و جوانمردی میں درجۂ کمال حاصل تھا، جس میدان میں شیرِ دل مردوں اور شہ زور جانبازوں کے دل لرز جاتے تھے، پاؤں اکھڑ جاتے تھے اور میدانِ کارزار سے بھاگنے کے علاوہ کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی اس میدان میں سیدِ عرب و عجم ثابت قدم رہتے بلکہ آگے بڑھ کر حملہ کرتے اور آپ کی زبانِ حق بیان پر یہ رجز جاری ہوتی انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب " میں سچا اور برحق نبی ہوں کوئی جھوٹا دعویدار نہیں اور عبد المطلب جیسے شجاع و نامور کا بیٹا ہوں"۔ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب جنگ کی آگ شعلہ زن ہوتی تھی تو ہم حبیبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی پناہ حاصل کیا کرتے تھے۔ اور سب میں سے بہادر وہی سمجھا جاتا تھا جو اس کارزار میں حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا۔

تواضع اور عجز و انکساری کا یہ عالم کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ان شئت نبیا عبدا وان شئت نبیا ملکا " اگر چاہو تو نبی عبد بن جاؤ اور اگر چاہو تو تمہیں بادشاہ نبی بنا دوں"۔ اگر بوریا نشین بننا چاہو تو تمہاری مرضی اور تخت نشین بننا چاہو تو تمہیں اختیار ہے، لیکن اس غریب و مسکین امت کے والی نے امت کے ساتھ بوریا نشینی کو اختیار فرمایا اور تخت و سلطنت کو قبول نہ فرمایا بلکہ آپ کی دعا یہ تھی اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ

المساکین۔" اے اللہ مجھے مسکینی و فقر کی حالت میں زندہ رکھ اور اسی حالت میں وفات دے اور مجھے قیامت میں بھی مساکین کے گروہ سے اٹھانا۔"

اللہ تعالیٰ نے تمام اولادِ آدم اور رسل و ملائکہ پر فضیلت و برتری عطا فرمائی لیکن اولوالعزم رسل تو درکنار حضرتِ یونس علیہ السلام کے متعلق بھی فرمایا[1] لا تفضلونی علٰی یونس بن متّٰی "مجھے یونس بن متی پر فضیلت مت دینا۔" جب چہرۂ انور سے انوارِ تاباں اور جلال و ہیبت دیکھ کر لوگ مرعوب اور لرزہ براندام ہو جاتے تو سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے میں بھی عبد ہوں، عام لوگوں کی طرح کھاتا پیتا ہوں اور اس عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا ہوں جو خشک گوشت تناول فرمایا کرتی تھی انا ابن امرأۃ کانت تاکل القدید۔

شرم و حیا کا مادہ آپ میں صرف موجود ہی نہیں تھا بلکہ آپ مجسمۂ شرم و حیا تھے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشد حیاء من العذراء فی خدرھا " رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کنواری پردہ نشین عورتوں سے بھی بہت زیادہ شرم و حیا والے تھے۔" اور یہ وصف آپ کو اتنی محبوب تھی کہ اسے ایمان کا جزو بنا دیا فرمایا والحیاء شعبۃ من الایمان (حیا ایمان کا ایک بہت بڑا حصہ ہے) اس فراوانیٔ شرم و حیاء کی وجہ سے آپ خلافِ طبیعت امور کو برداشت فرماتے لیکن

---

[1] حضرتِ یونس علیہ السلام نے قوم کو وعظ و تبلیغ فرمائی لیکن وہ متاثر نہ ہوئے تو ان کے لئے دعاءِ ہلاکت فرمائی جب عذاب کے آثار نمودار ہونے لگے تو آپ نے وہاں سے ہجرت اختیار کر لی حالانکہ اولیٰ اور بہتر یہ تھا کہ وہ اذنِ خداوندی سے پہلے وہاں سے کوچ نہ فرماتے اللہ تعالےٰ نے غیرِ اولیٰ کے ارتکاب پر متنبہ فرمانے اور کائناتِ بحریہ کا مشاہدہ کرانے کے لئے انہیں مچھلی کے پیٹ میں بھیج دیا۔ بعض جہال نے اس واقعہ سے ان کی شان میں طرح طرح سے بے ادبی کرنا شروع کر دی اور یہاں تک کہہ دیا کہ وہ فریضۂ رسالت ادا نہ کر سکے۔ محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد سے اپنی تواضع و انکساری کا ثبوت بھی دیا اور ان کے دامنِ عصمت پر سے عیب و نقص کو دور فرمایا کیونکہ اگر حضرت یونس علیہ السلام فریضۂ رسالت ہی ادا نہ کر سکے تھے تو وہ نبی ہی نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ بذریعہ تبلیغ کی ادائیگی کا نام ہے چہ جائیکہ کسی نبی کے برابر ہوں علی الخصوص افضل الرسل سرورِ انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم ان پر فضیلت دینے سے کیوں منع فرماتے؟

منہ غفرلہ

زبانِ فیض ترجمان سے اظہار نہ فرماتے تھے کہ خود اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو تنبیہ و تادیب فرمائی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ جب آپ کا نکاح ہوا اور لوگوں کو دعوتِ ولیمہ دی گئی۔ دعوت کھانے والوں میں سے بعض حضرات گفتگو میں مصروف ہو گئے اور بہت دیر لگ گئی، جگہ تنگ تھی اور حریمِ ناز میں پردہ نشین تکلیف محسوس کر رہے تھے لیکن محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے انہیں اٹھ جانے کا حکم دینے میں شرم محسوس کی اور خود اس ایذاء اور تکلیف کو برداشت کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے متعلق فرمایا ولکن اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسین لحدیث ان ذٰلکم کان یؤذی النبی فیستحیی منکم واللہ لا یستحیی من الحق۔[۱] اے ایمان والو بلا اجازت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے گھروں میں ہرگز داخل نہ ہوا کرو بلکہ جب بلایا جائے تب داخل ہوا کرو پس جب کھا چکو تو فوراً چلے جایا کرو اور باتوں میں دلچسپی لیکر بیٹھا نہ کرو، یہ امر تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتا ہے لیکن وہ شرم و حیا کیوجہ سے تمہیں نہیں کہتے اور اس نازیبا حرکت سے منع نہیں فرماتے لیکن اللہ تعالیٰ تو حق بات کہنے سے نہیں رکتا۔"

الغرض ہر وصفِ کمال، ہر خصلت حمیدہ اور خلقِ حسن محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم میں موجود اور ہر نبی کی اور رسول کی ہر خوبی و کمال انہیں علی الوجہ الاکمل والاتم حاصل، ہر وصفِ حسن اور خلقِ کریم اپنی کیفیت و کمیت میں بے مثل و بے نظیر اور مجموعۂ اخلاق گنتی و شمار اور حد حساب سے باہر، نہ رہوارِ عقل ان کی غایت کو پا سکتا ہے اور نہ ہی مرغِ وہم و خیال کو ان کے بامِ رفعت و عظمت تک رسائی، سید احمد بن عابدین فرماتے ہیں:-

لو بالغ الاولون والاخرون فی احصاء مناقبہ وخصائصہ لعجزوا جمیعا عن استقصاء ما حباہ اللہ الکریم من مواھبہ الاحمدیۃ واخلاقہ المحمدیۃ وصفاتہ المصطفویۃ

وما مثل من اراد احصاء خصائلہ الا کمثل انسان مدید

لیتناول الثریا بھا ؎

فبالغ واکثر ان تحیط بوصفہ

واین الثریا من ید المتناول

ولذا قال بعض العارفین الخلق ما عرفوا اللہ وما عرفوا

محمدا صلی اللہ علیہ وسلم۔

" اگر سب متقدمین و متاخرین آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مناقب و خصائص کے جمع کرنے میں پورا زور صرف کریں تو سب کے سب ان صفاتِ مصطفویہ، اخلاقِ محمدیہ اور مواہبِ احمدیہ کے احاطہ سے عاجز آ جائیں گے ان کے غیر محدود و غیر متناہی خصائل کے احاطہ کی کوشش کرنیوالے کی مثال یوں ہے جیسے کوئی اپنے ہاتھ کو لمبا کر کے ثریا کو قابو کرنا چاہے حالانکہ کہاں ثریا کا بلند مقام اور کہاں اس کا کوتاہ ہاتھ ؎ پس مبالغہ کر اور جو کچھ ہو سکتا ہے کر لے تو ہرگز ان کے اوصاف کا احاطہ نہیں کر سکتا دیکھ تو سہی پکڑنے والے کے ہاتھ سے ثریا کی بلندی کہاں تک ہے، اسی لئے بعض عارفین نے فرمایا کہ مخلوق نے نہ اللہ تعالیٰ کو کماحقہ پہچانا اور نہ ہی رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو "

امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمہارے بیانِ حسن و کمال اور اخلاق و خصال سے مخلوق کا عاجز آجانا یہ بھی تمہارے معجزات سے ہے تمہارے اخلاقِ عالیہ اور اوصافِ کمالیہ متلاطم سمندروں کی مانند ہیں اور ہماری زبان و کلام بمنزلہ ڈول کے، کبھی سمندروں کو ڈول سے بھی ختم کیا جا سکتا ہے؟ ؎

ان من معجزاتك العجز عن وصفك اذ لا يحده الاحصاء

كيف يستوعب الكلام سجاياك وهل تنزح البحار الدلاء

شیخ عبد الحق محدثِ دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

حقیقت آنست کہ ہیچ فہم و ہیچ قیاس بحقیقت مقام آنحضرت و کنہِ حالِ عظیم

وے چنانکہ ہست نرسد وہیچکس او را چنانکہ او ہست جز خدا نشناسد چنانکہ خدا را چوں وے ہیچکس نشناخت وہر کہ در درکِ حقیقتِ آں تکلم کردہ گویا دعوئ علمِ متشابہات کرد وما یعلمہ تاویلہ الا اللہ وچوں مقامِ وے صلے اللہ علیہ وسلم از ہمہ بالاتر است دریافتِ آں فوقِ افہام باشد ؎

ترا چنانکہ توئی ہر نظر کجا بیند
بقدرِ دانشِ خود ہر کس کند ادراک

خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اور آپ کے اوصاف وکمالات کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی ان کی حقیقت کو نہیں جانتا جیسے کہ اللہ تعالےٰ کو اتنا کوئی نہیں جانتا جتنا کہ وہ جانتے ہیں اور جو شخص ان کی حقیقتِ ذات یا کنہ صفات جاننے کا دعویٰ کرے تو گویا اس نے متشابہات کی معرفت کا دعوٰے کیا ہے حالانکہ انہیں سوائے اللہ تعالےٰ کے کوئی نہیں جانتا اور چونکہ مقامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بلند و بالا اور ارفع واعلیٰ ہے لہٰذا تمام مخلوق کے افہام واذہان کی رسائی بھی وہاں تک ممکن نہیں ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ان کے اخلاق واوصاف کا احاطہ ہو جائے تو انہیں عظیم کہنا صحیح رہ ہی نہیں سکتا حالانکہ اللہ رب العزت نے انہیں عظیم فرمایا ہے ومن اصدق من اللہ حدیثا کیونکہ عظیم ہوتا ہی وہی ہے جو کہ احاطۂ ادراک سے باہر ہو۔

شیخ عبدالحق قدس سرہ نے فرمایا:۔

عظیم آنست کہ از حیطۂ ادراک بیروں باشد اگر محسوس است از حیطۂ ادراکِ باصرہ بیروں بود چنانکہ جبلِ بزرگ کہ احساسِ باصرہ آں را احاطہ نتواں کرد وگر معقول است ادراکِ عقل بداں محیط نتواند شد چنانکہ ذات وصفات الٰہی تعالیٰ وتقدس پس چوں وے تعالیٰ خلق آنحضرت عظیم خواندہ وفضلے کہ او را داد عظیم گفتہ احاطۂ عقل از ادراکِ کنہ

آں ثنا صر باشد۔

ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اخلاقِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کان خلقہ القرآن " ان کا نمونۂ اخلاق قرآن کریم ہے " اس ایک جملہ میں اخلاقِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ تصور اور اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے کہ اگر سارے عقلاء و فضلاء قیامت تک اس کی شرح و تفصیل اور تعبیر و تفسیر میں مشغول رہیں تو اخلاقِ عالیہ کے اس سمندرِ ناپیدا کنار میں اتنی کمی بھی نہیں ہو گی جتنا کہ چڑیا کے ایک چونچ بھر پانی نکال لینے سے بحرِ محیط میں کمی واقع ہو سکتی ہے ۔ اس کا ظاہری اجمالی معنٰی تو یہ ہے کہ اخلاقِ محمدیہ اور اوصافِ احمدیہ کی جھلک دیکھنی ہو تو قرآنِ پاک کو دیکھو۔ اس میں ہر مخلوق کیلئے دنیا و آخرت کی بھلائیاں موجود ہیں یہ علماء کے لئے چراغِ راہ ہے اور جہلاء کے لئے ہادی و راہنما ، برکتِ عامہ بھی ہے اور رحمتِ شاملہ بھی ، کفر و شرک اور روحانی و جسمانی امراض سے شفا ہے اور عذابِ قبور اور اہوالِ یوم النشور میں ذریعۂ نجات ، حق و باطل میں فارق ہے ، واعظِ ناطق بھی ہے اور لسانِ صادق بھی ، امر بالمعروف پر مشتمل ہے اور نہی عن المنکر پر بھی ، اس میں مژدہ و بشارت بھی ہے اور تخویف و انذار بھی ۔ اور تمام امور جن پر قرآن مجید ، فرقانِ حمید مشتمل ہے وہ سب ذاتِ مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء میں مجتمع ہیں اور وہی آپ کے اخلاق ہیں ۔ شیخِ محقق فرماتے ہیں ظاہرِ معنئے وے آنست کہ ہرچہ در قرآنِ عظیم از مکارمِ اخلاق و محامدِ صفات مذکور است متصف بود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بداں ۔

بعض عرفاء نے فرمایا کہ محبوبۂ محبوبِ خدا علیہ وعلٰی آلہ التحیۃ والثناء کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم کے معانی و مطالب اغراض و مقاصد فہم و ادراک اور حواس و عقول میں محدود و مقید نہیں اسی طرح اخلاقِ مصطفویہ بھی غیر محدود اور غیر متناہی ہیں اور نقصِ تحدید و تناہی سے منزہ و مبرا ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کا مقصد یہ ہو کہ جس طرح کتابِ کریم آیاتِ متشابہات پر مشتمل ہے جن پر ایمان لانا

تو فرض ہے لیکن ان کی حقیقت سے بحث و تمحیص ممنوع و حرام ہے، اسی طرح اخلاقِ مصطفویہ کی حقیقت سے پردہ اٹھانا ممکن نہیں۔

سید العارفین حضرت شیخ عبد الکریم الجیلی قدس سرہ العزیز نے حقیقی اور باطنی معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرمایا "قرآن کلامِ الٰہی ہے اور صفتِ قدیمہ اور محبوبِ کریم کی محبوبہ اس کو خلق مصطفیٰ فرما رہی ہیں اور ادھر قرآنِ کریم کہتا ہے انہ لقول رسول کریم میں رسولِ کریم کی کلام ہوں" وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ زبان محمدِ مصطفیٰ کی ہے کلام ربِ اعلیٰ کی ہے تو معلوم ہوا کہ کان خلقہ القراٰن فرما کر ام المومنین نے بتلا دیا کہ میرا محبوب اخلاقِ الٰہیہ سے متخلق اور صفاتِ خداوندی سے موصوف ہے قد اقامہ مقامہ فی صفاتہ واسمائہ و مقام الخلیفۃ مقام المستخلف۔ (بحوالہ جواہر البحار للنبہانی)

صاحبِ عوارف فرماتے ہیں:۔

دور نیست کہ قولِ عائشہ رضی اللہ عنہا کان خلقہ القراٰن دراں رمزے غامض و ایمائے خفی لبودے اخلاقِ ربانیہ باشد ولیکن احتشام کرد"

"یعنی حضرتِ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ فرمانا چاہتی تھیں کہ حضورِ اکرم متصف بصفات الٰہیہ و متخلق باخلاقِ سبحانیہ تھے لیکن ہیبتِ جلال اور سترِ حقیقت و حال کے لئے لطافت مقال سے کام لیتے ہوئے فرمایا کان خلقہ القراٰن وایں معنے ادخل است بہ بیانِ عظمتِ اخلاق و عدمِ تناہی آں۔

ابنِ تیمیہ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" میں فرماتے ہیں:۔

قد اقامہ اللہ مقام نفسہ فی امرہ و نھیہ واخبارہ و بیانہ فلا یجوز ان یفرق بین اللہ ورسولہ فی شیئ من ھذہ الامور

"اللہ تعالیٰ نے امر و نہی میں، اخبار و اعلام اور تعلیم و بیان میں انکو اپنا قائم مقام بنایا ہے

لہٰذا ان امور میں اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق کرنا بالکل جائز نہیں۔ اسی تخلق باخلاق اللہ اور اتصاف بصفات اللہ ہی کی وجہ سے ان کی طاعت کو اللہ تعالےٰ کی اطاعت فرمایا گیا ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ، ان کا بیعت لینا اللہ تعالیٰ کا بیعت لینا قرار پایا ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم، ان کا کلام رب کا کلام وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ، ان کا فعل رب تعالےٰ کا فعل قرار پایا وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ، ان کی تکذیب کو رب تعالیٰ کی تکذیب بتلایا گیا ولکن الظالمین بآیات اللہ یجحدون، ان کی عداوت و دشمنی اللہ تعالےٰ کی عداوت و دشمنی، ان سے دھوکا اور فریب کاری اللہ تعالےٰ سے دھوکا اور فریب کاری ہے۔

قرآن کریم اور کتبِ تفاسیر کے مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ نے اپنے حبیب کو اپنا مظہرِ ذات وصفات بنایا ہے اور اپنے اخلاق واوصاف کی تجلیات وانوار کو آئینۂ جمالِ محمدی میں منعکس فرمایا ہے اور انہیں اپنے تعارفِ ذات وصفات کا ذریعہ بنایا ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ" میں وہ عظیم خالق ہوں جس نے اپنے خاص رسول محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالےٰ اول بھی ہے آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور باطن بھی وھو بکل شیٔ علیم بھی اس کی صفت ہے لیکن مفسرین اور محدثین نے ان صفات کا اطلاق رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی کیا ہے ھو الاول والآخر والظاھر والباطن و ھو بکل شیٔ علیم کو صفاتِ محمد علیہ التحیۃ والثناء میں بھی ذکر فرمایا ہے۔ رؤف و رحیم اللہ تعالےٰ کے صفات واخلاق سے ہیں اور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صفات میں بھی وبالمؤمنین رؤف رحیم وارد ہے۔ اللہ تعالےٰ کریم بھی ہے اور عظیم بھی، اور ان دونوں صفات سے محبوبِ کریم بھی موصوف ہیں انہ لقول رسول کریم، انک لعلیٰ خلق عظیم، اللہ تعالےٰ شاہد اور شہید ہے اور یہ دونوں وصفِ کمال رسالتمآب

صلے اللہ علیہ وسلم میں بھی موجود ہیں انا ارسلنٰک شاھدًا ، ویکون الرسول علیکم شھیدًا - خالقِ کائنات جل وعلا نور بھی ہے اور منیر بھی اور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ان دونوں صفات کا پرتو موجود ہے قد جاءکم من اللہ نور ، وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجًا منیرًا - اللہ تعالیٰ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی اور انہی صفات کی صاحبِ لولاک میں بھی جلوہ گری ہے انہ ھو السمیع البصیر - علیٰ ہذا القیاس فتاح ، شکور ، قوی ، ولی ، ہادی ، داعی ، عزیز ، کریم وغیرہا اسماءِ حسنیٰ اور صفاتِ علیا سے اپنے حبیب کو نوازا اور معزز ومکرم فرمایا - علاوہ ازیں انہیں مظہرِ ذاتِ اقدس کا اعزاز بھی بخشا جیسا کہ فرمایا وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی " جب آپ نے کفار کیطرف سنگریزوں کی مٹھی پھینکی تھی جس نے کفار ومشرکین بدر میں بھگدڑ مچادی اور خوف وہراس پھیلا دیا وہ آپ نے بحیثیت محمد بن عبد اللہ نہیں پھینکی تھی بلکہ بحیثیتِ مظہرِ ذاتِ الٰہی اور خلیفہ خداوندی ہونے کے پھینکی تھی -

علیٰ ہذا القیاس ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم " جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ آپ سے بحیثیت قریشی ہاشمی ہونیکے بیعت نہیں کر رہے بلکہ صرف اس لئے کہ تم نائبِ الٰہی اور رسولِ خداوندی ہو جو ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے وہ محض ایک انسان یا بشر کا ہاتھ نہیں بلکہ قدرتِ خالق ومالک کا مظہر اور نمونہ ہے -

بہرحال اس پر یقین کرنا ضروری ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مظہرِ ذات وصفاتِ الٰہیہ ہیں ، متصف بصفات اللہ اور متخلق باخلاق اللہ ہیں - اور فانی فی اللہ ہونے کیوجہ سے ذات وصفاتِ باری تعالےٰ سے ہی ان کی بقا ہے اور چونکہ صفات واخلاقِ خداوندی حدود وقیود سے ، تناہی وتحدید سے ماوراء ہیں لہٰذا سید الرسل امام الانبیاء خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ

سے یہ تقریر شیخ عبد الکریم الجیلی کی ہے جس کا ترجمہ شیخ محقق دہلوی قدس سرہ نے مدارج النبوۃ جلد دوم میں " تکملہ دربیان صفاتِ کاملہ وے صلی اللہ علیہ وسلم بزبانِ عرفاء " ذکر کیا ہے - منہ غفرلہ

اور صفاتِ جمالیہ بھی نقصِ تناہی سے اور عیبِ تحدید سے منزہ ہیں اسی لئے اللہ تعالٰے نے یہ نہیں فرمایا انا اعطیناک الاخلاق بلکہ فرمایا انا اعطیناک الکوثر ہم نے آپ کو اتنے عظیم و جلیل اور لامحدود و غیر متناہی اخلاق و اوصاف عطا کئے ہیں جو مخلوق کے پیمانہ عقل اور میزان گمان سے ناپے تولے نہیں جا سکتے، اعلیٰحضرت بریلوی فرماتے ہیں ؎

تیری خلق کو حق نے جمیل کیا تیرے خلق کو حق نے عظیم کہا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا تیرے خالقِ حسن و ادا کی قسم

؎ تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ کہ کیا کیا کہوں تجھے

(صلی اللہ علیہ وسلم)

العاشر:۔ الکوثر (علومِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم)

اس صورت میں آیتِ کریمہ کا معنٰے یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو علمِ کثیر عطا فرمایا اور آپ کو کوثرِ علم کا مالک و مختار بنایا۔ علم و حکمت اپنی کمیت کے اعتبار سے قلیل ہو تو پھر بھی خیرِ کثیر ہوتا ہے اللہ تعالٰے نے فرمایا من یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا "جس کو حکمت عطا کی گئی اسکو خیرِ کثیر دیا گیا" اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو علم و حکمت سکھلانے کے لئے تشریف لائے تو لامحالہ پہلے انہیں یہ خیرِ کثیر اور برکت تامہ حاصل ہوگی اور انبیاء کرام ایک دوسرے سے بھی اور امت سے بھی علم و حکمت کے لحاظ سے افضل و اعلیٰ ہوتے ہیں تو جو ہستی مقدس تمام کائنات سے افضل و اعلیٰ ہیں اور تمام کائنات کے رسول و نبی اور ہادی و راہنما ہیں، سب انبیاء و رسل اور جن و انس، ملائکہ اور روحانیین جن کی امت میں داخل ہیں، وہ یقیناً علم و حکمت میں بھی سب سے افضل و اعلیٰ ہوں گے اس لئے ان کے علم کو الکوثر سے تعبیر فرمایا انا اعطیناک الکوثر۔

مے تفسیر کبیر

یہ محض ایک دعویٰ نہیں بلکہ عینِ حقیقت ہے کہ ہمارے آقا و مولے صلی اللہ علیہ وسلم کو ثرِ علم ہیں اور کائناتِ عالم میں کوئی فرد اور شخص ان کے ساتھ اس وصفِ کمال میں مساوات اور برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا لیکن بدقسمتی سے اہلِ اسلام میں یہ مسئلہ متنازع فیہ بن گیا ہے اسی لئے قدرے تفصیل سے بیان کرنا ہمارے دعویٰ پر دلیل و سند بھی ہوگا اور منصف ناظرین کے لئے کاشفِ حقیقت اور قولِ فیصل بھی۔ قرآنِ کریم میں اور کتبِ حدیث میں بے شمار دلائل موجود ہیں اگر پورے درج کئے جائیں تو ایک مستقل مبسوط کتاب بن جائے گی اس لئے بقدرِ ضرورت مناسبِ مقام عرض کئے دیتے ہیں۔

اللہ رب العزت نے فرمایا وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما۔ "اللہ تعالیٰ نے تم پر کتاب و حکمت نازل فرمائی اور تمہیں وہ سب کچھ سکھلا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ کریم کا آپ پر فضلِ عظیم ہے۔"

ہر وہ شخص جسے ربِ قدوس نے عقلِ سلیم اور فہمِ مستقیم سے محروم نہیں فرمایا وہ اس آیتِ کریمہ کے اسلوب و انداز سے بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ قرآنِ کریم ہی علومِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مجموعہ ہے۔

پہلے نزولِ کتاب و حکمت کا ذکر فرمایا اور بعد میں ہر چیز کی تعلیم کا ذکر فرمایا گویا قرآنِ کریم کے ذریعے تم پر اسرار و رموز اور علوم و معارف کو منکشف فرمایا اور اس تعلیم کا آغاز بھی اس کتابِ عظیم کے نزول سے ہوا اور اس کی تکمیل بھی اس کتاب کی تکمیل سے ہوئی اور یہی علم ہی فضلِ عظیم ہے جو حدودِ ادراک و فہم سے ماوراء ہے۔

قرآنی علوم و معارف کی تفصیل اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا حاصل ہونا پہلے الکوثر بمعنے القرآن میں واضح ہو چکا ہے لہٰذا یہاں صرف اس آیتِ کریمہ سے بحث مطلوب ہے۔ اللہ تعالےٰ نے تعلیمِ علم میں کسی خاص علم کو ذکر نہیں فرمایا

بلکہ فرمایا جو بھی آپ نہیں جانتے تھے وہ سب کچھ آپ کو سکھلا دیا۔ لفظِ ما عموم کیلئے ہے اور عام احناف اور اہلِ عربیت کے نزدیک اپنے مدلول پر اسی طرح قطعی الدلالۃ ہوتا ہے جس طرح خاص، لہٰذا علمِ مصطفےٰ میں وہ عموم و شمول ہے اور وہ وسعت و بے پایانی ہے جو کسی بھی مخلوق کے علم میں نہیں حضرت آدم علیہ السلام کے علم میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں فرق بیان کرتے ہوئے چند مخصوص ابحاث وہاں درج کر دیئے ہیں۔ یہاں مفسرینِ کرام کے اقوال ملاحظہ فرما دیں۔

امامِ جلیل فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

قال القفال تحتمل الآیۃ وجہین الوجہ الاول علمک مایتعلق بالدین رالدین) انزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ واوقفک علی حقائقہما واطلعک علی اسرارہما۔ والوجہ الثانی ان یکون المراد علمک مالم تکن تعلم من اخبار الاولین

" یہ آیتِ کریمہ دو احتمال رکھتی ہے پہلا یہ کہ مالم تکن تعلم سے مراد وہ امور ہوں جن کا تعلق دین سے ہے۔ اس بناء پر معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر کتاب و حکمت کو نازل فرمایا اور تمہیں ان کے حقائق و اسرار پر مطلع فرمایا اور ثانی یہ ہے کہ اخبارِ اولین پر اطلاع مراد ہو۔"

صاحبِ خازن فرماتے ہیں:-

یعنی من احکام الشرع وامور الدین وقیل علمک من علم الغیب مالم تکن تعلم وقیل معناہ علمک من خفیات الامور واطلعک علی ضمائر القلوب وعلمک من احوال المنافقین وکیدھم مالم تکن تعلم۔

مالم تکن تعلم سے مراد احکامِ شرع اور امورِ دین ہیں اور بعض نے فرمایا کہ اس تعلیم سے مراد ان علومِ غیبیہ کی تعلیم ہے جو آپ نہیں جانتے تھے ؛

اور بعض نے فرمایا کہ اس سے خفیاتِ امور اور مخفی حقائق کی تعلیم، اسرارِ قلوب پر اطلاع اور احوالِ منافقین اور انکے مکائد کی تعلیم مراد ہے جو کہ آپ سے مخفی تھے؛

تفسیرِ مدارک میں ہے :-

من امور الدین والشرائع او من خفیات الامور وضمائر القلوب۔

تفسیرِ جلالین میں ہے :- من الاحکام والغیب

یعنی اس آیتِ کریمہ میں امورِ شرائع اور احکامِ دین یا مخفی حقائق اور اسرارِ قلوب و رموزِ صدور کی اطلاع مراد ہے اور یہ ظاہر ہے کہ امورِ دین میں اور خفیاتِ امور و اسرار و رموزِ کائنات میں کوئی منافات نہیں کہ جو ایک جان لے دوسرا امر اس کے لئے ممنوع ہو جائے لہذا نہ لفظِ "او" کا ذکر دونوں طرح کے علوم مجتمع ہونے سے مانع ہے اور نہ لفظِ "قیل" کیونکہ یہاں عقلی احتمالات مفسرین نے بیان نہیں فرمائے بلکہ متعدد تفاسیر بیان فرمائی ہیں جن میں کوئی تضاد یا منافات نہیں ہے لہذا لفظِ "مالم تکن تعلم" اپنے عموم کے اعتبار سے تمام مخلوقات، ان کے احوال و شیونات اور خالقِ کائنات کی ذات و صفات کو شامل ہے اور علمک مالم تکن تعلم میں یہ تعلیم بھی ہر شے کو شامل ہے لہذا اس عموم میں کسی تخصیص کا قول کرنا تفاسیر اور علمِ اصول کی مخالفت ہے، اہلِ عربیت کے قواعد کی مخالفت ہے اور محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے وصفِ کمال میں تخصیصات محض قیاساتِ فاسدہ اور احتمالاتِ ناشئہ من غیر الدلیل کی بنا پر شانِ مصطفٰے کی مخالفت ہے اور ان کی عظمت کا انکار۔

اللہ تبارک وتعالٰے نے شبِ معراج حریمِ قدس میں بلا کر انہیں اسرار و رموز، علومِ غیبیہ اور خفیاتِ امور کا اتنا وسیع علم بخشا کہ کسی کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا اور اللہ تعالٰے نے فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ فرما کر ساری مخلوق کو پیغامِ عجز دے دیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی زبان سے "ما اوحیٰ" کی وسعتوں اور

بے پایانیوں کا اندازہ بھی کر لو اور وجہِ ابہام بھی سن لو:۔

فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ بتمامہ علوم و معارف و حقائق و بشارات و اشارات و اخبار و آثار و کرامات و کمالات کہ در حیطۂ ایں ابہام داخل است ہمہ را شامل از کثرتِ اوست و عظمتِ او کہ مبہم آورد و بیان نہ کرد اشارت بہ آنکہ جز علمِ علام الغیوب و رسولِ محبوب بداں محیط نتواں شد۔

"فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ تمام علوم و معارف اور حقائق و بشارات و اشارات اور اخبار و آثار اور کمالات و کرامات غرضیکہ جو کچھ بھی اس ابہام کے اندر داخل ہے اس سب کو علمِ رسول محیط و شامل ہے اور انہی علوم و اسرار کی کثرت و عظمت کیوجہ سے انہیں "ما اوحیٰ" کے ابہام میں ذکر فرمایا اور مخلوقات کو بتلا دیا کہ ان غیر محدود علوم و معارف کا احاطہ سوائے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہیں کر سکتا۔"

تفسیر صاوی میں بھی اسی طرح فرمایا گیا، عبارت ملاحظہ ہو:۔

والمعنیٰ اوحی اللہ الیٰ عبدہ محمد ما اوحاہ اللہ الیہ من العلوم والاسرار والمعارف التی لا یحصیہا الا معطیہا بواسطۃ جبریل وبغیر واسطۃ حین فارق عند الرفرف۔

فاضل بریلوی قدس سرہ نے اس عبارت کا ترجمہ ان الفاظ میں فرمایا ہے ؎

غنچے ما اوحیٰ کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں
بلبلِ سدرہ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں

شیخِ محقق نے ابہام کیوجہ اور علومِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقسام بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

مشاہدہ کرد از عجائبِ مخلوقات و ملکوت کہ محیط نمی تواند شد بآں عبارت و طاقت نمی دارد تحمل سماع ادنیٰ آں فہوم و عقول ولہذا اشارت

کرد برمز و کنایت و ایماء دال بر تعظیم بقولِ خود فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ ومیگویند کہ تکلم حضرتِ رب العزت بحبیبِ خود بر سہ نوع است یکے بہ عبارتِ لغتِ عرب کہ ظاہر آں مفہوم خلق است ودیگر باشاراتِ مقطعاتِ قرآنی کہ بتحقیق آں کسے را راہ نیست سوم بہ مجردِ ابہام کہ تصور وتخیلِ آں نتواں کرد چنانکہ فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ۔

"رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج اسقدر عجائب ملک وملکوت کا مشاہدہ فرمایا کہ عبارت اس کا احاطہ نہیں کر سکتی اور عقول وافہامِ خلق ان کا ادنیٰ حصہ بھی سننے کی تاب نہیں لا سکتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے رمز وکنایہ اور ابہام وایماء سے ان کی عظمت وکثرت پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ اور اکابرینِ امت فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین طرح سے کلام فرمائی۔ اول لغتِ عرب میں جس کے ظاہر معنے کو ہر آدمی سمجھ سکتا ہے، دوم مقطعاتِ قرآنی یعنی الٓمٓ، الٓمٓصٓ، الٓرٰ وغیرہ جن کی حقیقت تک کسی کی رسائی ممکن نہیں، سوم ابہام واجمال کہ جس کے تصور وتخیل کی کسی میں طاقت نہیں جسطرح فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ (مدارج النبوۃ جلد اول)

الحاصل اس آیتِ کریمہ میں ما اوحیٰ اپنے عموم پر ہے اور اس عموم میں جو جو امور داخل ہیں وہ آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اب یہ اندازہ کرلیں کہ مالم تکن تعلم میں بھی یہی ابہام واجمال ہے تو لامحالہ اس کی وسعت میں یہ سب امور داخل ہونگے یہ تو کسی طرح جائز نہیں کہ علمِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ایک آیت سے محدود مراد ہو اور مخصوص اور دوسری میں تحدید وتخصیص سے مبرا ہو جب کہ لفظِ عموم دونوں جگہ پر ایک جیسے ہوں۔

ٓ بعض نام نہاد موحدین اس استدلال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ علمتم مالم تعلموا میں لفظِ ما موجود ہے حالانکہ یہ خطاب یہود سے ہے اور وہ سب علوم پر کب حاوی تھے انہیں تو اپنے اس جواب پر بڑا ناز ہوگا مگر ہمیں تو ان کی کم عقلی بلکہ رسول دشمنی پر رونا آتا ہے۔ ہماری کلام علمِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے اس کے عموم کے منافی اور اس تعمیم کے لئے مخصص وہ آیت ہوگی جو علمِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہو۔ آیاتِ

اب احادیثِ صحیحہ اور روایات صادقہ سے اس آیتِ کریمہ کے عموم واستغراق اور علومِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت و بے پایانی کا اندازہ لگائیے۔

نمبرا۔ حضرتِ عبدالرحمٰن بن عائش و حضرت عبداللہ بن عباس و حضرتِ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

رأیت ربی عز وجل فی احسن صورۃ (الیٰ) فوضع کفہ بین کتفی فوجدت بردھا بین ثدیی فعلمت ما فی السمٰوٰت والارض وتلا وکذلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوات والارض ولیکون من الموقنین (مشکوٰۃ)

"میں نے اپنے رب تعالیٰ کا بہت بہتر حالت میں مشاہدہ کیا اس نے پوچھا کہ ملاءُ اعلیٰ اور جماعتِ ملائکہ کس مسئلہ میں بحث کر رہے تھے ! میں نے عرض کیا اے اللہ ! تو ہی بہتر جانتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے اپنا بے کیف دستِ قدرت میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی اور اس فیض و برکت سے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے سب جان لیا پھر آپ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا جس میں حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کے علمِ وسیع کو بیان کیا گیا یعنی ایسے ہی ہم حضرتِ ابراہیم کو مشاہدہ کراتے ہیں آسمانوں اور زمین کے عظیم ملک کا تاکہ

عموم کے بعد نازل ہوا اور کلام مستقل ہو اور اس میں ہر شے کے علم بہ تعلیم الٰہی کی نفی ہوتی ہو جو کہ ہمارا مدعا ہے ورنہ اصل مالک علمِ غیب اور جمیع خزائن صرف اللہ تعالےٰ ہے دوسرے سب اس کی عطا و بخشش کے محتاج ہیں۔ نیز ہماری دلیل قطعی الثبوت اور عموم پر قطعی الدلالت ہے لہٰذا مخصص بھی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہونا چاہیئے، ظنی الثبوت جس طرح اخبارِ احاد یا مشہور یا ظنی الدلالت جس طرح مؤولات اور مصروف عن الظاہر مثلاً قل لا یعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الا اللہ مخصص نہیں بن سکتی ورنہ ان کے ظاہری معنے کے لحاظ سے انبیاءِ کرام علیہم السلام کے لئے نفسِ علمِ غیب بھی ثابت کرنا منع ہو گا حالانکہ بعض علوم غیبیہ تو مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں لہٰذا علمِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے وہی آیات مخصص بن سکتی ہیں جو کہ آپ کے علمِ مخصوص پر دلالت کریں اور عموم و استغراق کے منافی ہوں، نیز ایک جگہ اگر لفظِ عموم خلافِ اصل اور خلافِ قاعدہ مجازی طور پر استعمال کر دیا تو اس سے ہر جگہ خلافِ عموم اور خلافِ وضع و اصل ہونا کیسے ثابت ہو سکتا ہے ورنہ سب قواعد و ضوابط باطل ہو جائیں کیونکہ ہر قاعدہ کے خلاف کوئی نہ کوئی جزئی مل جاتی ہے لہٰذا لفظ ما یہود کے حق میں عموم و استغراق کے لئے نہ سہی لیکن اس سے یہ کب لازم آگیا کہ علمِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم میں بھی عموم کے لئے نہ ہو ! کہاں ثریا کہاں ثری ؟ کہاں عرش نشین محبوب اور کہاں ارذل الخلائق یہود ! کہاں مقامِ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم اور کہاں سب امم میں سے ذلیل امت۔ نیز بالفرض ما کو

وہ یقینِ کامل رکھنے والوں میں سے ہو جائیں "

آیتِ کریمہ میں نعمتِ تعلیم کا بیان تھا اور اس حدیثِ پاک میں کیفیاتِ تعلیم اور طرقِ تفہیم میں سے ایک کیفیت اور طریقہ کا بیان ہے۔ آیتِ کریمہ میں لفظ "ما" کے عموم میں جو بحارِ علوم موجود ہیں مافی السمٰوات والارض میں ان کی تفصیل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ علمك مالم تعلم میں صرف نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے علم کا بیان تھا اس پر حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کے علم اور مشاہدۂ کائنات سے تائید پیش کی گئی اور اس علمِ عام اور مشاہدۂ تام کی حکمت پر بھی تنبیہ فرمادی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اتنے محیط اور وسیع علم کیوں عطا کئے جاتے ہیں تاکہ ان کے یقین میں کمال پیدا ہو اور یقین کامل حق الیقین کے درجہ تک پہنچے کیونکہ دلائلِ کثیرہ سے جو مدعیٰ ثابت ہو اس پر اعتماد و اعتبار زیادہ ہوگا اور جب مصنوعاتِ عالم سے ہر شئی اور ہر ذرہ اپنے خالق کی دلیل اور علامت ہے تو جتنا ان کا علم زیادہ ہوگا اتنا ہی ذاتِ باری تعالیٰ پر یقین کامل اور اکمل ہوگا۔

یہاں بھی عموم کے لئے لے لیتے ہیں لیکن پھر بھی علم میں برابری لازم نہیں کیونکہ التعلیم فعل یترتب علیہ العلم غالبًا "تعلیم وہ فعل ہے جس پر غالب طور پر علم مترتب ہو جاتا ہے " لیکن لازم نہیں کہ مترتب ہو لہذا یہود اپنی غباوت، کند ذہنی اور کج فہمی کی وجہ سے اقل قلیل بھی نہ جان سکیں تو اس سے تعلیم میں نقص کیسے لازم آسکتا ہے۔ وہی تعلیم ایک ذہین و فطین اور صاحبِ فراست و بصیرت کو دی جاتی ہے تو وہ تمام امور پر محیط ہو جاتا ہے لہذا بالفرض المحال لفظِ ما دونوں جگہ عموم کے لئے ہو اور تعلیم کا تعلق تمام امور سے ہو پھر بھی یہود کے علمِ ناقص پر علمِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیاس کا کوئی جواز موجود نہیں ع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔ اسی طرح بلقیس کے متعلق فرمایا گیا ہے اوتیت من کل شیئ یعنی اسے ہر چیز عطا کی گئی، یہاں " کل شیئ " عموم کے لئے نہیں اور خلافِ اصل استعمال کر دیا گیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر جگہ خلافِ اصل ہو۔ اگر اس طرح قواعد و ضوابط کا مذاق اڑایا جائے تو یوں بھی کہا جاسکے گا کہ للّٰہ ما فی السموات وما فی الارض یہاں بھی ما عموم کے لئے نہیں۔ ان اللہ علی کل شیئ قدیر یہاں بھی "کل شئی" عموم کے لئے نہیں ہے کیونکہ یہی لفظِ ما یہود کے حق میں مستعمل ہے اور معنی عموم مراد و مدلول نہیں۔ "کل شئی" کا لفظ بلقیس کے حق میں استعمال کیا گیا ہے حالانکہ اسے دنیا کی ہر شئے حاصل نہ تھی بلکہ حضرتِ سلیمان علیہ السلام کے ملک و سلطنت کے مقابل اس کی سلطنت کوئی حیثیت بھی نہیں رکھتی تھی۔ لہذا ایسی تاویلات باطلِ محض ہیں جن کے ماننے سے تمام قطعی عقائد بھی ظنی اور ناقابلِ اعتبار و اعتقاد ہو جائیں گے۔

منہ غفرلہٗ

فعلمت ما فی السمٰوات والارض میں علومِ مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو ٹھاٹھیں مارتے سمندر موجود ہیں، ذرا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا بیان سنئے فرماتے ہیں:۔ " عبارت است از تمام علوم کلوی وجزوی واحاطہ آن " یہ الفاظِ مبارکہ اور کلماتِ طیبہ تمام علوم کلیہ وجزئیہ اور ان کے احاطہ پہ دلالت کرتے ہیں اور اسی عموم و احاطہ کی تعبیر ہیں۔

حضرتِ معاذ بن جبل کی روایت میں یہاں فتجلی لی کل شیئٍ وعرفت کے الفاظ موجود ہیں یعنی اس دستِ بے کیف کی برکت سے ہر شی مجھ پہ روشن ہوگئی اور میں نے ہر شی کو پہچان لیا۔ نیز رؤیتِ حبیب علیہ السلام اور رؤیتِ خلیل علیہ السلام میں فرق بھی اسی محدثِ اعظم سے سنتے جائیے فرماتے ہیں:۔

اہلِ تحقیق گفتہ اند کہ تفاوت است درمیان ایں دو رؤیت زیرا کہ خلیل علیہ السلام ملک آسمان و ملک زمین را دید و حبیب علیہ السلام ہرچہ در آسمان و زمین بود از ذوات و صفات و ظواہر و بواطن ہمہ را دید و خلیل علیہ السلام حاصل شد مراد را الیقین بوجوب ذاتی و وحدت حق بعد از دیدن ملکوت آسمان و زمین چنانکہ حالِ اہلِ استدلال و اربابِ سلوک و محبان و طالباں میباشد و حبیب حاصل شد مراو را الیقین و وصول الی اللہ اول پس ازاں دانست عالم را و حقائق آنرا چنانکہ شان مجذوباں و محبوباں و مطلوباں است و اول موافق است بقول ما رأیت شیئا الا رأیت اللہ بعدہ وثانی بہ ما رأیت شیئا الا رأیت اللہ قبلہ و شتان بینھما۔

" اہلِ تحقیق نے فرمایا کہ حبیب علیہ السلام کے دیکھنے اور خلیل علیہ السلام کے دیکھنے میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ خلیل علیہ السلام نے ملکِ آسمان اور ملک زمین کو دیکھا اور حبیب علیہ السلام نے جو کچھ آسمان میں ہے اور زمین میں ہے ذوات وصفات اور احوال ظاہر و باطن سب کچھ دیکھا، دوسرا فرق یہ ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کو ملکوتِ

آسمان وزمین دیکھنے کے بعد وجوب ذاتِ باری تعالیٰ اور وحدتِ حق تعالیٰ کے ساتھ یقین کامل حاصل ہوا جیسا کہ اہلِ استدلال کا حال ہے اور اربابِ سلوک کا طریقہ ہے اور محبان اور طالبانِ بارگاہ کا حال ہے اور حبیب علیہ السلام کو مرتبہ یقینِ کامل اور وصول الی اللہ پہلے حاصل ہوا اور اس کے بعد عالم اور اس کے حقائق کا علم حاصل ہوا جیسا کہ مجذوبوں، محبوبوں اور مطلوبانِ بارگاہ کی شان ہے۔ پہلا دیکھنا معرفت کے اس مقام کے مناسب ہے جس کو ما رأیت شیئًا الا رأیت اللہ بعدہ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی جس شی کو بھی دیکھا اس کے بعد اس کے خالق جل وعلا کی معرفت حاصل ہوئی۔ ہر مصنوع اپنے صانع وخالق کے لئے مثلِ آئینہ بن گیا، اور حبیب علیہ السلام کا دیکھنا معرفت کے اس اعلیٰ وارفع مقام پر دلالت کرتا ہے جس کو ما رأیت شیئًا الا رأیت اللہ قبلہ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی جس شی کی طرف بھی نگاہ اٹھائی اس سے پہلے اس کا خالق وصانع نظر آیا اور اس کی ذات سے مخلوقات و مصنوعات کی معرفت حاصل ہوئی اور ان دونوں مقاموں میں بڑا ہی فرق ہے۔

نمبر۲۔ حضرتِ اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ خسوف پڑھائی پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور فرمایا:۔

ما من شیئٍ لم ارہ الا وقد رأیتہ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار

(بخاری جلد ثانی صفحہ ۱۰۸۲)

"کوئی بھی ایسی شی نہیں جس کو میں نے پہلے نہیں دیکھا مگر یہ کہ تحقیق ابھی اپنے اس مقام میں میں نے اس کو دیکھ لیا ہے حتی کہ جنت و دوزخ کو بھی۔"

نمبر۳۔ امام بخاری نے اس آیتِ کریمہ یا ایھا الذین اٰمنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم (اے ایمان والو ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو جو اگر بیان کر دی جائیں تو تمہیں رسوائی میں ڈالیں) کے تحت چند روایات علمِ مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء کی وسعت وبے پایانی سے متعلق درج فرمائی ہیں ملاحظہ فرما کر ایمان کو تازہ کیجئے:

عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ قال سئل رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم عن اشیاء کرھھا فلما اکثروا علیہ المسئلۃ غضب وقال سلونی فقام رجل فقال یارسول اللہ من ابی قال ابوک حذیفۃ (الحدیث)

" حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے چند چیزوں کے متعلق سوال کیا گیا جس کو آپ نے ناپسند فرمایا۔ جب لوگوں نے استفسار و استکشاف میں مبالغہ کیا اور اصرار کیا تو آپ ناراض ہو گئے اور فرمایا پوچھو جو بھی پوچھنا چاہتے ہو، ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یارسول اللہ میرا باپ کون ہے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے" (الحدیث)

شارح بخاری امام بدرالدین عینی اور صاحب فتح الباری وغیرہ نے فرمایا کہ جن اشیاء کے متعلق سوال کو آپ نے ناپسند فرمایا ان میں یہ بھی ہیں کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ حج ہر سال فرض ہے یا ساری عمر میں ایک مرتبہ؟ قیامت کب ہو گی؟ وغیرہ وغیرہ پہلے ان غیر موزوں اور غیر مفید سوالات کو نظر انداز فرمایا، جب سائلین کی ضد اور اصرار کو دیکھا تو ناراضگی میں فرمایا جو چاہتے ہو پوچھ لو، گویا بیان نہ فرمانا مصلحت کے تحت ہے نہ کہ لاعلمی اور بے خبری کی دلیل۔ تم اس مغالطہ میں نہ رہ جانا کہ مجھے علم نہیں، پھر جس نے پوچھا کہ میرا باپ کون ہے؟ وہ بھی بتلا دیا، جس نے پوچھا میرا ٹھکانا کہاں ہے؟ اسے بھی بتلا دیا الغرض جو کچھ بھی پوچھا گیا بتلا دیا گیا اور جو پوچھا جاتا بتلا دیا جاتا، کاش کوئی قیامت کے متعلق بھی سوال کر لیتا تو آج منکرین کا منہ بند ہو جاتا۔

نمبر ۴۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دن ڈھلنے کے بعد نماز ظہر ادا فرمائی۔ جب سلام پھیرا تو منبر پر تشریف فرما ہوئے اور غلاموں کو شرف خطاب سے مشرف فرمایا، قیامت کا ذکر فرمایا اور اس کے پہلے رونما ہونیوالے عظیم امور کا تذکرہ فرمایا پھر فرمایا من احب ان یسأل عن شیئ فلیسأل عنہ فو اللہ لا تسئلونی عن شیئ الا اخبرتکم بہ ما دمت فی مقامی ھذا۔

" جو شخص بھی کسی چیز کے متعلق سوال کرنا چاہتا ہے تو وہ سوال کرے بخدا تم مجھ سے

جس شئی کے متعلق بھی سوال کرو گے میں جب تک اپنے اس مقام میں ہوں تمہیں ضرور بتلاؤں گا۔"

حضرتِ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے بے اختیار رونا شروع کر دیا اور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے بار بار " پوچھ لو جو پوچھنا ہے، پوچھ لو" فرمایا۔ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ میرا ٹھکانا کہاں ہے؟ تو فرمایا کہ تیرا ٹھکانا دوزخ ہے، پھر حضرتِ عبداللہ بن حذافہ اٹھے اور عرض کیا میرا باپ کون ہے؟ تو ارشاد ہوا تیرا باپ حذافہ ہے (یعنی تو صحیح النسب ہے اور حلال نطفہ سے متولد ہوا ہے تجھ پر نسب کے لحاظ سے اعتراض غلط اور باطل ہے) پھر آپ نے بار بار فرمایا جو پوچھنا ہے پوچھ لو۔"

حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے جب وہ جلالیت اور حالتِ غضب مشاہدہ فرمائی تو بہ مشکل گھٹنوں کے بل کھڑے ہوئے اور عرض کیا رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد رسولا " ہم اللہ کے رب ہونے پر راضی ہیں اور اسلام کو بطور دین ہم نے پسند کیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور رسول اور راہنما کے اختیار کیا ہے۔" تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی اور سوال کر لو، پوچھ لو کے الفاظ کو دہرانا ترک فرما دیا اور فرمایا:-

والذی نفسی بیدہٖ لقد عرضت علی الجنۃ والنار آنفاً فی عرض ھذا الحائط وانا اصلی فلم ار کالیوم فی الخیر والشر۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھ پر جنت اور دوزخ ابھی اس دیوار کے عرض اور جسامت میں سے پیش کی گئی جبکہ میں نماز پڑھ رہا تھا لہٰذا میں نے آج کے دن جیسا بہتر دن جنت دیکھنے کے لحاظ سے اور شر والا دن دوزخ دیکھنے کے اعتبار سے نہیں دیکھا۔"

نمبر ۵۔ حضرتِ انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ ایک شخص نے

عرض کیا کہ میرا باپ کون ہے تو آپ نے فرمایا فلاں ۔ یعنی جو حقیقی باپ تھا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی : یاایھا الذین اٰمنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم ۔

بظاہر یہ تین الگ الگ روایات ہیں جو امام بخاری نے اس آیتِ کریمہ کے تحت درج فرمائی ہیں لیکن بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ ان تینوں کا مضمون ایک ہے ، محل ایک ہے ۔ دراصل مختلف سوالات کئے گئے تھے جن کا جواب مصلحت کے خلاف تھا جیسا کہ حضرت ابو موسےٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں تصریح فرمائی گئی ہے ۔ جب ان کو بار بار دہرایا گیا اور اکثار و اصرار کیا گیا تو معدنِ اسرار و رموز ، منبعِ علم و حکمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جوش میں آکر فرمایا پوچھ لو جو پوچھنا ہے بخدا میں جب تک اپنے اس مقام میں بیٹھا ہوں تم جو بھی پوچھنا چاہو گے پوچھتے جاؤ میں جواب دیتا جاؤں گا ۔ لیکن اب جذبۂ سوال سرد پڑ گیا ہے ، اصرار تو کہاں زبان میں ہلنے کی سکت بھی باقی نہیں رہی ۔ جلالِ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دل لرز گئے ہیں ، بدن کانپنے لگ گئے ہیں ، آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے ابل رہے ہیں ۔ حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ جیسی مقربِ بارگاہ ہستی بھی اور صاحبِ ہمتِ عظمےٰ اور مالکِ درجۂ علیا ، خسرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیبت و جلال سے اس قدر مرعوب ہیں کہ سیدھے کھڑے ہونے کی سکت نہیں ہے صرف گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر عرض کرتے ہیں رضینا باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد رسولا صلی اللہ علیہ وسلم ۔

گویا یہ سوالات شکوک و شبہات یا شک و ارتیاب کی بنا پر نہیں تھے مسلمانوں کا سوائے دریافتِ حقیقت کے اور کوئی مقصد نہیں تھا ہم اللہ کی ربوبیت پر رضامند ، دینِ اسلام پہ رضامند اور رسولِ خدا کی رسالت پہ رضامند ہیں ۔ تب محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا غضب و جلال فرد ہوا اور آپ نے سلونی سلونی " پوچھ لو جو پوچھنا ہے پوچھ لو " والے الفاظ سے سکوت فرمایا ۔

اس روایت میں چند امور قابل توجہ ہیں:۔

۱۔ امامِ بخاری نے یہ روایت اپنی فنِ حدیث کی ممتاز اور سرمایہ صد افتخار کتاب بخاری شریف میں متعدد مقامات پر مختلف اسلوب و انداز سے ذکر فرمائی ہے اور اس کثرت سے اس کا ذکر فرمایا ہے کہ اس کی صحت میں کسی قسم کا شبہ اور تردد نہیں ہو سکتا۔ پھر آیتِ کریمہ کا شانِ نزول بھی اسی واقعہ کو قرار دیا ہے جس سے اس روایت میں اور تقویت پیدا ہو گئی ہے۔

۲۔ محدثینِ کرام نے ناپسندیدہ سوالات میں قیامت کے متعلق سوالات کو بھی ذکر فرمایا۔

۳۔ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے علی العموم فرمایا جو چاہو پوچھ لو۔

۴۔ نیز حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کلام کو قسم کے ساتھ تاکید کے طور پر ذکر فرمایا کہ بخدا جو بھی پوچھو گے میں اس کی خبر دوں گا۔

۵۔ اس اعلان کو ایک دو بار نہیں بے شمار مرتبہ دہرایا۔

۶۔ صرف دو تین آدمیوں میں نہیں بلکہ نماز ادا فرمانے کے بعد ہزار ہا صحابہ اور حاضرین کے سامنے یہ اعلان فرمایا۔

۷۔ سلونی فرمایا اور تخصیص نہ فرمائی کہ فلاں شے سے سوال کرلو اور فلاں سے نہ کرو بلکہ مسئول کی تعیین مخاطبین کی مرضی پر چھوڑ دی تاکہ جو چاہیں پوچھیں۔

۸۔ مقامِ قسم میں لفظِ شی کو نفی کے تحت درج فرما کر عموم پر تنصیص فرما دی۔

۹۔ اسی نماز کے اندر جنت و دوزخ کا مشاہدہ فرمایا۔

۱۰۔ جس نے اپنا ٹھکانا پوچھا وہ بھی بتلا دیا، جس نے اپنے نسب کی تحقیق کے لئے اپنے باپ کے متعلق دریافت کیا وہ بھی بیان فرمایا۔

ان سب امور کو پیشِ نظر رکھنے کے بعد ایک امتی اور مخلص مومن کیلئے اس پر ایمان لانا لازم ہو جاتا ہے کہ آقائے دوجہاں، فخرِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک ہونے والے تمام حالات و واقعات اور پیدا ہونیوالی اشیاء

اور ان کی کیفیات وصفات اور زمانہ ماضی کے پوشیدہ امور ومخفیات پر مطلع ہیں اور ماکان وما یکون میں سے کوئی شے ان کی نگاہِ حق بین سے مخفی و پوشیدہ نہیں خواہ اس کا تعلق امورِ دین سے ہو یا دنیا سے ہو، ما فی الارحام سے ہو یا آخرت و قیامت سے۔ اور کسی مسلمان کیلئے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے قسمیہ اعلان اور حلفیہ بیان کے بعد اس بحث کی گنجائش نہیں رہتی کہ فلاں شے جانتے تھے اور فلاں سے بے خبر تھے نعوذ باللہ۔

نکتہ ۱: بعض لوگ پوری ڈھٹائی سے کہہ دیتے ہیں کہ آپ کا یہ اعلان صرف امورِ دین سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا دینی و دنیوی اور اخروی تمام امور پر اطلاع ثابت نہیں ہو سکتی جواباً گذارش ہے اولاً حدیثِ پاک میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو اس تخصیص پر قرینہ اور علامت بن سکے بلکہ الفاظ عام ہیں لہٰذا اس عموم پر ہی اعتماد ہوگا یہ تخصیص بلا مخصص باطل محض ہو گی۔

ثانیاً یہ کلام صداقت نشان ان لوگوں کے جواب میں صادر ہوئی جو کہتے ہیں میری اونٹنی کہاں ہے، میرا باپ کون ہے؟ قیامت کب ہوگی؟ میرا ٹھکانا کہاں ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ سوالات امورِ دین سے تعلق رکھتے ہیں؟ تاکہ اس اعلانِ عام کو بھی امورِ دین کے ساتھ خاص کیا جا سکے؟

ثالثاً سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان معجز نشان کے بعد پوچھا گیا کہ میرا باپ کون ہے یا میرا ٹھکانا کہاں؟ تو حضور نے کیوں نہ فرمایا کہ میں نے تو صرف امورِ دین کے متعلق کہا ہے اور یہ چیزیں تو دین سے تعلق نہیں رکھتیں، اور اگر یہ سب سوالات امورِ دین سے ہیں تو پھر وہ کونسی شے باقی بچے گی جو امورِ دنیا سے تعلق رکھتی ہو اور دین سے تعلق نہ رکھتی ہو لہٰذا یہ محض شیطانی وسوسہ ہے اور احتمالِ باطل۔

نکتہ ۲: سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ عبداللہ رضی اللہ عنہ کے صحیح النسب ہونے کی خبر دی جو مافی الارحام سے تعلق رکھتی ہے اور منافق کے پوچھنے پر

بالغرض اگر ان امور میں سے کوئی شے ان پر مخفی تھی اور اس پر مطلع نہیں تھے
تو اس قدر عام دعویٰ اور علی الاعلان کہ جو چاہو پوچھ لو اور بار بار اس پر اصرار و تکرار

کہ میرا ٹھکانا کہاں ہے فرمایا "دوزخ" اس امر کا تعلق ماذا تکسب غدًا سے ہے یعنی کوئی شخص کل کیا کرے گا مومن ہو گا یا کافر رہے گا جنتی ہو گا یا دوزخی لیکن سید کائنات علیہ افضل الصلوات نے دونوں کو بیان فرمایا تو معلوم ہوا کہ مغیبات خمسہ (قیامت، بارش کا نزول، پیٹ میں کیا ہے مذکر یا مونث، جگہ وفات، کل کا حال) کا علم بھی سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو باعلام اللہ ہے۔ ان میں سے جو پوچھا گیا بیان فرمادیا اگر قیامت سے سوال کیا جاتا اور دوسرے امور سے بھی تو آپ یقیناً وہ بھی بیان فرما دیتے لیکن سوال نہیں کیا گیا اور اس کا وقت مخصوص بیان کرنا مصلحت اور مشیت ایزدی کے خلاف تھا لہذا ظاہر نہیں فرمایا نہ یہ کہ معلوم ہی نہیں ورنہ دعوئ عموم و استغراق جو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صحیح نہ رہے گا وھذا باطل؛ نیز قائل بالفصل تو کوئی بھی نہیں، جو نہیں مانتے وہ پانچ میں سے کسی کو نہیں مانتے اور جو بتعلیم الٰہی تسلیم کرتے ہیں وہ پانچوں کا علم محرم اسرار خداوندی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلیم کرتے ہیں لہذا جب بعض کا علم بالفعل صراحۃً ثابت ہو گیا تو باقی کا علم بھی اس قاعدہ " عدم القائل بالفصل" کے تحت ثابت ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان موعدکم الحوض وانی لانظر الیہ وانا فی مقامی ھذا (مشکوٰۃ) "میرا اور تمہارا مقام ملاقات حوض ہے اور میں اس کو اب اپنی اس جگہ سے دیکھ رہا ہوں" وہ حوض میدان محشر میں ہو گا، جب وہ اسی وقت سے پیش نظر ہے تو باقی منظر کیونکر پیش نظر نہ ہو گا اور وہ دن اور اس کا تعین کیوں معلوم نہیں۔ بفرض المحال خلاف عقل و نقل محض ارخاء عنان کے طور پر یہ تسلیم کر لیں کہ قیامت کا علم نہیں تھا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم علیہ السلام کو یہ بتلا دیا تھا کہ وہ اس سے متعلق سوال نہیں کریں گے یا نہیں بتلایا تھا۔ پہلی صورت میں اس

ایک عام آدمی کو زیب نہیں دیتا اور کسی بھی با اخلاق آدمی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ایسا دعوٰے کرے چہ جائیکہ ایک نبی کو علی الخصوص نبی الانبیاء امام الرسل مولائے کل

بلند بانگ دعوٰے سے کونسا وصف کمال ثابت ہوگا یہی کہ پوچھنا تو کسی نے ہے نہیں لہٰذا محض زبانی زبانی اپنے وفورِ علم کی دھاک بٹھالو اور دوسری صورت میں ان کا قیامت سے سوال کرنا ممکن ہے بلکہ سب سے اول اور مقدم یہی سوال تھا تو اس تقدیرِ ممکن پر رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا جانا ممکن تھا یا نہیں، اگر ناممکن اور محال تھا اور اس پر اطلاع موجب شرک ہو تو دعویٰ عام اس امید پر کرنا کہ جو بھی پوچھیں گے اللہ تعالٰے فوراً مجھے مطلع کر دے گا مستلزم ہوگا اس چیز کو کہ معاذ اللہ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو موجبات شرک وکفر کا بھی علم نہ ہو اور باری تعالٰے کے صفاتِ مختصہ کا بھی علم نہ ہو حالانکہ ہر نبی کے لئے اللہ تعالٰے کے صفاتِ مختصہ کا علم جو اس کے حق میں جائز یا محال ہے اس کا علم واجب وضروری ہے ورنہ وہ نبی توحیدِ باری کو بیان کر ہی نہیں سکتا اور اگر اللہ تعالٰے کیطرف سے مطلع کیا جانا ممکن تھا تو پھر محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم میں ایک ممکن امر کو تسلیم کر لینے سے شرک جیسا استحالہ کیسے لازم آسکتا ہے اور وہ شمع نبوت کے پروانے جو دلائل سے اس علم کو ثابت کرتے ہیں کفر و شرک کے فتوے کے مستحق کیسے بن سکتے ہیں نیز جب قیامت قائم ہوگی اور سارے انسان اس کا مشاہدہ کر لیں گے تو اس وقت اللہ تعالٰے اور بندوں میں اس علم کے اندر مساوات واشتراک لازم آئے گا یا نہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر پہلے با علام اللہ جان لینے سے شرک اور برابری کیسے لازم آئیگی؟ اگر اس علم اور مشاہدہ کے شرک نہ ہونے کی یہ وجہ ہے اور یقیناً یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالٰے اس دن اور اس کے تعین کو ازل سے جانتا ہے اور مخلوق نے اب اسے جانا ہے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ظہور کے بعد دورانِ نبوت محض تعلیمِ الٰہی سے اسکو جانا ہے لہٰذا اب بھی مساوات وشرک کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا۔

صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ کیا اس صورت میں یہ فریبِ محض اور مکرِ مکہ وہ نہیں ہوگا اور ایسے نبی کی اتباع کوئی عقلمند کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہے؟ نہیں نہیں سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعویٰ محض دعویٰ نہیں بلکہ حقیقت ہے اور یہ محض ایک اعلان نہیں بلکہ حقیقت اور واقعہ کا بیان ہے ؎

سرِ عرش پر ہے تیری گزر دلِ فرش پر ہے تیری نظر!
ملکوت و ملک میں کوئی شی نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

نمبر ۶۔ حضرتِ ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ زوی لی الارض فرأیت مشارق الارض ومغاربھا (مسلم شریف و مشکوٰۃ)

"رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لئے سمیٹ دیا اور اس کے اطراف وجوانب کو میرے سامنے حاضر کر دیا پس میں نے تمام جوانب اور اطراف واکناف کا مشاہدہ فرمالیا۔"

نمبر ۷۔ معجم طبرانی میں ہے :-

ان اللہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیٰمۃ کانما انظر الی کفی ھذا۔

"اللہ تعالیٰ نے میرے لئے تمام دنیا پر سے حجاب اور پردہ اٹھا دیا لہذا میں اس کی طرف اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے کہ گویا میں اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔"

نمبر ۸۔ مسلم شریف میں عمرو بن اخطب سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح سے غروب آفتاب تک خطاب فرمایا "ماسوائے اوقاتِ صلوٰۃ" فاخبرنا بما ھو کائن الی یوم القیٰمۃ "پس خبر داد مارا بچیزے کہ پیدا شوندہ است از حوادث و وقائع و عجائب و غرائب تا روزِ قیامت (اشعۃ اللمعات)" پس آپ نے ہمیں ہر چیز بیان فرمائی جو روزِ قیامت تک پیدا ہونیوالی ہے خواہ حوادث و

وقائع سے تھی یا عجائب و غرائب سے۔"

نمبر۹۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:۔

قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاما ما ترک شیئا یکون فی مقامہ ذٰلک الیٰ قیام الساعۃ الا حدث بہ حفظہ من حفظہ ونسیہ من نسیہ الحدیث۔

"رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے اندر ایک مقام میں قیام فرما ہوئے پس آپ نے وقتِ قیام سے لیکر قیامِ قیامت تک ہونیوالی ہر شئے کی خبر دی جو یاد رکھ سکا اس نے یاد رکھا جو بھول گیا سو بھول گیا۔"

نمبر۱۰۔ تفسیر خازن اور معالم التنزیل میں ماکان اللہ لیذر المؤمنین علیٰ ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب کے تحت نقل فرمایا ہے کہ:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرضت علی امتی فی صورھا فی الطین کما عرضت علی اٰدم واعلمت من یؤمن بی ومن یکفر بی (الی) زعم محمد انہ یعلم من یؤمن بہ ومن یکفر بہ ممن لم یخلق بعد ونحن معہ وما یعرفنا (الی) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما بال اقوام طعنوا فی علمی لا تسئلونی عن شیئ فیما بینی وبینکم وبین الساعۃ الا انبأتکم بہ۔

"رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری ساری امت اپنی خاکی صورتوں میں پیش کی گئی جیسا کہ اشیاء آدم علیہ السلام پر پیش کی گئیں اور مجھے جتلا دیا گیا ہے کہ کون ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا، جب منافقین کو آنحضور کا یہ وصفِ کمال معلوم ہوا تو جل بھن گئے اور زبانِ طعن دراز کرتے ہوئے کہا کہ محمد کا گمان ہے کہ جو ابھی موجود نہیں ہوئے میں ان کے ایمان و کفر اور ان میں سے مومن و کافر کو جانتا ہوں حالانکہ ہم منافق و کافر ان کے ساتھ رہتے ہیں

اور ہمارے کفر و نفاق کا تو پتہ نہیں، جب یہ طنز اور طعن و تشنیع سمع نبوی تک پہنچی تو آپ منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جنہوں نے میرے علم پر اعتراض کیا ہے تم اب سے لے کر قیامت تک جو چاہو پوچھو میں تمہیں بتلاؤنگا" حضرت عبداللہ بن حذافہ نے عرض کیا میرا باپ کون ہے؟ فرمایا حذافہ! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا رضینا باللہ ربا و بالاسلام دینا وبالقرآن اماما وبك نبیا فاعف عنا عفا اللہ عنك فاعف عنا عفا اللہ عنك فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فھل انتم منتھون فھل انتم منتھون۔

"ہم اللہ کی ربوبیت پر راضی، دینِ اسلام پر رضامند، قرآن کو امام و راہنما ماننے پر رضامند اور آپ کی نبوت پر رضامند ہیں ہمیں معاف فرمائیں اللہ آپ سے درگزر فرمائے، ہمیں معاف فرمائیں اللہ آپ سے درگزر فرمائے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اعتراض کرنے والو کیا تم اپنے اعتراض سے باز نہیں آؤ گے؟ اے طعن کرنے والو کیا تم اس حرکت سے باز نہیں آؤ گے؟

ے اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک ہونیوالے تمام امور کا علم محیط ہے نیز یہ کہ آپ کے علم میں نقص نکالنا اور اس پر اعتراض کرنا منافقین کا کام ہے نیز اللہ تعالٰے نے منافقین کے اس قول کا مبنیٰ فاسد بیان کر کے اس کا رد ادیا۔ ان کا گمان یہ تھا کہ اگر انہیں یہ غیوب معلوم ہوتے تو ہمیں بھی بیان کر دیے جاتے اور جب ہم کو اطلاع نہیں دی گئی تو معلوم ہوا کہ خود بھی نہیں جانتے اللہ تعالٰے نے فرمایا ماکان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء فامنوا باللہ ورسلہ "اللہ کو یہ زیبا نہیں" اور اس کی شانِ رفیع سے یہ بعید ہے کہ وہ تمہیں غیب پر مطلع کرے لیکن وہ اظہارِ غیب کے لئے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب فرما لیتا ہے پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ، ان اعتراضات کو ترک کر دو اور انہیں اپنی ذاتوں پر قیاس نہ کرو۔ معلوم ہوا کہ ان مقدس ہستیوں پر اعتراض کرنا، انہیں اپنی ذاتوں پر قیاس کرنا بالکل درست نہیں بلکہ منافقت کی علامت ہے ایمان و اسلام کے خلاف ہے اسی لئے بطور تفریع و ترتب فرمایا فامنوا باللہ ورسلہ۔

منہ غفرلہ الاحد

نمبر ۱۱ حضرتِ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف تشریف لائے اور آپ کے دونوں ہاتھوں میں کتابیں تھیں۔ فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کیسی کتابیں ہیں؟ ہم نے عرض کیا کہ سوائے آپ کے بتلانے کے ہمیں کیسے علم ہو سکتا ہے؟ آپ نے اپنے داہنے ہاتھ والی کتاب کیطرف اشارہ کر کے فرمایا:۔

ھذا کتاب من رب العالمین فیہ اسماء اھل الجنۃ واسماء اٰبائھم واسماء قبائلھم ثم اجمل علیٰ اٰخرھم

"یہ رب العالمین کی طرف سے بھیجی ہوئی کتاب ہے جس میں اہلِ جنت کے نام ہیں اور ان کے آباء واجداد اور قبائل کے نام ہیں اور آخر میں ان کا میزان دیا ہوا ہے" فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم "نہ ان میں اضافہ کیا جائے گا اور نہ ان میں کمی کی جائے گی"

پھر دوسرے ہاتھ مبارک والی کتاب کیطرف اشارہ کر کے فرمایا:۔

ھذا کتاب من رب العالمین فیہ اسماء اھل النار واسماء اٰبائھم و قبائلھم ثم اجمل علیٰ اٰخرھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم۔

"یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے بھیجی ہوئی ہے جس میں دوزخیوں کے نام ہیں اور ان کے آباء واجداد اور قبائل کے نام ہیں آخر میں ان کا میزان دیا گیا ہے نہ ان میں اضافہ کیا جائے گا اور نہ ہی کمی کی جائے گی" (مشکوٰۃ)

اس حدیث پاک سے واضح ہو گیا کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمام اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کو جانتے ہیں۔ ان کے آباء واجداد، حسب ونسب کو جانتے اور سب میزان بھی آپ کو معلوم ہے اور کون مومن ہو گا اور کون کافر، یہ سب کچھ بھی آپ کو معلوم ہے۔ شیخ عبدالحق فرماتے ہیں:۔

ظاہر حدیث دراں است کہ صحابہ را آں دو کتاب نیز نمود و اہلِ باطن د

ارباب مکاشفہ گویند وجود کتاب حق است و محمول بر حقیقت بے شائبۂ مجاز۔

"حدیثِ پاک سے ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقت میں دو کتابیں آپ کے ہاتھ میں تھیں جو آپ نے صحابہ کرام کو بھی دکھائیں۔ اہلِ باطن اور ارباب کشف فرماتے ہیں کہ وجودِ کتاب ناقابلِ تردید حقیقت ہے جس میں مجاز اور خلافِ واقع کا شائبہ تک نہیں۔"

امام غزالی فرماتے ہیں خواص کا امتیاز عوام سے دو وجہ کے ساتھ ہوتا ہے خواص کو محض عطاءِ الٰہی سے حاصل ہو جاتا ہے جسے علمِ لدنی کہتے ہیں، دوم عوام جو کچھ خواب میں دیکھتے ہیں خواص عالمِ بیداری میں چشمِ شہود سے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

وچوں خواصِ امت را ایں مرتبہ حاصل بود نکیف سید المرسلین راصلی اللہ علیہ وسلم ومشائخ گفتہ اند ہر کہ ایں اعتقاد ندارد ایمان بحقیقتِ نبوت ندارد (اشعۃ اللمعات)

"اور جب کہ خواصِ امت کو یہ مرتبہ حاصل ہو تو سیدِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکر یہ مقام بلکہ اس سے ارفع و اعلیٰ حاصل نہیں ہوگا۔ مشائخ کرام نے فرمایا جو اس پر ایمان نہیں رکھتا وہ حقیقتِ نبوت پر ایمان نہیں رکھتا، وہ مقامِ نبوت و رسالت سے بے خبر ہے۔"

نمبر ۱۲ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اطت السماء وحق لها ان تئط ما فيها موضع قدم الا وفيها ملك واضع جبهته لله ۔ (تفسیر کبیر زیرِ آیت ان الله اصطفیٰ آدم و نوحا و آل ابراهيم و آل عمران على العالمين)

"آسمان سے چڑچڑاہٹ کی آواز نکلی ہے اور حق بھی یہی ہے کہ اس سے یہ آواز نکلے کیونکہ اس میں کوئی بھی قدم بھر ایسی جگہ نہیں جہاں فرشتہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز نہ ہو۔"

نمبر ۱۳ حضرتِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے :-

بینما جبریل قاعد عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ سمع نقیضا من السماء فرفع رأسہ الیہ فقال ھذا باب من السماء فتح الیوم لم یفتح الا الیوم فنزل منہ ملک فقال ھذا ملک نزل الی الارض لم ینزل قط الا الیوم ج ۱ ص ۱۷۱ مسلم

"اس وقت کہ جبریل علیہ السلام بارگاہ نبوت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر تھے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے آواز سنا اور سرِ مبارک اس کی طرف اٹھایا اور فرمایا کہ آسمان کا یہ دروازہ آج کھولا گیا ہے اور آج سے پہلے نہیں کھولا گیا پس اس سے ایک فرشتہ نازل ہوا فرمایا یہ فرشتہ آج نازل ہوا ہے آج سے پہلے زمین پر نہیں اترا۔"

نمبر ۱۴ معراج کے موقع پر جنت میں سیر فرما رہے ہیں اور حضرتِ بلال رضی اللہ عنہ کے زمین پر چلنے کی آواز سماعت فرمائی انی سمعت دف نعلیک بین یدی فی الجنۃ۔

نمبر ۱۵ حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی قرارت آپ نے جنت میں سنی

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخلت الجنۃ فسمعت فیہا قراءۃ فقلت من ھذا فقالوا حارثۃ بن النعمان (مشکوٰۃ) "آپ نے فرمایا میں جنت میں داخل ہوا تو اس میں قرارت سنی میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ تو فرشتوں نے عرض کیا حارثہ بن نعمان ہے۔"

نمبر ۱۶ نعیم بن عبداللہ نحام کی کھانسی کو جنت میں سنا اسی وجہ سے اس کا نام نحام مشہور ہو گیا یعنی بہت ہی زیادہ کھانسنے والا جس کی کھانسی کا آواز جنت تک پہنچ گیا۔ گویا فرش پر بیٹھے ہوئے آسمان، جنت، عرش اور تمام ملائکہ پیشِ نظر ہیں آسمان اور جنت میں موجود ہیں تو فرشِ ارض پر ہونے والے احوال پیشِ نظر ہیں سے

ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

نمبر۱۷ مکہ شریف میں تشریف فرماہیں کفار معراج کی خبر سن کر بیت المقدس کے متعلق سوالات شروع کر دیتے ہیں۔ آپ بیت المقدس کو دیکھ کر تمام سوالات کا جواب دیتے جاتے ہیں فرفعہ اللہ لی انظر الیہ ما یسئلونی عن شیئ الا انبأتہم (مشکوٰۃ شریف) "برداشت حجاب از آں" (اشعۃ اللمعات)۔ ملاعلی قاری نے مرقات میں فرمایا رفع الحجاب بینی وبینہ لانظر الیہ واخبر الناس "درمیان سے حجاب اٹھادئے گئے تاکہ میں دیکھ کر بتلادوں"۔

نمبر۱۸ مدینہ طیبہ میں تشریف فرماہیں اور ادھر حضرتِ عباس جنگِ بدر کی تیاری کے لئے مکہ مکرمہ میں اپنا متاع زر وسیم اپنی بیوی ام الفضل کو ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں دفن کر رہے ہیں تاکہ اگر میں واپس نہ آسکوں تو تیرے کام آجائے۔ جب کفار میدانِ بدر میں شکست کھا گئے، ستر مارے گئے اور ستر قید ہو گئے تو قیدیوں میں حضرتِ عباس بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے۔ آپؐ نے فرمایا چچا! فدیہ دیدو آزاد کر دوں گا۔ عرض کی میں غریب ہوں مال نہیں رکھتا فدیہ کیسے ادا کروں؟ فرمایا اے چچا میرے سامنے اتنی غلط بیانی، وہ سونا کس کا ہے جو تو نے ام الفضل کو ساتھ لیکر مکہ شریف میں فلاں جگہ دفن کیا۔ حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ اس غیبی خبر کو سن کر فوراً مسلمان ہو گئے۔

نمبر۱۹ مدینہ طیبہ میں تشریف فرماہیں اور قادیانِ گورداسپور میں پیدا ہونیوالے فتنہ کی خبر دے رہے ہیں۔ حضرتِ عنبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

سینشأ نشو من قبل المشرق یقولون لاجہاد ولا رباط اولئک ہم وقود النار (کنز العمال ابن عساکر عن انس جلد ۲ صـ۲۶۳ کتاب الجہاد)

"عنقریب مشرق کی جانب سے ایک گروہ پیدا ہوگا جو کہیں گے نہ جہاد جائز ہے اور نہ سرحدوں پر حفاظتی چوکیاں اور نگران دستے متعین کرنا وہ لوگ آگ کا

ایندھن ہیں، جہاد اتنے وقت تک جاری رہے گا جب تک زمین سبزہ اگاتی رہے گی اور آسمان برساتا رہے گا۔

چنانچہ مرزا قادیانی نے وہی راگ الاپا ہے

چھوڑ دو اب دوستو جہاد کا خیال
حرام ہے دیں کے لئے لڑنا اور قتال

کہتا ہے میں اس خونی مذہب کو مٹانے آیا ہوں اور یہ کہ میں نے جہاد کی حرمت اور انگریز کی امداد و اعانت کے وجوب کو ثابت کرنے کے لئے سینکڑوں ہزاروں رسالے لکھے اور تقسیم کئے صرف ہندوستان میں نہیں بلکہ بیرونِ ملک بھی تقسیم کرائے (ماخوذ از قادیانی مذہب)

قربان جائیے نگاہِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ صدیوں پہلے اس واقعہ کی خبر دے دی اور مرزا صاحب نے بڑے غور و فکر کے بعد اور مدتِ مدیدہ تک کتبِ احادیث و تفاسیر اور دیگر تصانیف کا مطالعہ کرنے کے بعد بڑے محتاط انداز میں درجہ بدرجہ دعوئ نبوت کیطرف ترقی فرمائی۔ پہلے مجدد بنے، پھر امامِ مہدی بن گئے پھر مسیحِ موعود بن بیٹھے، بالآخر منزلِ مقصود یعنی نبوت ورسالت پر آپہنچے۔ ہر حدیث اور روایت کی تاویل کردی اور اپنے لئے راستہ پیدا کرنے کی بھرپور سعی کی لیکن اس عالمِ ماکان و مایکون رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی امتیازی اور ناقابلِ اشتراک علامت بیان فرمائی جس نے مرزا صاحب کی سب تاویلات اور من گھڑت توجیہات پر پانی پھیر دیا اور ان کے افتراء و کذب کو واضح فرما دیا اور ان کا اور ان کے متبعین کا انجام بھی واضح فرما دیا اولٰئک ھم وقود النار۔

نمبر ۲ حضرتِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام اور یمن کے متعلق دعائے برکت فرمائی اللھم بارک لنا فی شامنا و بارک لنا فی یمننا " اے اللہ ہمارے لئے ہمارے شام میں برکت عطا فرما اور ہمارے لئے ہمارے یمن میں برکت عطا فرما"، صحابہ کرام نے عرض

کیا کہ ہمارے نجد کے لئے بھی دعا فرما دیں آپ نے دوبارہ اللھم بارک لنا فی شامنا اللھم بارک لنا فی یمننا فرمایا اور نجد کا نام تک نہ لیا، پھر عرض کیا گیا کہ نجد کے متعلق بھی دعاءِ برکت فرما دیں آپ نے پھر فرمایا اللھم بارک لنا فی شامنا اللھم بارک لنا فی یمننا اور نجد کے متعلق فرمایا ھناک الزلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطان "نجد میں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہاں سے ایک شیطانی گروہ پیدا ہوگا۔"

یہ فتنے اور زلزلے اور شیطانی گروہ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین کی صورت میں بارھویں صدی کے اندر رونما ہوئے جس کی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اطلاع دے دی تھی۔

الغرض یہ محبوب فرش پہ بیٹھے آسمانوں اور افلاک وعرش کی چیزوں پر مطلع ہے اور آسمان وجنت یا سرِ عرش پہ ہو تو فرشِ زمین کی ہر شے پر مطلع ہے شمال وجنوب اور مشرق ومغرب کے واقعات ان کے پیشِ نظر ہیں گویا جہاتِ ستہ ان کے سامنے سمٹ کر جہتِ مقابل بن چکے ہیں اور یہ عرش نشین رسول ہر جگہ کے احوال بیان فرما رہے ہیں اعلیحضرت بریلوی نے فرمایا ؎

شش جہت سمت مقابل شب و روز ایک ہی حال
دھوم والنجم میں ہے آقا تیری بینائی کی!

نمبر ۲۱ صرف یہ نہیں کہ موجودات ومحسوسات کا مشاہدہ فرمایا اور غیر محسوس اور غیر مرئی امور آپ کی نگاہِ حق بین سے اوجھل رہے یا صرف اپنے زمانۂ اقدس میں ظہور پذیر اشیاء کو دیکھا، ماضی ومستقبل کے حوادثات وواقعات اس چشمِ خدا بین سے پوشیدہ رہے بلکہ زمانہ بمع زمانیات کے اور مکان عالم بمع مکانیات بارگاہِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر کر دیا گیا اور سب زمانیات ومکانیات کو ملاحظہ فرما رہے ہیں اس پر شاہدِ صادق اور دلیلِ ناطق احادیث وروایات پہلے بھی درج ہو چکی ہیں قدرے اور ملاحظہ فرمائیں اس کوثرِ علوم وحکم اور برزخِ حدوث وقدم

صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ کامل سے بصیرت حاصل کرتے جائیں۔
حضرتِ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک بلند ٹیلے پر چڑھے اور صحابہ کرام کو فرمایا:۔

هل ترون ما ارٰی قالوا لا قال انی لاریٰ الفتن تقع خلال بیوتکم کوقع المطر (مشکوٰۃ)

"کیا تم بھی دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں! فرمایا میں فتنوں اور فسادات کو جنگ و جدال کو تمہارے گھروں میں گرتے اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے کہ بارش کے قطرات گرتے ہیں۔"

نمبر ۲۲ ابوداؤد اور بیہقی نے عاصم بن کلیب کی سند سے نقل کیا ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی معیت میں ایک جنازہ پر تشریف لے گئے۔ جب مراجعت فرما ہوئے تو متوفی کی بیوی کیطرف سے ایک آدمی آپ کو دعوت دینے کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے اس دعوت کو قبول فرمالیا اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ کھانا لاکر پیش کیا گیا۔ آپ نے ہاتھ مبارک کھانے کے لئے بڑھایا اور کھانے لگے۔ ہم نے آقائے دوجہاں فخرِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ لقمہ کو منہ میں اس طرح لئے ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں یہ گوشت ایسی بکری کا ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کی گئی ہے فنظرنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلوک لقمۃ فی فیہ ثم قال اجد لحم شاۃ اخذت بغیر اذن اھلھا۔

جب گھر والوں کو اس سمیع و بصیر نبی کا یہ فرمان سنائی دیا تو اس بیوہ نے معذرت کرتے ہوئے عرض کیا کہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ ہم نے نقیع (جو کہ جانوروں کی منڈی تھی) میں آدمی بھیجا، وہاں کوئی جانور نہ ملا۔ ہمارے پڑوسی نے بکری خریدی تھی اس کا پتہ کرایا وہ گھر میں نہ ملا۔ اس کی بیوی سے کہا تو اس نے اس خیال پر بکری ہمیں دے دی کہ میں بہر صورت اپنے خاوند کو راضی کرلوں گی۔ آپ نے فرمایا کھانا قیدیوں اور غلاموں کو کھلا دو۔ ہم یہ کھانا نہیں کھاتے (بوجہ کمالِ تقویٰ احتراز کیا)

نمبر ۲۳ حجۃ الوداع کے موقع پر جب آپ وادیٔ عسفان میں داخل ہوئے تو فرمایا:

كانی انظر الی یونس علیہ السلام علی ناقۃ حمراء علیہ جبۃ صوف خطام ناقتہ خلبۃ مارا بھذا الوادی ملبیا۔

"گویا کہ میں حضرتِ یونس علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں، سرخ اونٹنی پر سوار ہیں، اونی جبہ زیبِ تن کئے ہوئے ہیں، ان کی اونٹنی کی مہار کھجور کے چھلکے کی ہے اس وادی سے تلبیہ کہتے ہوئے گزر رہے ہیں" (لبیک اللھم لبیک کہتے ہوئے) (مشکوٰۃ) اسی طرح حضرتِ صالح علیہ السلام کے متعلق بھی روایت ہے جس کو شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ نے مدارج النبوت میں درج فرمایا ہے۔

نمبر ۲۴ جب وادی ارزق میں قدم رنجہ فرمایا تو صحابہ سے استفسار کیا ۔

ای واد ھذا قالوا ارزق قال کانی انظر الی موسٰی علیہ السلام فذکر من لونہ وشعرہٖ واضعا اصبعیہ فی اذنیہ لہ جوار الی اللہ بالتلبیۃ مارا بھذا الوادی (مشکوٰۃ)

"یہ کونسی وادی ہے؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی وادئ ارزق ہے، فرمایا گویا کہ میں موسٰے علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں، پس آپ نے ان کی رنگت اور بالوں کی کیفیت قدرے بیان فرمائی، وہ اس وادی میں سے گزر رہے ہیں اپنی دونوں انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں رکھے ہوئے ہیں، تلبیہ کہتے ہوئے اپنے رب کی بارگاہ میں عاجزی و زاری کناں ہیں" بعض روایات میں ان کا ستر ہزار بنی اسرائیل کی معیت میں حج کے لئے آنا بیان کیا گیا ہے جیسا کہ شیخ محقق نے فرمایا "می بینیم موسٰی علیہ السلام را کہ با ہفتاد ہزار نفر بنی اسرائیل برائے حج مے آید" (مدارج النبوت)

اشعۃ اللمعات میں شیخ صاحب نے فرمایا :-

بعضے از اہلِ تحقیق می گویند کہ ہم دراں وقت دید کہ در حالتِ حیات داشتند وایں در عالمے باشد کہ دراں جا ماضی و حال و مستقبل نیست لیس عند اللہ صباح ولا مساء ے

آنکہ غافل نیست از حق یک نفس ماضی و مستقبلش حال است و بس

"بعض اہلِ تحقیق نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان انبیاء کرام علیہم السلام کو اس زمانہ میں آتے ہوئے دیکھا جبکہ وہ حیاتِ ظاہرہ میں حج کے لئے تشریف لائے تھے، وہ زمانہ بمع اہلِ زمان کے نبی اعظم امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر کر دیا گیا اور یہ اس جہان کی بات ہے جہاں ماضی و مستقبل سب حال ہے، شہود ہی شہود ہے اور حضور ہی حضور ہے، غیب وخفا نام والی کوئی شئی نہیں ہے۔ یعنی یہ قربِ خداوندی اور وصول الی اللہ، فنا فی اللہ والا مقام ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں یعنی لامکاں میں صباح ومساء نہیں ہے، وہاں گردشِ لیل ونہار نہیں اور ماضی ومستقبل والی تقسیم نہیں ہے۔ یہ تو سیدِ رسل ہیں، امامِ کل، کاشفِ سُبل ہیں جو بھی ان کی اتباع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہمہ تن مصروف ہو جائے ماضی ومستقبل ان کے سامنے بھی حال بن جاتا ہے۔ مدارج النبوت میں شیخِ محقق نے اس معنیٰ کو سب معنوں سے عمدہ اور بہتر فرمایا ہے فلینظر ثمہ۔

نمبر ۲۵ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

انی لاعلم اٰخر اھل النار خروجا منھا واٰخر اھل الجنۃ دخولا فیھا

"میں اس آدمی کو اب جانتا ہوں جو سب دوزخیوں کے بعد دوزخ سے نکلے گا اور سب سے آخر میں جنت کے اندر داخل ہوگا" (پورا قصہ مشکوٰۃ شریف میں درج ہے اور قابل دید ہے)

نمبر ۲۶ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرب الکعبۃ ذو السویقتین من الحبشۃ متفق علیہ وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما کانی بہ اسود افحج یقلعھا حجرًا حجرًا رواہ البخاری۔

"حضرت ابو ہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعبہ کو قیامت کے قریب حبشہ میں سے ایک نحیف ونزار چھوٹی چھوٹی پنڈلیوں والا ارذیل،

ذلیل شخص خراب کرے گا اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا کہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گویا کہ میں کعبہ کو خراب کرنے والے اس حبشی کی طرف دیکھ رہا ہوں سیاہ رنگ والا ہے اور ٹیڑھی پنڈلیوں والا ہے جو کہ کعبہ کی ایک ایک کر کے سب اینٹوں کو اکھاڑ رہا ہے۔

ان روایات سے واضح ہو گیا کہ جس طرح زمانہ ماضی اور اس میں ہونے والے واقعات آئینۂ حال میں ملاحظہ فرمائے۔ اسی طرح زمانہ مستقبل اور اس میں پیش آنیوالے واقعات کو بھی آئینۂ حال میں مشاہدہ فرمایا ؎

فرش تا عرش سب آئینہ ضمائر حاضر
بس قسم کھائیے امی تیری دانائی کی!
شش جہت سمت مقابل شب و روز ایک ہی حال
دھوم والنجم میں ہے آ تا تیری بینائی کی

یہ چند جزئیات محض عمومِ علم جو احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے اس کی توضیح و تمثیل کے لئے پیش کر دی ہیں ورنہ ایک مبسوط کتاب بھی علم و حکمت کے اس بحرِ مواج کی وقتاً فوقتاً اٹھنے والی محدود موجوں کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ علمِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ہر صفت کی حقیقت بسوائے رب العزت کے اور کوئی نہیں جان سکتا اور حقیقتِ علم کا احاطہ کسی ممکن کے بس میں بھی کب ہے جبکہ ہر ممکن کو ان کا علم محیط ہے اور جو محیط کے احاطہ میں ہو وہ محیط کا احاطہ کیسے کر سکتا ہے بلکہ محض روایات و احادیث کا جمع کرنا بھی ناممکنات میں سے ہے۔ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ شفا شریف میں فرماتے ہیں

والاحادیث فی ھذا الباب بحر لا یدرک قعرہ ولا ینزف غمرہ۔

الحاصل علم تھوڑا سا ہو تو پھر بھی خیرِ کثیر ہے ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا " جسے حکمت عطا کی گئی وہ خیرِ کثیر کا مالک بنا دیا گیا" اور دوسرے مقام پر ہماری وسعتِ علم کو خود ہی واضح

فرما دیا کہ جو کچھ تمہیں دیا گیا وہ تو بہت قلیل ہے تو جس ذاتِ والا شان کو اتنا علم عطا کیا گیا ہو کہ وہ سب مخلوق اعلیٰ و اسفل، اقرب و ابعد کو شامل ہو، معقولات و محسوسات زمان و زمانیات، مکان و مکانیات کو محیط ہو، ماضی و مستقبل جن کے لئے حال کیطرح ہو، جہاتِ ستہ سمٹ کر جہتِ مقابل کی مانند ہوں، اطراف و اکنافِ عالم مثلِ آئینہ حاضر ہوں، قیامت تک ہونے والے احوال و واقعات کفِ دست کی مانند نظر میں ہوں ان کا علم کیوں کوثر نہیں ہوگا۔ اسی لئے صرف یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے تمہیں علم عطا کیا بلکہ فرمایا انا اعطینٰک الکوثر فللّٰہ الحمد۔

فائدہ اولیٰ

علومِ محبوب کی کثرت و وسعت کا آپ نے قدرے تفصیل سے ملاحظہ فرمایا اور کوثرِ اسرار و رموز صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صفتِ کمال کا شانِ امتیازی بھی ملاحظہ کر لیا اب ذرا ایک حکیم الامت کی شانِ بے نیازی بھی دیکھتے جائیے، مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی اپنی حفظ الایمان میں ایک استفسار کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

پھر یہ کہ آپ کی ذات پر علمِ غیب کا اطلاق کیا جانا صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہیں یا کل! اگر بعض علم غیب مراد ہے تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے ایسا علم تو زید، عمرو، بکر، صبی، مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔" (حفظ الایمان ص ۸)

ذرا خیال تو فرمائیے کہاں علومِ نبویہ کا بحرِ بیکراں اور کہاں زید، عمرو، صبی، مجنون اور بے علم حیوانات و بہائم کا شعور! کیا ایک مخلص مومن اور اہلِ محبت امتی ایسی تشبیہ دے سکتا ہے؟

۱۔ حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا کہ اہلِ عراق نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر

نماز پڑھنے والے کے آگے کتا، گدھا اور عورت گزر جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی تو آپ نے فرمایا:

یا اہل العراق والنفاق والشقاق قد قرنتمونا بالحمر والکلاب (حاشیۃ ہدایہ)

"اے عراقیو! اے منافقو! اے بدبختو! تم نے ہمیں کتوں اور گدھوں کے ساتھ ملا دیا ہے" اور بخاری شریف میں ہے "جعلتمونا کلابا" تم نے ہمیں کتے بنا دیا۔

اہلِ عراق نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یا ازواجِ مطہرات میں سے کسی کا نام نہیں لیا تھا، نہ ان کا مقصد ان کی شانِ رفیع میں تنقیص و تحقیر کرنا تھا بلکہ صنفِ نسوانیت کی توہین و تحقیر بھی مقصود نہیں تھی، محض ایک مسئلہ کی توضیح مطلوب تھی لیکن بالعموم حکم میں بھی ازواجِ مطہرات کی تشبیہ ان خسیس جانوروں کے ساتھ لازم آتی تھی اس لئے محبوبۂ محبوبِ خدا، لختِ جگرِ صدیقِ اکبر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انہیں بدبخت اور منافق فرما رہی ہیں۔ اور اگر وہ ایسی عبارات کو ملاحظہ فرمائیں اور ایسی کلام کو سماعت فرمائیں جس میں سرورِ کائنات، امام الانبیاء، فخرِ مرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر زید، عمرو اور صبی و مجنون اور حیوانات، چارپایوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو آپ کا تاثر اور ردعمل کیا ہوتا۔

۲۔ پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ ساری زندگی انسان، ملائکہ اور جن صرف ان انواع و اقسام کو ذوی العقول اور صاحبِ علم کہتے رہے اور جب علمِ غیب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بحث کا آغاز فرمایا تو پاگلوں، بچوں اور حیوانات و بہائم کو بھی صرف صاحبِ علم نہیں مانا، صاحبِ علمِ غیب مان لیا۔ جب وہ صاحبِ عقل ہی نہیں تو ان میں علم بھی نہیں ہوگا۔ چہ جائیکہ انہیں علمِ غیب حاصل ہو۔

۳۔ اگر کوئی سنی کہے کہ آقائے دوجہان، فخرِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم بہ تعلیمِ الٰہی علمِ غیب جانتے ہیں تو فوراً فتویٰ لگ جائے گا کہ یہ عقیدہ قرآن کے خلاف ہے قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ

"فرما دیجئے آسمانوں اور زمین میں رہنے والی کوئی شے غیب نہیں جانتی، علمِ غیب صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔" لیکن جب ماننے پر آئے تو چارپایوں، مجنونوں، بچوں اور ہر انسان کے لئے غیب مان لیا ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

۴۔ اگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بعض علمِ غیب بھی تسلیم کریں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ آپ کے لئے باعثِ فضیلت ------ اور وجہِ امتیاز ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو اللہ تعالیٰ علمِ غیب کے اظہار و اطلاع کے لئے صرف رسولوں کو منتخب کیوں فرماتا ہے اور ماسوٰی کی نفی کیوں کرتا ہے؟ عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول" اللہ تعالیٰ ہر غیب کا بذاتِ خود عالم ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع اور غالب نہیں کرتا مگر جنہیں منتخب فرمالیتا ہے یعنی رسولوں کو" ما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء" اللہ کو یہ شایاں نہیں کہ اے منافقین تمہیں بھی علمِ غیب عطا کرے اور اس کی اطلاع بخشے لیکن اللہ تعالیٰ اس اطلاع کے لئے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے منتخب فرمالیتا ہے۔"

جب اظہارِ غیب اور اطلاعِ غیب کی ہر مخلوق سے نفی کر دی گئی ہے سوائے انبیاء و رسل علیہم السلام کے تو معلوم ہوا کہ بعض علمِ غیب یا کل غیب جاننا ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔ اس میں انبیاء و رسل کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کسی اور کو شریک نہیں فرمایا اور یہی اطلاع اور اظہارِ غیب ان کی نمایاں اور امتیازی خصوصیت ہے لہٰذا یہ شق لغو و باطل ہوگئی اور یہ قول سراسر خلافِ قرآن ہے۔ اور اگر علمِ غیب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ہر نبی کا خصوصی اور امتیازی وصفِ کمال ہے تو اس وصفِ کمال میں زید، عمرو، صبی، مجنون اور حیوانات و بہائم سے تشبیہ دینا صریح بے ادبی و گستاخی نہیں ہے؟ انظر کیف ضربوا لک الامثال فضلوا

فلا یستطیعون سبیلا

۵۔ یہ مسلّم ہے کہ علمِ نبوی کو تمام تر وسعتوں اور بے پایانیوں کے باوجود علمِ الٰہی کے ساتھ وہ نسبت بھی حاصل نہیں جو قطرہ کو عظیم سمندر سے ہے لیکن بایں ہمہ مخلوقات میں سے کوئی نبی و رسول، کوئی جن اور فرشتہ بھی ایسا نہیں جو ان کے ساتھ مساوی و مشارک ہو چہ جائیکہ مجنون و صبی اور حیوان و بہائم اور کوئی مخلوق ان کے علم میں شریک ہو کیسے سکتی ہے جن کی کتاب تبیانا لکل شیئ ہے جن کا سکھلانے اور پڑھانے والا علیم بکل شیئ ہے، جن کی صلاحیتِ ذہنی اور استعدادِ تام کا بیان فوق کل ذی علم علیم ہے، جن کی وسعتِ علم پر علمك ما لم تکن تعلم شاہدِ صادق ہے، جن کے اسرار و رموز سمجھنے سے ساری مخلوق عاجز ہے فاوحی الی عبدہ ما اوحی، علومِ آدم علیہ السلام اور علومِ لوح و قلم جن کے علوم کا تھوڑا سا حصہ ہے ع ومن علومك علم اللوح والقلم (بوصیری)

۶۔ نیز اگر کلام محض لفظِ عالم الغیب کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اطلاق کرنے میں بھی تو یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ عالم الغیب اللہ تعالےٰ کے صفات و اسماء میں سے ہے اور تا وقتیکہ شریعت میں اللہ تعالےٰ کے اسماءِ صفاتی کا اطلاق مثلاً رؤف و رحیم، سمیع و بصیر کا غیر میں ثابت نہ ہو اپنی طرف سے اطلاق کرنا منع ہے اور قرآن و حدیث میں کہیں یہ استعمال ثابت نہیں اور نہ ہی اجماعاً ثابت ہے لہٰذا یہ استعمال منع ہے جبکہ موہمِ مساوات بھی ہے یعنی جس طرح اللہ تعالےٰ عالم الغیب ہے اسی طرح سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم الغیب ہونا متوہم ہوگا لیکن عالمِ ما کان وما یکون، عالمِ علومِ اولین و آخرین، عالم الاشیاء کما ہی، عالمِ الخفی والجلی، عالمِ ما فی السمٰوات والارض کہنا جائز ہے۔ اس سیدھی بات کو اپنا علمِ منطق اور زورِ استدلال ظاہر کرنے کے لئے خواہ مخواہ بعض علمِ غیب اور کل غیب کی شقوں میں ڈھالا اور کل علمِ غیب مراد ہونے کی صورت میں خلافِ عقل و نقل قرار دیا اور مساواتِ علمِ الٰہی والا استحالہ بیان فرمایا حالانکہ کوئی مسلمان الیسا علم کل غیب مراد لیتا ہی نہیں بلکہ محض علمِ ما کان وما یکون، علم

السموات والارض مراد لیتے ہیں۔ اور بعض علمِ غیب کی صورت میں زید و عمرو وغیرہ بلکہ صبی و مجنون اور حیوانات و بہائم کے علم کے ساتھ علمِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا کر شقاق میں گرفتار ہو گیا۔ نعوذ باللہ من ذلک،

مشرکین نے ذاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہا اور امتی ہونے کے دعویداروں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو مجنون کے علم سے تشبیہ دی اور کوئی بھی مجنون ذات کے اعتبار سے مجنون نہیں ہوتا، اس کی نوع اور جنس مختلف نہیں ہوتی صرف علم وادراک اور احساس و شعور میں اختلال کی وجہ سے مجنون کہلاتا ہے لہٰذا دونوں قول برابر ہیں صرف لفظوں میں ذرا تغیر ہے۔

فائدۂ ثانیہ

عام طور پر مغالطہ دیا جاتا ہے کہ ماکان و مایکون کا علم، قیامت اور دیگر مغیبات کا علم کسی بھی مخلوق میں مان لیا جائے تو علمِ الٰہی کے ساتھ مساوات اور شرک لازم آجائے گا اور تمام تر فتاوی کفر و شرک کی مدار صرف اس مغالطہ پر ہے حالانکہ یہ نظریہ اور عقیدہ کہ اللہ تعالےٰ کا علم صرف ماکان و مایکون ہے یا علم السمٰوات والارض میں منحصر ہے بجائے خود غلط ہے بلکہ علمِ الٰہی اور اس کی لاتناہی اور لامحدودیت سے ناواقفیت کی دلیل اور وما قدروا اللّٰہ حق قدرہ کا مصداق ہے کیونکہ موجودات اگرچہ متناہی ہیں لیکن ان میں اللہ تعالےٰ کے علوم غیر متناہی بالفعل ہیں بلکہ موجودات میں سے ہر ایک موجود کے اندر اللہ تعالیٰ کے علوم غیر متناہی اور لامحدود ہیں۔ مثلاً باجرہ کے دانہ کا سینکڑواں حصہ لیجئے یہ بھی موجودات میں سے ایک موجود ہے اور شیٔ من الاشیاء ہے۔ ہمیں بھی معلوم ہے اور اللہ تعالےٰ کو بھی معلوم ہے لیکن علمِ خلق اور علمِ خالق میں یہاں بھی مساوات نہیں۔

امامِ رازی نے تفسیر کبیر ص۱۰۶ زیرِ آیت وکذلک نری ابراھیم الآیۃ فرمایا قال امام الحرمین معلومات اللہ غیر متناھیۃ ومعلوماتہ فی کل واحد من

تلك المعلومات غير متناهية وذلك لان الجوهر الفرد والجزء الذى لا يتجزى يمكن فى احياز لانهاية لها على البدل ويمكن اتصافه بصفات لانهاية لها على البدل وكل تلك الاحوال التقديرية دالة على حكمة الله وقدرته۔ ايضا واذا كان الجوهر الفرد والجزء الذى لا يتجزى كذلك فكيف القول فى كل ملكوت الله تعالى۔

" امام الحرمین نے فرمایا کہ معلوماتِ الٰہیہ غیر متناہی ہیں اور ہر موجود و معلوم میں پھر غیر متناہی اور لامحدود معلومات ہیں کیونکہ جوہرِ فرد اور ناقابلِ تقسیم جزء جس سے مقدار میں کم کوئی شی متصور نہ ہو سکے اس کا بدلیت کے طور پر اور یکے بعد دیگرے بے شمار مقامات میں پایا جانا ممکن ہے اور بدلیت کے طور پر بے شمار صفات کے ساتھ موصوف ہونا ممکن ہے اور اس کا ہر مکان میں موجود ہونا اور صفات میں سے ہر ایک صفت کے ساتھ موصوف ہونا اللہ تعالےٰ کی حکمت اور قدرتِ کاملہ پر دلالت کرتا ہے اور اس کا علم محیط اس کی ہر وجہ ممکن کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ جب جوہر فرد اور ناقابلِ تقسیم جزء میں اس کے معلومات کا عالم یہ ہے تو تمام موجودات اور سلسلۂ کائنات میں اس کے معلومات کا عالم کیا ہوگا؟

نیز موجودات کو صرف سماوات و ارض میں اور جو کچھ ان میں ہے اسمیں منحصر ماننا اور رب العالمین کی ربوبیت کو انہی کے ساتھ مختص کرنا بھی محلِ نظر ہے اور بے دلیل دعوٰے ہے وما يعلم جنود ربك الا هو۔ فاضل سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے بیضاوی شریف کے حاشیہ میں اور صاحبِ روح المعانی نے انہی کے حوالہ سے روح المعانی میں فرمایا:۔

روى ان الله خلق مائة الف قنديل وعلقها بالعرش و السموات والارض وما فيهما حتى الجنة والنار كلها فى قنديل واحد ولا يعلم ما فى باقى القناديل الا الله وقال كعب الاحبار لا يحصى عدد العالمين الا الله وما

یعلم جنود ربک الا ھو ص۵۹ حاشیۃ عبد الحکیم علی البیضاوی۔

"روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ایک لاکھ قندیل پیدا فرمائی اور انہیں اپنے عرش کے ساتھ معلق فرمایا۔ سارے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے حتیٰ کہ جنت اور دوزخ صرف ایک قندیل میں ہے اور باقی میں جو کچھ ہے وہ صرف اللہ تعالےٰ جانتا ہے اور حضرت کعب احبار نے فرمایا کہ عالمین کی گنتی و شمار سوائے اللہ تعالےٰ کے کسی کو معلوم نہیں اور اپنے جنود و عساکر اور لشکروں کو بس وہی جانتا ہے"

لہٰذا اگر کسی بھی مخلوق کے لئے قندیلِ واحد کے معلومات اور کان و مایکون کا علم تسلیم کر لیا جائے تو علمِ خلق اور علمِ خالق کے درمیان مساوات و برابری کیسے لازم آسکتی ہے؟ بلکہ موجودات کو صرف سماوات و ارض اور جو کچھ ان میں ہے اسکے اندر منحصر مان لیا جائے تو بھی علمِ باری تعالےٰ کے ساتھ برابری کب ممکن ہے بلکہ ایک شئے میں بھی علمِ خلق اور علمِ مخلوق میں برابری نہیں۔

اسی فاضل سیالکوٹی صاحب کی زبانی علمِ الٰہی اور علمِ غیب السمٰوات و الارض کے درمیان فرق سماعت فرمائیے۔ اللہ تعالےٰ نے پہلے فرشتوں کے استفسار (جس میں انسان کی تخلیق اور منصبِ خلافت پر فائز فرمانے کی حکمت دریافت کی گئی تھی) کے جواب میں فرمایا انی اعلم مالا تعلمون پھر آدم علیہ السلام کو علمِ اسما عطا فرمایا جو فرشتوں کو حاصل نہ تھا اور نہ اس کے حاصل کرنیکی ان میں استعداد تھی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام سے فرشتوں کے سامنے کائناتِ عالم کی ہر شئے کا اسم، اس کی حقیقت اور منفعت وغیرہ بیان کروانے کے بعد فرمایا

الم اقل لکم انی اعلم غیب السمٰوات والارض واعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون۔ پہلی آیتِ کریمہ کا معنے ہے بیشک میں وہ سب کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، اور دوسری آیتِ کریمہ کا ترجمہ ہے کیا میں نے تم کو کہہ نہیں دیا کہ میں غیب السموات والارض کو جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے تھے اسے بھی جانتا ہوں۔"

قاضی بیضاوی نے دوسری آیتِ کریمہ کے تحت فرمایا استحضار لقولہ انی اعلم مالا تعلمون لکنہ جاء بہ علی وجہ ابسط یعنی دوسری آیت میں اس پہلی آیت کے مفہوم کو اذہانِ ملائکہ میں حاضر کرنا مقصود ہے لیکن مالا تعلمون کے اجمال میں جو عموم بیان کیا گیا ہے یہاں پر اسے ذرا البسط سے بیان فرمایا. فاضل سیالکوٹی نے فرمایا کہ قاضی بیضاوی نے وجہ البسط فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ آیتِ لاحقہ آیتِ سابقہ کا بیان ہے لان معلومات اللہ لا نہایۃ لھا وغیب السمٰوات والارض وما تبدون وما تکتمون لم تکن الا قطرۃ من تلک الابحر لکنہ بسط ذلک المجمل" کیونکہ معلوماتِ باری تعالیٰ کی کوئی انتہاء نہیں ہے اور آسمانوں، زمینوں کے غیب، ظاہر اور پوشیدہ امور کے علم، مالا تعلمون کے اندر جو سمندرِ علوم و اسرار کے موجزن ہیں ان میں سے ایک قطرہ کی مانند ہیں اس لئے آیتِ لاحقہ کو سابقہ کا بیان نہیں فرمایا بلکہ اس مجمل کا البسط قرار دیا "

اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ قاضی بیضاوی صاحب کے نزدیک بھی علم غیب سموات و ارض کسی کو حاصل ہو جائیں تو اس کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر نہیں ہو سکتا کیونکہ معلوماتِ باری تعالیٰ کے ساتھ ان علوم کو وہ نسبت ہے جو قطرہ کو سمندروں سے ہے بلکہ یہ نسبت بھی نہیں کیونکہ قطرہ کی نسبت سمندروں کے ساتھ متناہی کی متناہی کیطرف نسبت ہے لیکن مخلوق کے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کیطرف متناہی کی غیر متناہی کیطرف نسبت ہے۔

نیز جن اہلِ سنت پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ابتداء کائنات سے لیکر قیامت تک ہونیوالے امور کا علم ثابت کرنے کی بنا پر کفر و شرک کا فتویٰ صادر فرمایا جاتا ہے وہ عالمِ علم اولین و آخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ما کان وما یکون الی یوم القیٰمۃ کا علم ثابت کرتے ہیں نہ مالم یکن اور نہ مالا یکون کا یعنی ان معدومات کا جو ابھی تک موجود نہیں ہوئے اور نہ ان کا جو آئندہ موجود نہیں ہوں گے گویا صرف موجودات کا علم ثابت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ

کا علم اس میں منحصر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے معلومات چار قسم ہیں:۔

المسئلۃ الثالثۃ ان معلومات اللہ علی اربعۃ اقسام

احدھا جملۃ الموجودات الثانی جملۃ المعدومات الثالثۃ

ان کل واحد من الموجودات لو کان معدوما کیف

یکون حالہ والرابع ان کل واحد من المعدومات لو کان

موجودا کیف یکون حالہ الاخر (تفسیر کبیر ص۱۳۵ ج۴)

"تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معلومات چار قسم ہیں اول تمام موجودات جو ماضی، حال یا استقبال کسی بھی زمانہ میں بالفعل موجود ہوں گے۔ دوم تمام معدومات جو کسی بھی زمانہ میں موجود نہیں ہوئے۔ سوم جو موجود ہیں وہ اگر موجود نہ ہوتے بلکہ حالتِ عدم میں ہوتے تو ان کا حال کیا ہوتا۔ چہارم جو ازلاً ابداً معدوم ہیں وہ اگر موجود ہوتے تو کس طرح ہوتے۔" اور آگے امامِ رازی نے تمام اقسام کی مثالیں دیکر وضاحت فرمائی ہے، اصل کتاب ملاحظہ فرمائیے۔

جب آسمانوں، زمینوں اور ظاہر و باطن میں موجودات کا علم کسی مخلوق کے لئے تسلیم کیا جائے تو اب بھی مساوات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے معلومات چار قسم ہیں ان میں سے ایک قسم جان لینے سے مساوات کیسے لازم آسکتی ہے جبکہ سب سے زیادہ علم نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور ان کے لئے بھی صرف قیامت تک موجود ہونیوالی اشیاء کا علم تسلیم کیا جاتا ہے وہ بھی متناہی محض اللہ تعالیٰ کے اعلام و تعلیم سے اور علیٰ سبیل التدریج جس پر سہو و نسیان اور ذہول و عدمِ التفات بھی طاری ہوسکتا ہے، حادث و مسبوق بالعدم ہے اور عدمِ لاحق بھی اس پر آسکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا علم صرف سموات وارض وما بینھما میں منحصر نہیں اور ان میں سے ہر ایک موجود کے اندر اس کے معلومات غیر متناہی ہیں اور صرف موجودات میں منحصر نہیں ذاتی ہے عطائی اور کسی کی تعلیم وغیرہ سے حاصل نہیں اسباب و وسائط کیطرف محتاج نہیں، ازلی و ابدی ہے سہو و نسیان،

ذہول وعدمِ التفات سے منزہ ومبرا ہے، مستحیل التغیر ہے۔ اتنے وجوہ فارقہ کے ہوتے ہوئے علمِ ممکن اور علمِ واجب میں مساوات کا تصور بھی ممکن نہیں چہ جائیکہ کوئی اس کا قول کرے۔ ایسی صورت میں کفر و شرک کا فتوی ظلم عظیم ہے اور خواہ مخواہ امتِ مسلمہ میں افتراق وانتشار پیدا کرنے کی سعی نامشکور اور مساوات کی آڑ لیکر علمِ مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء کو بچوں، پاگلوں اور جانوروں کے علم سے تشبیہ دینا ناقابلِ معافی گستاخی ہے اور امامِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب پاک میں توہین و تحقیر کا ناپاک اقدام و ارتکاب، اعاذنا اللہ من ذلک نعوذ باللہ من غضبہ وغضب رسولہ۔

نیز مولوی اسماعیل دہلوی کا تقویۃ الایمان صفحہ ۳۲ پر یہ تحریر کرنا کہ "سب بندے بڑے ہوں یا چھوٹے سب یکساں بے خبر اور نادان ہیں" بھی اسی طرح کا انتہائی گستاخانہ اندازِ بیان ہے اور اس نے اولیائے کرام اور انبیائے کرام علیہم السلام خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بے خبر اور نادان کہا اور ان کے علمِ پاک کو دوسرے بندوں جیسا بتلا کر تمام آیات واحادیث کا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خصوصی کمال کا انکار کیا ہے اور اس چھوٹے میاں مولوی اشرفعلی کی عبارت گویا اس اجمال کی تفصیل ہے اس نے سب بندے یکساں بے خبر نادان کہہ دیا اور اس نے ذرا تفصیل ذکر کر دی اور تصریح کر دی کہ بڑے مولانا کا مقصد گویا زید، عمرو اور صبی و مجنون کے ساتھ برابری ثابت کرنا ہے بلکہ چھوٹے میاں نے دو قدم آگے بڑھائے، زید و عمرو، صبی و مجنون کے ساتھ جمیع بہائم اور حیوانات بھی ملا کر گستاخی میں آخری حد تک واصل ہو گئے۔ کیا جس نے خدا کا راستہ بتلایا دین و ایمان سکھلایا ان کے حقوق کی ادائیگی کا یہی طریقہ ہے اور اس محسن کے احسان کی یہی جزاء ہے؟ ؎

اور تم پر میرے آقا کی عنایت نہ سہی
نجدیو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

ذِیَابٌ فِی ثِیَابٍ لب پہ کلمہ دل میں گستاخی

سلام اسلام ملحد پر کہ تسلیم زبانی ہے

دشمنی اور بدباطنی کی اس سے بڑھ کر اور کیا واضح دلیل ہوگی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے بشارت دی ہے لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر۔ یوم لا یخزی اللہ النبی والذین اٰمنوا معہ "اے محبوب! اللہ تعالےٰ نے وہ تمام امور جنہیں تم مرتبۂ قرب اور منصبِ محبوبیت کے لحاظ سے گناہ سمجھتے ہو نہ تم سے صادر ہوئے یا ابھی سرزد نہیں ہوئے، وہ سب بخش دیئے" اور فرمایا "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ اپنے محبوب کو رسوا کرے گا اور نہ ہی ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے" لیکن شیخ نجدی ہے کہ اب بھی یہی رٹ لگا رہا ہے "میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا" لا ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم (تقویۃ الایمان ص۲۲) نیز درایت عقل وقیاس اور اندازہ وحساب سے کسی بات کے علم آجانے کو کہتے ہیں جو کہ ظنی ہوتا ہے تو یہاں نفی علم ظنی اور قیاسی کی ہے نہ کہ مطلق علم کی، گویا فرمایا کہ میرا علم ظنی نہیں ہے بلکہ قطعی ہے اور میری بات ظن وگمان پر مبنی نہیں بلکہ وحیِ الٰہی پر ہے۔

برا ہو چشم بدبین کا کہ کوئی ہنر اسے نظر آتا ہی نہیں اور کوئی کمال اسے دکھائی دیتا ہی نہیں۔ ہاں ہاں ہنر تو چشمِ محبت کو نظر آتے ہیں، کمالات تو صرف محبت سے سنے جا سکتے ہیں، چشمِ محبت اور سمعِ محبت عیب دیکھنے سے اندھے اور بہرے ہوتے ہیں۔ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حبک الشیء یعمی ویصم "تیری کسی چیز سے محبت تیری آنکھ کو اس کے عیب دیکھنے سے روک دے گی اور آنکھ کو نابینا کر دے گی اور تیرے کانوں کو محبوب کے عیب سننے سے بہرہ کر دے گا لیکن چشم بدبین اور چشمِ عداوت کو تو ہنر بھی عیب معلوم ہوتے ہیں اور کمال بھی نقص معلوم ہوتا ہے۔

اللھم ارزقنا حبک وحب حبیبک وحب اولیاء امۃ حبیبک

اللھم اجنبنا عن عداوتک وبغض حبیبک وبغض اولیائک وعداوتھم۔

الحادی عشر

الکوثر (مقامِ محمود و مقامِ شفاعت)

اسی معنے کو احادیث میں وسیلہ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ جو اس مقام پر فائز ہو گا سب اہلِ محشر اس کے دست نگر ہوں گے۔ اس تقدیر پر اس آیتِ کریمہ کا معنی یہ ہو گا کہ تحقیق ہم نے آپ کو مقامِ محمود عطا فرمایا۔ یہ وہ مخصوص مقام ہے جو سوائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی بھی نبی و رسول کو عطا نہیں کیا جائے گا۔ اس مقامِ رفعت نشان پر جلوہ فشان ہونے کے بعد سب مخلوق، تمام اولین و آخرین محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا میں رطب اللسان ہوں گے اور انہی کی طرف اپنی نجات و خلاصی کے لئے مجسم امید بن کر نظریں لگائے ہوئے ہوں گے، انہی کی نظرِ لطف و کرم کے منتظر ہوں گے۔ جب تک صاحبِ مقامِ محمود صلی اللہ علیہ وسلم شفاعتِ عظمیٰ کے لئے لب کشائی نہیں فرمائیں گے نہ حساب و کتاب کا آغاز ہو گا، نہ اہلِ جنت جنت میں جا سکیں گے اور نہ دوزخی دوزخ میں۔ پچاس ہزار سال لمبے اس دن میں جبکہ سورج انتہائی قریب ہو گا، تپش و حرارت سے زمین تانبے کی مانند ہو جائے گی اور بارگاہِ رب العزت میں پیش ہونے اور کئے ہوئے گناہوں کی سزا و جزا سننے اور جہنم جیسے قید خانے کے سامنے ہونے کی وجہ سے لاحق ہونے والی پریشانیوں کے باعث ہر ایک اپنے پسینہ میں غرق ہو جائے گا، کوئی راہِ نجات اور ذریعۂ خلاص نظر نہیں آئے گا، اہلِ محشر مشورہ کریں گے لو استشفعنا احدًا الی ربنا فیریحنا من مکاننا "کاش ہم کسی کو اپنا شفیع بناتے جو رب تعالے کے حضور ہماری شفاعت کرتا حتے کہ رب تعالے ہمیں اس مکانِ ہیبت و جلال سے نجات عطا فرماتا۔"

حضرتِ آدم علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں، قصرِ انسانیت کی خشتِ اول ہیں اور شجرِ نبوت و رسالت

کی بیخ و بن ہیں ، اللہ تعالٰے نے تمہیں اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا ، جنت اور دار السلام میں سکونت و قیام بخشا ، اپنے ملائکہ سے تمہیں سجدہ کروایا ، علمِ اسمار کی تعلیم دی۔ اشیاء کے خواص و فوائد ! ور حقائق و حکم پر اطلاع دی لہٰذا آپ ہماری شفاعت فرمائیں۔ وہ فرمائیں گے میرا یہ مقام نہیں آج اس دربارِ عالی اور بارگاہِ لم یزلی میں زبان کھولنے کی مجھ میں ہمت نہیں لہٰذا تم نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر مدعا عرض کرو۔ وہ پہلے رسول ہیں جو اہلِ زمین کی رشد و ہدایت کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے۔

جب اہلِ محشر ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بگڑی بنانے اور بارگاہِ ذوالجلال میں حاضر ہو کر لبِ شفاعت ہلانے کی درخواست کریں گے تو وہ بھی ان کے دامنِ امید کو ثمرِ مراد سے پر نہیں فرمائیں گے ، عذر خواہی کرتے ہوئے حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کیطرف راہنمائی فرمائیں گے۔ ارشاد ہو گا تم حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دو اور ان سے عرضِ مدعا کرو ، انہیں اللہ تعالٰے نے مقامِ خلت پر سرفراز فرمایا ہے اور اپنا دوست بنایا ہے۔ وہ سوالی سراپا حاجت و تمنا بن کر اس کریم وجواد خلیل اللہ علیہ السلام کی بارگاہِ اقدس میں حاضری دیں گے لیکن سوائے حسرت و یاس کے اور کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ وہ بھی معذرت کرتے ہوئے حضرتِ موسٰی کلیم اللہ علیہ السلام کی خدمتِ عالیہ میں حاضری کا مشورہ دیں گے جن کو اللہ تعالٰے نے اپنی ہمکلامی سے مشرف فرمایا اور صاحبِ تورات و آیاتِ بینات بنایا۔

وہ حاجتمندان کے دربارِ اقدس کو ملجاو ماوٰی سمجھتے ہوئے ان کی طرف دوڑیں گے لیکن اس صاحبِ جلال نبی کا آستانۂ اقدس بھی ان پریشان حال لوگوں کے لئے سامانِ تسکین اور قرار و اطمینان مہیا نہ کر سکے گا۔ وہ فرمائیں گے مجھ میں یہ ہمت نہیں کہ بابِ شفاعت کھولوں ، کلیدِ شفاعت آج کسی اور کے ہاتھ میں ہے تم حضرتِ عیسٰی روح اللہ علیہ السلام کے پاس جاؤ اور ان کی بارگاہِ اقدس کو پناہ گاہ بناؤ ، ان کے دامنِ کرم میں پناہ حاصل کرو ،

بے سہاروں کا سیلِ بے پناہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی چوکھٹ پر جبہ فرسائی کریگا اور تکمیلِ مدعا و مراد کے لئے عرض پرداز ہوگا لیکن کلمۃ اللہ اور روح اللہ کے اعزاز اور مقام امتیاز کا مالک مجسمۂ عجز نظر آئے گا اور بے بسی کا پیکر بن کر کسی اور کریم کی بارگاہِ بے کس پناہ پہ حاضری کا مشورہ دیں گے اور فرمائیں گے کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری دو، وہاں جاکر اپنے دامنِ امید کو پھیلاؤ، صرف وہی ذاتِ اقدس ہیں جنہیں مغفرت و بخشش کی بشارت دنیا ہی میں دے دی گئی ہے۔ آج انہیں اپنی ذات کے لئے کوئی خوف و خطر نہیں اور نہ اپنے انجام کا کوئی ڈر ہے، اگر تمہارے لئے پناہ گاہ بن سکتی ہے تو اسی کریم کی بارگاہ، اگر تمہارا ملجا و ماویٰ بن سکتا ہے تو وہی بیکس پناہ، اگر تمہارا دامنِ تمنا ثمرِ مقصود و مراد سے بہرہ ور ہو سکتا ہے تو صرف انہی کے دربارِ گوہر بار پر، آج بارگاہِ ربِ جبار و قہار میں صرف وہی زبانِ شفاعت کھول سکتے ہیں، بابِ شفاعت کی کلید صرف انہی کے دستِ کریم میں ہے اور بیقراروں کے لئے آرامِ جان صرف انہی کی کلام راحت نشان ہے۔

جب سب اہلِ محشر اس کریم کے درِ اقدس پر اپنی زبوں حالی اور کس مپرسی کی داستانِ غم اور حکایتِ رنج و الم زبانِ بے زبانی سے عرض کریں گے تو محبوبِ خدا، محمودِ خدا، امام الانبیاء، فخر الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے "اَنَا لَهَا" "شفاعت کے لئے تو میں ہی تھا، یہ تو حصہ ہی میرا تھا، تم کہاں بھٹکتے رہے ہو؟ اور کہاں ٹھوکریں کھاتے پھرے ہو؟ وہ مجرموں اور عاصیوں کا سہارا بن کر، ان کے لئے پیغامِ امن و راحت بن کر بارگاہِ رب العالمین میں سجدہ ریز ہو کر حمد و ثنا کے پھول، تسبیح و تہلیل، تکبیر و تمجید کے جواہر بارگاہِ کبریا میں پیش کریں گے، عجز و نیاز کا پیکر بنکر اللہ تعالے سے اہلِ محشر کے لئے شفاعت کے طلبگار ہوں گے، والضحیٰ کی چمک والا، سورج کو شرمندہ کرنے والا رخِ انور زمینِ نیاز پر رکھا ہوگا، واللیل کی سیاہی والی حلقہ دار زلفیں عاصیوں کو اپنے حلقۂ کمند میں لئے صبحِ امید کے گرد گھیرا ڈالے ہونگی اور وما ینطق عن الھوی والے لبہائے صداقت پناہ بارگاہِ کبریا میں سیاہکاروں

اور گناہگاروں کے لئے معذرت خواہ ہوں گے ؎

جلتی تھی زمیں کیسی، تھی دھوپ کڑی کیسی
لو وہ قدِ بے سایہ، اب سایہ کناں آیا

جب اللہ رب العزت دیکھے گا کہ جس محبوب کا حسن و جمال، شباب و کمال اور قرب و منزلت، بلندی و رفعت آج کے دن ظاہر کرنی تھی وہ سرِ ناز کو زمینِ نیاز پر رکھے ہوئے ہے، جس سروِ ناز کی قامتِ قیامت نشاں کا آج مظاہرہ کرنا تھا وہ آج عاصیوں کے بارِ عصیاں کو اپنی پشتِ دوتا پر لئے فرشِ عجز و نیاز پر گریہ کناں ہے تو رحمتِ رب تعالیٰ غضب پر غالب آجائے گی، جود و کرم اور عطا و نوال، قہر و جلال پر غالب آجائے گا، حکم ہوگا:

یا محمد ارفع رأسک قل تسمع سل تعط واشفع تشفع

"اے میرے لائقِ حمد و ثنا محبوب، آج اپنا سر فخر و ناز سے بلند کیجئے کیونکہ یہ منصب صرف تمہیں عطا کیا ہے کہ جو تم کہو گے میں سنوں گا، جو مانگو گے میں عطا کروں گا، جس کی شفاعت کرو گے میں قبول کروں گا اور نبی الرحمۃ شفیع الامۃ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرشِ عظیم کے دائیں جانب کرسیٔ وزارتِ عظمیٰ پر سرفرازی بخشی جائے گی اور خلعتِ خلافتِ کبریٰ و نیابتِ عظمےٰ زیبِ تن کرائی جائے گی۔

آنحضور شافعِ یومِ نشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثم اقوم عن یمین اللہ مقاما یغبطنی الاولون والآخرون (رواہ الدارمی بروایۃ عبداللہ بن مسعود) "پھر میں عرشِ الٰہی کی دائیں جانب ایسے مقام پر قیام فرما ہوں گا کہ تمام اولین و آخرین مجھے رشک کی نظروں سے دیکھیں گے اور یہی وہ مقامِ محمود ہے جس میں اولین و آخرین آپ کی حمد و ثنا کریں گے۔ والمقام المحمود ھو مقام الشفاعۃ لانہ یحمدہ فیہ الاولون والآخرون (خازن)۔ اسی مقامِ رفیع اور منصبِ جلیل کی بشارت دیتے ہوئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔ "قریب ہے وہ وقت

کہ تمہیں تمہارا رب مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا اور تمہیں اولین و آخرین کی زبان پر محمد و محمد بنائے گا۔ اس دن خلافتِ کبریٰ، وزارتِ عظمیٰ کا تاج ان کے سر پر ہوگا، انہی کا قبضہ و تسلط حساب و کتاب کے دفتر پر ہوگا۔ ہر ایک ان کی جنبشِ لب کا منتظر ہوگا اور انکے دامنِ رحمت کو نگاہِ التجا سے تکتا ہوگا۔ آج حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنے اس نورِ نظر لختِ جگر سے عرض کناں ہوں گے میں تمہارا باپ ہوں، میں نے تمہارے لئے دعا مانگی تھی، اسی نسبت کے تصدق سے مجھے اپنے لواء الحمد کے نیچے جگہ عطا کرو۔

حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام ان سے التجا کریں گے میں نے تمہارے آنے کی اپنی قوم کو بشارت دی اور تمہاری غلامی اختیار کرنے کی تبلیغ کی و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد، لہذا اس خدمتگذاری کا واسطہ آج اپنے دامنِ کرم اور سایۂ رحمت میں مجھے جگہ عطا کرو (مدارج وغیرہ)

؎ جدھر خدا ہے ادھر نبی ہے جدھر نبی ہے ادھر خدا ہے
خدائی تجھ سب ادھر پھرےگی جدھر وہ عالی مقام ہوگا
خدا کی مرضی ہے انکی مرضی ہے انکی مرضی خدا کی مرضی
انہی کی مرضی پہ ہو رہا ہے انہی کی مرضی پہ کام ہوگا

نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے مجھے تین دعائیں مانگنے کا اختیار دیا ہے اور قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے ان میں سے کوئی بھی رد نہیں کی جائے گی۔ ان میں دو دعائیں میں نے دنیا میں مانگ لی ہیں اور تیسری اس دن کے لئے بچا رکھی ہے جس دن ساری مخلوق حتیٰ کہ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام بھی میری پناہ حاصل کرنے کے لئے میری طرف رغبت کریں گے واخرت الثالثۃ لیوم یرغب الی الخلق کلھم حتی ابراھیم (مشکوٰۃ قراءۃ القرآن)

؎ وہ جہنم میں گرا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

اس دن واضح ہو جائے گا کہ مقامِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہے! ان کی رسائی دربارِ خداوندی میں کتنی ہے! کوئی بھی مقرب ترین رسول و نبی ان کے توسل سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ان سے توسل کرنا اور بارگاہِ الٰہی میں حلِ مطالب کیلئے ان سے استمداد شرک نہیں ہو سکتی ورنہ نورِ جلال کے بے حجابانہ سامنے ہونے پر غیر اللہ کی پناہ حاصل نہ کی جاتی اور سیدھے ہی اللہ تعالیٰ سے حساب و کتاب شروع فرمانے کا مطالبہ کر دیا جاتا۔ یہاں نورِ جلال خداوندی آنکھوں سے اوجھل ہونے کے باوجود توسل و استمداد پر شرک کے فتوے صادر کئے جاتے ہیں اور وہاں ساری امتیں بلکہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور عیسٰی روح اللہ علیہ السلام جیسی ہستیاں بھی بارگاہِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم میں استمداد و استعانت کے لئے حاضر ہوں گے حالانکہ نبی کی ذات میں کفر و شرک کا وہم بھی ممکن نہیں ہے،

امامِ اہلِ سنت نے فرمایا ؎

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

نکتہ میدانِ حشر میں شفیع اور سفارشی کی تلاش کرنیوالے پہلے پہل دربارِ نبوی میں حاضر نہیں ہوں گے بلکہ پہلے دوسرے انبیاءِ کرام علیہم السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر مقصد عرض کریں گے حالانکہ شفیع کی تلاش وسیلہ کی طلب ان میں عالمِ غیب سے پیدا کی جائے گی جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے فیلھمون لذلک" انہیں اس طلب و تلاش کا الہام کیا جائے گا " تو انہیں الہام یہ کر دیا جاتا کہ ابتداء بارگاہِ عالم پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جاتے اور فوراً ہی مقصد و مطلب میں کامیاب ہو جاتے اور بار بار ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑتا اور در بدر کی ٹھوکریں نہ کھانی پڑتیں۔

محدثین نے فرمایا کہ اگر ابتداءً محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور ان کی شفاعت سے ساحلِ مراد تک واصل ہو جاتے تو یہ گمان

ہو سکتا کہ شفاعت اور بھی کر سکتے تھے اور قبول بھی ہو جاتی لیکن ان سے مطالبہ نہیں کیا گیا جب تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کے درِ اقدس پر حاضر ہوئے اور بے نیلِ مرام واپس لوٹے تو واضح ہو گیا کہ دربارِ خداوندی میں آج صرف انہی کی رسائی ہے، اعلیٰحضرت بریلوی نے فرمایا ؎

خلیل و نجی، مسیح و کلیم سبھی سے کہی کہیں نہ بنی
یہ بےخبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں تمہارے لئے

آج انہی کا مقامِ قرب، شانِ محبوبیت کا مظاہرہ اس طرح پر کرایا گیا اور ان کو منصبِ وزارتِ عظمےٰ و خلافتِ کبریٰ پر فائز فرما کر اور سل تعطہ واشفع تشفع کا اذنِ عام دیکر واضح فرما دیا کہ "روزِ روزِ آں دست و حکم حکمِ اوست بحکمِ رب العالمین"۔ (اشعۃ اللمعات و مدارج النبوۃ) ؎

میں حشر کی حقیقت اتنی سمجھ رہا ہوں
دونوں جہان ہوں گے انکا شباب ہوگا

مولانا حسن رضا بریلوی نے فرمایا ؎

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر میں
کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علیّ فانہ من صلی علیّ واحدۃ صلی اللہ علیہ بہا عشرًا ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ فانہا منزلۃ فی الجنۃ لا ینبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجو ان اکون انا ھو فمن سأل لی الوسیلۃ حلت علیہ الشفاعۃ (رواہ مسلم)

"جب تم موذن کو آذان دیتے ہوئے سنو تو جس طرح مؤذن کہے تم بھی کہو پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جس نے ایک مرتبہ مجھ پر درود بھیجا اللہ تعالےٰ اس کے بدلے میں

اس پردس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ پھر میرے لئے اللہ تعالٰی سے وسیلہ کی درخواست کرو وسیلہ جنت میں ایک عظیم منزل ومقام ہے جو اللہ تعالٰی کے مقرب بندوں میں سے صرف ایک عبدِ خاص ہی کے شایانِ شان ہوگا اور میں رحمت باری تعالٰی سے پرامید ہوں کہ وہ عبدِ جو اس منزلت ومقام پر فائز ہوگا وہ صرف میں ہی ہوں گا، جو شخص میرے لئے دعائے وسیلہ کرے گا وہ میری شفاعت کا مستحق ہوگا۔"

عن جابر رضی اللّٰہ عنہ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

من قال حین یسمع النداء اللھم رب ھٰذہ الدعوۃ التامۃ

والصلوٰۃ القائمۃ ات محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ

الرفیعۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ حلت لہ

شفاعتی یوم القیامۃ رواہ البخاری۔

"حضرتِ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص آذان سن لینے کے بعد کہے کہ اے مالک اس دعوتِ تامہ دعوتِ توحید وکبریائی کے اور مالک قائم ہونے والی نماز کے، عطا فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ وسیلہ و فضیلت اور پہنچا انہیں اس مقامِ محمود تک جس کا تو نے انہیں وعدہ فرمایا ہے، تو وہ میری شفاعتِ مخصوصہ کا مستحق ہو جائے گا۔"

شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

مقامِ محمود مقامے است کہ ستودہ شود صاحبِ وے بزبان ہمہ کس و رشک برند بر وے ہمہ خلائق وآں مقامِ قرب وشفاعت است کہ تمام عالمیاں حیران وسرگرداں باشند وہیچکس از انبیاء ورسل از ہیبت ودہشت دم نتواں زد وسر بالا کردپس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درسراپردۂ عزت درآید وایں را بکشاید۔

" مقامِ محمود وہ مقام ہے کہ جس کا مالک ہر شخص کے نزدیک قابلِ ستائش ہوگا اور تمام مخلوق انہیں نگاہِ رشک سے دیکھے گی اور مقامِ محمود مقامِ قرب وشفاعت

ہے کہ جب تمام جہان والے حیران و سرگرداں ہوں گے اور انبیاء و رسل میں سے کوئی بھی ہیبت و دہشت کی وجہ سے دم نہ مار سکے گا اور اپنا سر بلند نہ کر سکے گا تو اسی مقام کے مالک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سراپردۂ عزت و جلال میں حاضر ہو کر دروازۂ شفاعت کھولیں گے۔"

و نیز آمدہ است کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را بر عرش بنشانند و خلعتِ خاص از حلۂ خضراء بپوشانند و اذن دہند کہ ہر چہ خواہد بگوید و ہر چہ رضائے اوست بخواہد آں روز معلوم شود کہ مقامِ محمدی چیست و صدر و سلطان آں مجلس و معرکہ کیست؟

در مقامے کہ صدارت بہ بزرگاں بخشند
چشم دارم کہ بجاؔ از ہمہ افزوں باشی

"اور روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عرشِ عظیم پر بٹھایا جائے گا اور خلعتِ خاص حلۂ سبز زیبِ تن کرایا جائے گا اور اجازت دی جائیگی کہ جو چاہیں کہیں اور جو پسند کریں طلب کریں۔ اس دن معلوم ہوگا کہ مقامِ محمدی کیا ہے اور اس مجلس و معرکہ کا صدر و سلطان کون ہے؟

امروز جائے ہر کس پیدا شود ز خوباں
کاں ماہ مجلس آرا اندر صدارت آید

اعتراض: آیت کریمہ عسٰی ان یبعثک ربک مقاما محمودا سے بھی صرف اتنا ثابت ہوا کہ امید ہے کہ تمہیں تمہارا رب مقامِ محمود تک پہنچائے۔ اس سے یقینی اور قطعی طور پر اس مقام تک رسائی ثابت نہیں ہوتی نیز حدیث پاک سے بھی صرف امید و رجاء ہی ثابت ہوتی ہے فرمایا ارجوان اکون انا ھو "میں امید کرتا ہوں کہ میں ہی اس منزلت و مرتبہ کا مالک ہوں" اور رجاء و امید تحقق و فعلیت کو مستلزم نہیں بالفعل مقامِ محمود کا حاصل ہونا تو ثابت نہ ہو سکا تو انا اعطینک الکوثر میں کوثر سے مقامِ محمود مراد لینا کیسے صحیح ہوگا؟ جس کا بالفعل

عطا کیا جانا قطعی طور پر ثابت ہے۔

جواب لفظِ عسیٰ اگرچہ لغتِ عرب میں طمع اور امید دلانے کے معنیٰ میں آتا ہے لیکن یہاں محض امید و طمع والا معنےٰ نہیں ہو سکتا بلکہ قطعی تحقیق اور وقوع کے معنیٰ میں ہے۔ صاحبِ خازن فرماتے ہیں:-

اجمع المفسرون علی ان عسیٰ من اللّٰہ واجب و ذلک لان لفظۃ عسیٰ یوجب الاطماع و من اطمع انسانا ثم احرمہ کان ذلک عارا علیہ واللّٰہ اکرم من ان یطمع احدا ثم لا یعطیہ ما اطمعہ۔

"تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ لفظِ عسیٰ باری تعالیٰ کے کلام میں وجوب و تحقق کے لئے ہے کیونکہ لفظِ عسیٰ طمع اور امید دلانے کے لئے آتا ہے اور جو شخص کسی کو طمع دلائے اور پھر محروم کر دے تو اس کے لئے عیب اور عار ہے اور اللہ تعالےٰ اس سے بہت بلند ہے کہ کسی کو امید دلائے اور اس کے طمع و امید کو پورا نہ کرے"

شیخ عبدالحق نے حدیثِ پاک میں موجود لفظِ رجاء و امید کے تحت فرمایا :-

"ارجو" تواضع و تادب است مر حضرتِ الٰہیہ را و بحقیقت کنایت است از جزم و یقین بحصولِ آں چہ رجاء حبیب در حضرتِ محبیب ہرگز خیبت نہ پذیرد۔

"لفظِ ارجو بارگاہِ الٰہیہ کے ساتھ تواضع و تادب کے طور پر ہے ورنہ حقیقت میں اس مقام کے حصول کے ساتھ جزم و یقین ہے کیونکہ رجائے حبیب بارگاہِ مجیب الدعوات میں کبھی خیبت و خسران پذیر نہیں ہو سکتی، ان کی امید و رجاء شرمندۂ مراد و مقصود نہ ہو، یہ ممکن نہیں"

اقول شفیع روزِ جزا محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرے لئے وسیلہ اور مقامِ محمود کی دعا کرے گا وہ میری شفاعت کا حقدار بن گیا۔ اگر آپ کو اس مقامِ رفیع اور منصبِ جلیل کے حصول و وصول کا یقین نہ ہوتا تو استحقاقِ شفاعت

کی بشارت نہ دیتے کیونکہ ہماری دعاؤں کو تو اجابت و قبولیت لازم نہیں ہے اور ہماری دعا پر شفاعت کا مترتب ہونا ضروری نہیں تو معلوم ہوا کہ ہمیں دعا کا حکم محض اس لئے فرمایا کہ ان کا مجھ سے تعلق برقرار رہے اور اس تعلق کی بنا پر اس کرمِ عمیم کے مستحق بن جائیں گے ورنہ ہر مرتبہ و منصب خود اللہ تعالٰے براہِ راست عطا فرمانے والا ہے اور اپنے محبوب کے مراتب و مناصب، منازل و مدارج انہیں کسی کے طفیل عطا نہیں فرماتا البتہ باقی ساری کائنات کو ان کے طفیل عطا فرماتا ہے۔

نیز تعلیم دعا کے موقع پر فرمایا وابعثہ مقاما محمودا ن الذی وعدتہ "انہیں اس مقامِ محمود تک پہنچا جس کا تو نے انہیں وعدہ دیا ہے"۔ اگر محض رجاء و طمع اور آس و امید والی بات ہوتی تو اسے وعدہ سے تعبیر نہ کیا جاتا اور جب وعدہ سے تعبیر فرمایا تو معلوم ہوا کہ اس منصبِ عالی کے حصول کا جزم و یقین ہے کیونکہ اس کریم کے وعدے کا خلاف تو ناممکن اور محال ہے۔

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ مقامِ محمود اور وسیلہ و فضیلہ کا حصول رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یقینی طور پر ثابت ہے لہٰذا انا اعطینٰك الکوثر میں الکوثر سے مقامِ محمود اور مقامِ شفاعت مراد لینا بالکل صحیح ہے۔ قرآنِ کریم آپ کے اس منصب پر شاہدِ صادق ہے اور تفاسیر و احادیث میں، اقوالِ محدثین میں مرتبۂ شفاعت، منصبِ خلافتِ کبریٰ اور وزارتِ عظمٰے کی پوری تفصیل اور وضاحت موجود ہے۔ کتبِ احادیث میں مستقل عنوانِ شفاعت قائم کر کے اس کے تحت احادیثِ شفاعت بالعموم اور شفاعتِ عظمٰے والی روایات بالخصوص درج کی گئی ہیں۔

حضرتِ ابوہریرہ و حضرتِ حذیفہ و حضرتِ انس رضی اللہ عنہم اور دیگر اکابر سے بخاری و مسلم اور دیگر کتبِ احادیث میں یہ روایات ثبت و مندرج ہیں جس روایت کے ترجمہ پر اکتفاء کرتے ہوئے ہم نے ابتداءً مقامِ محمود کی وضاحت میں اس کو ذکر کیا ہے یہ حضرتِ انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو کہ بخاری و

مسلم کی متفق علیہ روایت ہے۔ اس مقامِ شفاعت کو بیان فرماتے ہوئے خود رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مقامِ محمود سے تعبیر فرمایا وھذا المقام المحمود الذی وعدہ نبیکم یہی وہ مقامِ محمود ہے جس کا اللہ تعالٰی نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وعدہ دیا ہے۔

نکتہ ۱ تمام انبیاء کرام اور رسل عظام میں سے صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خصوصی منصب عطا ہوگا اور وہی شفاعت کی جرأت فرمائیں گے دوسرے اولوالعزم رسل مختلف عذر پیش کریں گے اور بارگاہِ ذوالجلال میں لب کشائی سے ہچکچائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہی مقامِ ہیبت و خوف میں ہوگا اور بارگاہِ صمدی اور شانِ بے نیازی سے خوف میں ہوں گے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام مقامِ امن ہوگا کیونکہ انہیں ظاہری حیاتِ طیبہ میں ہی مغفرتِ عام اور بخششِ تام کی بشارت دی گئی ہے انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر "ہم نے آپ کو فتحِ مبین عطا فرمائی تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے خیال میں جتنے بھی تمہارے گناہ ہیں سابقہ یا آئندہ ان تمام کی مغفرت فرما دے۔"

نیز ارشاد فرمایا یوم لا یخزی اللہ النبی والذین اٰمنوا معہ "قیامت کے دن اللہ تعالٰی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو شرمندہ نہیں کرے گا اور رسوا نہیں ہونے دے گا۔" اور فرمایا ولسوف یعطیک ربک فترضٰی "اور ضرور تمہیں تمہارا رب اتنا عطا فرمائے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے، اس کی عطا کا پیمانہ تمہاری رضا ہو گی، جب تک تم راضی نہیں ہو جاؤ گے وہ عطا کو ختم نہیں کرے گا۔ کلھم یطلبون رضائی وانا اطلب رضاک یا محمد (حدیث قدسی) ساری مخلوق میری رضا چاہتی ہے اور اے میرے محبوب میں تیری رضا چاہتا ہوں۔" اسی لئے اس دن ہر نبی کی زبان پر نفسی نفسی ہوگا لیکن نبی الانبیاء امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم

کی زبانِ رحمت نشان پر امتی امتی ہو گا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو مخصوص دعا کا اختیار دیا جسکی قبولیت کا اس کی طرف سے حتمی اور قطعی وعدہ تھا اور اس بنا پر اس دعاء کے رد کا امکان ہی نہیں تھا۔ ہر نبی نے اپنی اس دعا کو دنیا میں استعمال فرما لیا اور اللہ تعالیٰ نے حسبِ وعدہ قبولیت سے سرفراز فرمایا۔ کسی نے اپنی قوم سے تنگ آکر ان کے لئے دعائے ہلاکت فرمادی، کسی نے اپنے لئے عظیم ملک و سلطنت کا مطالبہ کر لیا، کسی نے اپنی اولاد میں امامت و نبوت کی التجا کی لیکن نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے محشر کی ہولناکیوں اور مصائب و شدائد کے پیش نظر اپنی امت بالخصوص اور تمام امم بالعموم جن پریشانیوں سے دوچار ہونی تھیں ان کے پیش نظر اپنے اس حق کو محفوظ رکھا۔ اسی لئے آج اس کریم کے وعدۂ کرم پر اعتماد کرتے ہوئے حریم ناز میں سرِ نیاز بصد عجز و انکسار زمین عبودیت پر رکھ کر شفاعت کے طلبگار ہوں گے اور اللہ تعالےٰ اپنے ذمۂ کرم کو پورا فرماتے ہوئے انہیں اس منصبِ جلیل پر سرفراز فرمائے گا۔

حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

ان لکل نبی دعوۃ مستجابۃ وانی اختبأت دعوتی
شفاعۃ لامتی فھی نائلۃ منکم ان شاء اللہ من مات
لا یشرک باللہ شیئا۔

" بیشک ہر نبی کے لئے ایک مستجاب و مقبول دعا ہے اور میں نے اپنی دعا کو اپنی امت کی شفاعت کے لئے بچا رکھا ہے لہذا یہ دعا ان شاء اللہ تم میں سے ہر اس شخص کو شامل ہو گی جو ایمان کے ساتھ فوت ہوا اور شرک سے بری ہو کر فوت ہوا۔

نیز حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

ارسل الی ان اقرأ القراٰن علی حرف فرددت الیہ ان هون علی امتی فرد الی الثانیۃ اقرأہ علی حرفین فرددت الیہ ان هون علی امتی فرد الی الثالثۃ اقرأہ علی سبعۃ احرف ولك بكل ردة رددتكها مسألۃ تسألنیها فقلت اللّٰهم اغفر لامتی اللّٰهم اغفر لامتی واخرت الثالثۃ لیوم یرغب الی الخلق كلهم حتی ابراهیم رواہ مسلم (مشکوٰۃ باب اختلاف القراءۃ وجمع القراٰن)۔

"اللہ تعالٰے نے مجھ پر وحی نازل فرمائی کہ میں قرآن کو ایک قرارت پر پڑھوں۔ میں نے اللہ تعالٰے سے مراجعت کی اور اپنی امت پر آسانی فرمانے کی درخواست کی دوبارہ حکم فرمایا کہ دو قراءتوں پر پڑھوں، میں نے پھر مراجعت کی اور امت پر سہولت فرمانے کی درخواست کی۔ تیسری بار وحی نازل فرمائی کہ سات قراءتوں پر پڑھوں اور ساتھ ہی حکم ہوا کہ ہر بار مراجعت کرنے کے بدلے تمہیں ایک دعا مانگنے کا اختیار دیا جاتا ہے گویا تین دعائیں مانگنے کا تمہیں اختیار ہے جنہیں رد نہیں کیا جائے گا۔ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی امت کے صغائر وکبائر کی مغفرت کے لئے دو دعائیں دنیا میں ہی مانگ لیں اللهم اغفر لامتی اللهم اغفر لامتی اور تیسری دعا کو میں نے اس دن کیلئے محفوظ کر رکھا ہے جبکہ ساری مخلوق حتی کہ حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بھی میری شفاعت کے لئے راغب ہوں گے اور پناہ حاصل کریں گے۔

لہٰذا جس دن ہر نبی و رسول کی زبان پر نفسی نفسی ہو گا، آقائے دوجہاں محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان پر امتی امتی ہو گا فاضل بریلوی نے فرمایا ؎

رسل و ملک پہ درود ہو وہی جانے ان کے شمار کو
مگر ایک ایسا دکھا تو دو جو شفیع روز شمار ہے۔

نکتہ ۲ تمام انبیاء کرام اور رسلِ عظام میں سے صرف پانچ کا ذکر فرمایا گیا حضرتِ آدم و نوح و ابراہیم و موسےٰ و عیسیٰ علیہم السلام اور باقی انبیاء و مرسلین کا ذکر نہیں فرمایا گیا حالانکہ اہلِ محشر ہر ایک سے شفاعت و معاونت کی درخواست کریں گے۔

امامِ زرقانی نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا لانھم مشاھیر الرسل واصحاب شرائع عمل بھا مدد اطویلا الخ" یہ پانچ حضرات مشہور رسل ہیں اور اصحابِ شریعت ہیں جن کی شریعتوں پر مدتوں امم اور اقوامِ عالم عمل پیرا رہیں"

نیز آدم علیہ السلام سب انسانوں کے والد اور مبداُ انسانیت و بشریت ہیں حضرتِ نوح علیہ السلام اول رسول بھی ہیں اور آدمِ ثانی ہیں اور حضرتِ ابراہیم علیہ السلام تمام مذاہب مثلاً عیسائیت، یہودیت اور دینِ اسلام کے اندر عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور بعد میں آنیوالا ہر نبی ان کی اولاد سے ہے گویا انبیاء اپنی امتوں کے لئے روحانی باپ اور آپ ان انبیاء کیلئے جسمانی باپ، تو تمام امم روحانی طور پر آپ کی بھی اولاد ہو گئیں۔ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام بہت بڑی امت کے مالک ہیں اور آپ کے بعد اور عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہر آنیوالے نبی نے انہی کی شریعت کی تبلیغ فرمائی۔

اقول فاضل سیالکوٹی نے ان کی تعداد چار ہزار اور دوسرے قول کے مطابق ستر ہزار تحریر فرمائی ہے۔ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ پیغمبرِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان دوسرا کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ نیز وہ آپ کی امت سے بھی ہیں کیونکہ قیامت کے قریب نزول فرمائیں گے اور اہلِ زمین کو شریعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ فرمائیں گے وعیسیٰ لانہ لیس بینہ وبینہ نبی ولانہ من امتہ صلی اللہ علیہ وسلم (زرقانی علی المواھب) گویا جب تمام امتوں کو ملنے

جسمانی و روحانی والد جواب دے دیں گے اور ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہ ہو گی۔ اس وقت جو ذاتِ والاصفات ان کے کام آئے گی وہ صرف ذاتِ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ ہے ے

خلیل و نجی کلیم و مسیح سبھی سے کہی کہیں نہ بنی
یہ بیخبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں تمہارے لئے

نکتہ ۳ انبیاءِ کرام اور رسلِ عظام میں سے صرف عیسٰی علیہ السلام فرمائیں گے کہ شفاعت کا حق آج صرف محبوبِ خدا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے حالانکہ آپ کے فضائل و کمالات اور مختصہ اوصاف ہر نبی کی خدمت میں حاضر ہونے کی محنت و مشقت اور رنج و تعب سے بچ جاتیں۔

امامِ زرقانی نے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

یحتمل انھم علموا ان صاحبھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم معینا وتکون احالۃ کل واحد منھم علی الاٰخر علی تدریج الشفاعۃ فی ذٰلک الیہ اظھارًا لشرفہ صلی اللہ علیہ وسلم

قاضی عیاض کے قول کا ماحصل یہ ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کو یا تو صرف اجمالاً شفیع کا علم تھا تعیین معلوم نہ تھی اس لئے ہر ایک اپنے ظن و گمان کے تحت دوسرے نبی کیطرف راہنمائی کرتا گیا یا تعیینی اور تفصیلی علم تھا لیکن اس وقت ہیبت و دہشت کیوجہ سے ذہول و نسیان طاری ہو گیا یا یہ کہ اب بھی انہیں قطعی طور پر شفیعِ روزِ جزا صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی شفاعتِ عظمٰی کے انحصار کا علم ہو گا جیسا کہ قبل ازیں تھا لیکن دیدہ دانستہ ایک دوسرے کا حوالہ دیتے جائیں گے تاکہ تدریجاً اور رفتہ رفتہ سوال و احتجاج کی نوبت بالآخر محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم تک آئے اور انہی کے طفیل سب کی حاجت برآئے اور ان کے شرفِ مقام و فضلِ تام کا ہر ایک کو علم ہو جائے۔ ہر ایک کو معلوم ہو جائے

کہ جس شہنشاہ نے دنیوی بادشاہت و ملوکیت پر فقر و مسکنت کو ترجیح دی تھی، جس نے عبدیت اور ملوکیت میں اختیار دیئے جانے کے باوجود عبدیت کو اختیار کیا اور ہمیشہ اس پر ناز کیا آج ان کی حکومت و سلطنت کے ظہور کا دن ہے اور ان کے اختیارات و تصرفات کے اظہار کا دن ہے "روز روز ادست و حکم حکم اوست بحکم رب العالمین" ؎

تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا

نکتہ: قیامت میں جب یہ منظر ہر ایک کے پیش نظر ہوتا تو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس منصب جلیل اور مرتبۂ عظیم کا پتہ چل جاتا۔ یہاں اس کا اظہار کیوں فرمایا؟ امام شعرانی نے الیواقیت والجواہر میں امام العارفین الشیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ العزیز کے حوالہ سے فرمایا:۔

انما اخبرنا صلی اللہ علیہ وسلم بانہ اول شافع و اول مشفع شفقۃ علینا لنستریح من التعب الخ

"نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے اول شافع اور پہلے مقبول الشفاعت رسول ہونے کی خبر اس لئے دی تاکہ ہم بھی دوسری امتوں کی طرح تلاش شفیع میں دربدر کی ٹھوکریں نہ کھاتے پھریں اور ہر ایک کی خدمت میں حاضری کے بعد نفسی نفسی والا مایوس کن جواب سن کر رنج و الم میں سرگرداں نہ رہیں بلکہ اپنا منصب و مرتبہ بیان کر کے ہمیں یہ بتلانا مقصود ہے کہ تم اپنی جگہ پر اطمینان و سکون سے قائم رہنا، جب میری باری آئے گی تو میں انا لھا انا لھا کہہ کر سب غمزدہ اور حرمان نصیب امتوں کا ملجاؤ ماوٰی، آسرا و سہارا بن جاؤں گا۔"

فاراد صلی اللہ علیہ وسلم اعلامنا بمقامہ یوم القیامۃ لنصبر فی مکاننا مستریحین حتی تاتی نوبتہ صلی اللہ علیہ وسلم ویقول انا لھا انا لھا فصلی اللہ علیہ وسلم ما اکثر شفقتہ

اسی لئے سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا اول شافع واول مشفع ولا فخر رواہ احمد والترمذی وغیرہ عن ابی سعید رضی اللہ عنہ "میں پہلا شفیع ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت مقبول ہوگی اور میرا یہ بیان بطورِ فخر نہیں ہے بلکہ تمہیں حقیقتِ حال سے شناسا کرانا مقصود ہے اور روزِ محشر میں رنج و تعب سے نجات دلانا مقصود ہے تاکہ میرے اس منصب کو یاد رکھو اور ادھر ادھر ٹھوکریں کھانے کی زحمت نہ اٹھاؤ، انما قصدت بذلك راحتكم من التعب يوم القيامة بحكم الوعد السابق لی من الله ان اكون اول شافع واول مشفع۔

اس امام جلیل کی کلام سے واضح ہو گیا کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اپنی امت پر شفقت و رحمت کا اظہار ہے اور انہیں اسی دنیا میں یہ بشارت دینا ہے کہ جو میرے ہیں انہیں کسی اور کا منہ دیکھنے کی ضرورت نہیں، فللہ الحمد۔

شفاعت کے متعدد اقسام ہیں اور ان میں سے ہر ایک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علی العموم یا بالخصوص حاصل ہے، شیخ محقق اور دیگر محدثین نے دس اقسام ذکر فرمائے ہیں :۔

۱۔ شفاعتِ عظمیٰ جو تمام مخلوق کو شامل ہے اور جس پر باقی تمام شفاعات کی مدار ہے۔
۲۔ بلاحساب و کتاب امت کو جنت میں داخل کروانا۔
۳۔ جن کی نیکیاں اور بدیاں حسنات و سیئات برابر ہوں گی انہیں جنت میں لیجانا۔
۴۔ جو دوزخ کے مستحق بن چکے ہیں انہیں جنت میں داخل کرنا۔
۵۔ ترقی درجات اور افزائشِ مراتب کے لئے شفاعت کرنا۔
۶۔ جو مجرم نارِ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے انہیں وہاں سے نکلوانا اور جنت میں لانا۔
۷۔ بابِ جنت کھلوانا تاکہ اہلِ جنت اس میں داخل ہو سکیں۔
۸۔ جو دائمی اور ابدی عذاب کے مستحق ہیں ان کے عذاب میں تخفیف کرانا۔
۹۔ اہلِ مدینہ کے لئے شفاعت کرنا۔
۱۰۔ مزارِ منور اور روضۂ مقدس کی حاضری دینے والوں کی شفاعت کرنا۔

ان دس اقسام میں سے پہلا اور دوسرا قسم اور آخری چار اقسام نبی الانبیاء امامِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص ہیں اور درمیان والے چار قسم انبیاء کرام ملائکہ اور علماء و شہداء کے درمیان مشترک ہیں لہٰذا یہ اقسام اور باقی علی الخصوص سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہیں۔ کتبِ احادیث و سیر اس پر دلیلِ ناطق اور شاہدِ صادق ہیں۔

حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من زارنی متعمدا کان فی جواری یوم القیامۃ ومن سکن المدینۃ وصبر علی بلاءھا کنت لہ شھیدا وشفیعا یوم القیٰمۃ ومن مات فی احد الحرمین بعثہ اللہ آمنا یوم القیٰمۃ (مشکوٰۃ بروایۃ البیہقی)

"جس نے قصدِ خالص اور عزمِ صمیم سے میری قبرِ انور کی زیارت کی وہ قیامت کے دن میرے قرب میں ہوگا، جو شخص مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کریگا اور اس میں پیش آنیوالے شدائد و مصائب پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کے لئے شہید (گواہ) اور شفیع (پناہ) ہوں گا۔ اور جو شخص حرمِ مکہ یا حرمِ مدینہ میں فوت ہوگا اللہ تعالےٰ اسے قیامت کے دن حالتِ امن میں اٹھائے گا اور ہر خوف و خطر سے محفوظ فرمائے گا۔"

حضرتِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من استطاع ان یموت بالمدینۃ فلیمت فانی اشفع لمن یموت بھا

"رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مدینہ شریف میں سکونت اختیار کر سکے اور وقتِ موت تک وہیں رہے حتیٰ کہ وہیں فوت ہو جائے تو چاہیئے کہ وہ ضرور ایسا کرے کیونکہ جو بھی مدینہ میں فوت ہوگا میں اس کی شفاعت کروں گا۔" ارشاد فرمایا من زار قبری وجبت لہ شفاعتی (مشکوٰۃ)

"جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعتِ مخصوصہ ثابت ولازم ہو گی۔"

دائمی اور ابدی عذاب کے مستحقین کے عذاب میں تخفیف کرانا جیسا کہ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کے متعلق فرمایا کہ میں نے اسے نارِ دوزخ میں غرق پایا لیکن اسے اتنا باہر نکال دیا کہ آگ اب صرف اس کے تلووں تک ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بغیر محض حقِ خدمت کی بدولت بھی تخفیف حاصل ہو جائے گی جیسا کہ حضرتِ عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابولہب کو اس کی موت کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تیرے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ تو اس نے کہا میں شدید عذاب و عقاب میں مبتلا ہوں لیکن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے موقع پر جب کہ میری لونڈی ثویبہ نے مجھے خوشخبری سنائی تھی اور اس خوشی میں میں نے اسے آزاد کر دیا تھا اس کی برکت سے ہر سوموار کی رات کو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت ہوئی تھی، شہادت کی انگلی سے ٹھنڈا میٹھا پانی عطا کر دیا جاتا ہے جس سے نارِ عطش کو بجھا لیتا ہوں[عہ]۔ (معارج النبوت و مدارج النبوت)

بابِ جنت کھلوانا، یہ مرتبہ بھی صرف سیدِ بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ حضرتِ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اٰتی باب الجنۃ یوم القیامۃ فاستفتح فیقول الخازن

عہ اس روایت میں میلاد منانے والوں کے لئے بشارتِ واضحہ موجود ہے کہ اگر دشمنِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم محض آپ کے محمد بن عبداللہ ہونے کیوجہ سے پیدائش کی خوشی مناتا ہے تو اسے بھی اللہ تعالٰے نے اپنی رحمت سے بالکل محروم نہیں رکھا تو جب مسلمان عقیدت ومحبت کے ساتھ میلادِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی مناتے ہیں وہ بھی ان شاء اللہ العزیز رحمتِ خداوندی سے محروم نہیں رہیں گے۔ (مدارج النبوۃ)
۱۲ منہ غفرلہٗ

من انت فاقول محمد فیقول بك امرت ان لا افتح لاحد قبلك (رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)

"میں جنت کے دروازے پر آؤں گا اور دروازہ کھولنے کا حکم دوں گا، خازن کہے گا کہ آپ کا اسمِ گرامی کیا ہے؟ میں کہوں گا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ عرض کرے گا کہ مجھے صرف آپ ہی کے لئے حکم دیا گیا تھا کہ آپ سے پہلے کسی کے لئے نہ کھولوں۔"

بلاحساب وکتاب امت کو جنت میں داخل کرنا بھی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مرتبۂ عالیہ اور درجۂ مختصہ ہے۔ حضرتِ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان اللہ وعدنی ان یدخل الجنۃ من امتی اربعمائۃ الف بلاحساب

"اللہ تعالےٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت سے چار لاکھ افراد کو بلاحساب وکتاب جنت میں داخل فرمائے گا۔"

حضرتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا زدنا یارسول اللہ "ہماری امت کی اس جماعت میں جو بلاحساب وکتاب جنت میں داخل ہوگی اور اضافہ فرمائیے۔" آنحضرت نے ان کی عرض کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے فرمایا وھکذا فحثا بکفیہ فجمعھما فقال ابوبکر زدنا یارسول اللہ قال وھکذا "اپنے دونوں ہاتھ مبارک جوڑ کر جیسا کہ وقتِ عطا میں دونوں ہاتھوں سے کوئی چیز دیجاتی ہے فرمایا چار لاکھ پر اتنے اور زیادہ، انہوں نے عرض کیا اور اضافہ فرمائیے۔ آپ نے پھر اسی طرح فرمایا اتنے اور۔" امیرالمؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا دعنا

؎ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی کہ اور اضافہ فرمائیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یارِ غار خلیفۂ اول نائب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نظریہ یہ ہے کہ اگرچہ وعدہ چار لاکھ کے متعلق ہے لیکن اگر محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم تعداد میں اضافہ کرانا چاہیں تو اللہ تعالیٰ ضرور اضافہ فرمادے گا، اور حبیبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اضافہ فرما کر اس نظریہ کی توثیق وتقویت فرمادی۔ ۱۲ منہ غفرلہ

یا ابا بکر فقال ابو بکر وما علیک ان ید خلنا اللہ کلنا الجنۃ
فقال عمر ان اللہ عزوجل ان شاء ان ید خل خلقہ
الجنۃ بکف واحد فعل فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
صدق عمر رواہ فی شرح السنۃ (مشکوٰۃ باب الشفاعۃ)

"حضرتِ عمر نے کہا اے ابوبکر ہمیں اسی حال پر رہنے دیجئے تاکہ عمل کریں اور خوفِ حساب وعذاب کیوجہ سے جد وجہد کریں اور اعتمادِ کرم وبخشش کیوجہ سے کہیں عمل سے محروم نہ رہ جائیں۔ حضرتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر ہم تمام کو اللہ تعالٰے بلاحساب وکتاب جنت میں داخل کر دے تو آپ پر یہ کیونکر گراں بار ہوسکتا ہے۔ حضرتِ عمر نے فرمایا اگر اللہ تعالٰے اپنی تمام مخلوق کو ایک ہی کفِ دست سے داخلِ جنت کرنا چاہے تو کر دے، بار بار کفِ دست میں اضافہ کرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے سچ اور صحیح کہا ہے۔"

جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی یا گناہ غالب ہوں گے ان کی شفاعت کے لئے یہ رؤف ورحیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم میزان پر قیام فرما ہونگے حضرتِ انس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آنحضرت قیامت کے دن میری شفاعت

؎ شفیع روزِ جزا محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی درخواست کو شرفِ قبولیت بھی بخش دیا اور حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کا قول جو بظاہر بارِ خاطر پر تنقید واعتراض ہے اس کی تصدیق بھی فرما دی کیونکہ دونوں کے اقوال مقصد اور حسنِ نیت کے لحاظ سے صحیح اور درست ہیں۔ حضرتِ صدیق نے زبانِ مصطفٰے سے صدائے کرم سنی تو اعمال پر اعتماد کی بجائے کرمِ کریم کی وسعت وبے پایانی پر اعتماد کرتے ہوئے سب کے بلاحساب جنت میں داخل کرنے کی تمنا کر دی اور فقر ومسکنت، عجز ونیاز مندی والا طریقہ اختیار فرمایا۔ حضرتِ عمر والا انداز واسلوب رضا وتسلیم والا تھا نیز یہ کہ اس اعتماد کی بناء پر کہیں اعمال میں کوتاہی کر کے درجات میں کمی ونقصان والا خسارہ نہ اٹھانا پڑے، اگرچہ اللہ تعالٰی ایک ہی کفِ دست سے سب کو بلاحساب جنت میں داخل فرما سکتا ہے اس لئے ان کی تصدیق فرما دی۔

منہ غفرلہ

فرمادیں۔آپ نے فرمایا ہاں ہیں شفاعت کروں گا، عرض کی ہیں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا پہلے پہل تو مجھے پلصراط پر تلاش کرنا جوکہ جہنم کی پشت پر رکھی ہوگی اور امتی اوپر سے گزر رہے ہوں گے، ان کی شفاعت ونصرت کے لئے وہاں قیام فرما ہوں گا اور رَبِّ سَلِّمْ رَبِّ سَلِّمْ زبانِ اقدس پہ ہوگا" اے اللہ میری امت کو سلامتی کے ساتھ گزار"۔ عرض کیا اگر آپ کو وہاں نہ پاؤں تو پھر کہاں تلاش کروں! فرمایا مجھے میزان اور اس ترازو کے پاس تلاش کرنا جس سے اعمالِ امت کا وزن کیا جارہا ہوگا، انہوں نے عرض کیا اگر میں آپ کو وہاں بھی نہ پاسکوں تو پھر کہاں تلاش کروں! فرمایا پھر مجھے حوضِ کوثر کے پاس تلاش کرنا کیونکہ میں ان تین مقاموں سے باہر نہیں ہوں گا، جو کثرتِ گناہ سے دوزخ کے مستحق بن چکے ہوں گے ان کے متعلق فرمایا:۔

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال شفاعتی لاھل الکبائر من امتی (ترمذی، ابوداؤد)

"حضرتِ انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبیرہ گناہ کرنیوالوں کے لئے میری شفاعت محقق وثابت ہوگی"

اور جب اہلِ کبائر کے لئے ثابت ہوگی تو اہلِ صغائر کے لئے اور ان کی ترقی درجات اور رفعتِ مراتب کے لئے بطریقِ اولیٰ ثابت ہوگی، بلکہ یہ منصب تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں امت کے اکابر اولیاء وعلماء اور شہداء وصالحین کو بھی حاصل ہوگا۔

حضرتِ عبداللہ بن ابی الجدعاء سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے ایک آدمی کی شفاعت سے بنی تمیم کی گنتی وشمار سے بھی زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

حضرتِ ابوسعید سے مروی ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے بعض ایسے لوگ ہوں گے جو قبیلوں کی شفاعت کریں گے، بعض صرف ایک قبیلہ کی، بعض تھوڑی سی جماعت کی اور بعض صرف ایک آدمی کی

شفاعت کریں گے حتیٰ کہ سارے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے انبیاء کرام علماء کرام اور شہداء عظام۔

حضرتِ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ترجمانِ حقیقت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ کے مستحق صف باندھ کر کھڑے ہوں گے ایک جنتی آدمی ان کے پاس سے گزرے گا تو ان میں سے ایک کہے گا تو مجھے نہیں پہچانتا میں وہ شخص ہوں جس نے تجھے پانی پلایا تھا، بعض کہیں گے ہم نے وضو کا پانی دیا تھا وہ ان کی شفاعت فرمائے گا اور وہ بھی جنت میں داخل ہو جائیں گے (مشکوٰۃ)

جہنم میں داخل ہونیوالوں اور نارِ دوزخ میں جلنے والوں کے لئے شفیع الامم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے انہیں عذاب سے بچا کر راحتِ جنت سے ہمکنار فرمائیں گے۔

حضرتِ انس رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بخاری و مسلم نے بھی نقل فرمایا ہے اس میں اہلِ محشر کا تلاشِ شفیع میں حضرتِ آدم علیہ السلام، حضرتِ ابراہیم علیہ السلام، حضرتِ موسےٰ و عیسےٰ علیہما السلام کے پاس حاضر ہونا، ان کا جواب دے دینا، پھر ان کا بارگاہِ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہونا، آنحضور شافعِ یوم النشور کا انا لھا فرمانا، بارگاہِ رب العالمین میں سجدہ ریز ہونا، حمد و ثنا کے تحفے احکم الحاکمین کی بارگاہ میں پیش کرنا اور رب العالمین کا یہ ارشاد فرمانا "یا محمد ارفع رأسك قل تسمع وسل تعط واشفع تشفع" اے قابلِ ستائش محبوب سر اٹھاؤ جو کہو گے سنا جائے گا، جو مانگو گے عطا کیا جائے گا، جس کی شفاعت کرو گے قبول کی جائے گی"، ذکر کرنے کے بعد فرمایا:-

فاقول یا رب امتی فیقال انطلق فاخرج من کان فی قلبه مثقال شعیرة من ایمان فانطلق فافعل ثم اعود

فاحمدہ بتلک المحامد ثم اخرّ لہ ساجدا فیقال یا محمد ارفع رأسک وقل تسمع واشفع تشفع فاقول یا رب امتی امتی فیقال انطلق فاخرج من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ او خردلۃ من ایمان فانطلق فافعل ثم اعود فاحمدہ بتلک المحامد ثم اخرلہ ساجدا فیقال یا محمد ارفع رأسک قل تسمع سل تعط واشفع تشفع فاقول یارب امتی امتی فیقال انطلق فاخرج من کان فی قلبہ ادنیٰ ادنیٰ ادنیٰ مثقال حبۃ خردل من ایمان فاخرجہ من النار فانطلق فافعل ثم اعود الرابعۃ فاحمدہ بتلک المحامد ثم اخرّ لہ ساجدا فیقال یا محمد ارفع رأسک قل تسمع وسل تعط واشفع تشفع فاقول یا رب ائذن لی فیمن قال لا الٰہ الا اللہ قال لیس ذالک لک ولکن و عزتی وجلالی وکبریائی وعظمتی لاخرجن منہا من قال لا الٰہ الا اللہ متفق علیہ۔

"میں عرض کروں گا اے رب تعالیٰ میں اپنی امت کے متعلق شفاعت کرتا ہوں انہیں بخشش اور عفو وکرم سے سرفراز فرما۔ ارشاد ہوگا جاؤ اور جن کے دل میں جو بھر ایمان ہے انہیں نارِ دوزخ سے نکال لو، میں جاکر انہیں نکالوں گا اور پھر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوکر حمد وثنا کروں گا، پھر سجدہ میں گر جاؤں گا ارشاد ہوگا یا محمد ارفع رأسک و قل تسمع وسل تعط واشفع تشفع میں عرض کروں گا اے اللہ میری امت کو بخش دے ارشاد ہوگا جاکر ہر اس شخص کو جہنم سے نکال لو جس کے دل میں ذرہ برابر یا رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہے، میں جاکر انہیں بھی نکال لوں گا، پھر حسبِ سابق عجز ونیاز اور عبودیت وبندگی کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑوں گا، اللہ رب العزت حسبِ سابق عزت افزائی فرماتے ہوئے سر کو اٹھانے کا حکم دے گا اور

قبولیتِ شفاعت کا مژدہ سنائے گا، میں امت کی مغفرت چاہوں گا، فرمان ہوگا جس کے دل میں بھی رائی کے دانہ سے کم بلکہ اس سے بھی کم اور اس سے بھی کمترین درجہ ایمان ہے اسے بھی جاکر آتشِ دوزخ سے نکال لیں، میں جاکر انہیں بھی نکال لوں گا اور پھر اسی اندازِ نیاز سے حاضر ہوکر سجدہ ریز ہوں گا، اللہ تعالٰی اسی کرم و نوازش کا مظاہرہ کرتے ہوئے سر اٹھانے اور عرض کرنے کا حکم دے گا، مدعا سننے، منہ مانگی دئے جانے کا مژدہ سنایا جائے گا، شفاعت قبول کرنے کا وعدہ فرمائے گا، میں عرض کروں گا، جس نے بھی خلوصِ دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا ہے ان تمام کے لئے نارِ دوزخ سے نکال لینے کا اذن دیا جائے، اللہ تعالٰی فرمائے گا ان کا نکالنا تمہارے ذمہ نہیں بلکہ مجھے اپنے عزت و جلال اور عظمت و کبریائی کی قسم میں ضرور بالضرور خود ان تمام لوگوں کو عذابِ جہنم سے نجات دوں گا جنہوں نے خلوصِ دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا۔"

مشکوٰۃ میں اس سے پہلی روایت' جو کہ حضرتِ انس ہی کی روایت کردہ ہے' اور متفق علیہ بھی ہے' میں ہے:

فاخرجهم من النار وادخلهم الجنة حتى ما يبقى فى النار الا من قد حبسه القرآن اى وجب عليه الخلود۔

"میں ان تمام لوگوں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کردوں گا حتیٰ کہ آگ میں صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جو ابدی عذاب کے مستحق ہوں گے اور جن کے دل میں ایمان کا نام و نشان بھی نہیں ہوگا۔"

ان روایات سے واضح ہوگیا کہ جس کے دل میں کفر و نفاق نہیں وہ شفاعتِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم نہیں رہے گا خواہ اسے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نارِ دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل فرمادیں یا ان کی شفاعت سے خود اللہ تعالٰی انہیں نکالے بلکہ ان کے عرض کرنے پر اگر اللہ تعالٰی خود نکال دیں تو عظمتِ محبوب اور زیادہ ہوگی اور ان کی شانِ محبوبیت اور زیادہ اجاگر ہوگی۔ محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذن فرماتا کہ تم نکال لو اور ان کے عرض کرنے پر خود ان مجرموں کو نارِ دوزخ

سے نجات دینے میں بہت بڑا فرق ہے جو ہر صاحبِ بصیرت پر ظاہر ہے لہذا ثابت ہو گیا کہ شفیعِ روزِ جزا علی الاطلاق حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور شفاعت کا ہر قسم انہیں حاصل ہوگا اوران شفاعات میں اصل شفاعت وہ شفاعتِ عظمےٰ ہے جس سے پہلے کوئی بھی شفیع ونصیر اور ولی و وکیل دم مارنے کی طاقت نہیں رکھے گا اور اولوالعزم رسلِ کرام بھی نفسی نفسی پکاریں گے اور لست هناك (میں اس قابل نہیں) کہہ کر اعترافِ عجز و بے بسی کریں گے اور بالآخر طلبگارانِ شفاعت انہی کے درِ اقدس کو ملجا و ماوٰی بنا کر ہی وصولِ مدعا اور حصولِ مطلوب سے شرف اندوز ہوں گے اور رحمتِ ایزدی سے سرفراز ہوں گے۔

گویا اصل شفاعت یہ ہے اور باقی سب اس کی فرع، کل شفاعت یہ ہے اور باقی سب اس کے اجزاء اور اس کا مالک اور اہل صرف وہ ہو سکتا ہے جو وسیلہ و فضیلہ کے مقام مقامِ محمود پر فائز، عرشِ عظیم کے دائیں پہلو میں کرسئ وزارت پر جلوہ گر، اور خلعتِ محبوبیت کو زیبِ تن کئے ہوئے ہوگا۔ اس لئے فرمایا انا اعطینٰك الكوثر، اور یہ نہ فرمایا کہ ہم نے تجھے مقامِ شفاعت درجہ وسیلہ عطا فرمایا یا مقامِ محمود عطا فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا ہم نے آپ کو وہ مقام عطا فرمایا جو تمام تر خیرات اور فضائل و درجات کا اصل اور منبع و معدن ہے اور جس کی طرف ہر کوئی محتاج ہے۔

عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ اذا کان یوم القیامۃ کنت امام النبیین وخطیبھم وصاحب شفاعتھم غیر فخر رواہ احمد والترمذی

"حضرتِ ابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت قائم ہوگی تو میں تمام نبیوں کا امام ہوں گا اور ان کی طرف سے اللہ تعالےٰ کے ساتھ کلام کرنے والا اور ان کے لئے شفاعت طلب کرنے والا

ہوں گا اور میں اس اعلان میں فخر کرنیوالا نہیں ہوں۔

عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا سید ولد آدم یوم القیٰمۃ ولا فخر وبیدی لواء الحمد ولا فخر وما من نبی یومئذٍ آدم فمن سواہ الا تحت لوائی الحدیث۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں قیامت کے دن نسلِ انسانی کا سردار ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں، صرف میرے ہی ہاتھ میں لواء الحمد ہو گا اور مجھے اس پر فخر نہیں اور ہر نبی خواہ حضرتِ آدم ہوں یا ان کے ماسوا، سارے میرے لواء الحمد کے نیچے ہوں گے۔"

حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

الا وانا حبیب اللہ ولا فخر وانا حامل لواء الحمد یوم القیٰمۃ تحتہ آدم ومن دونہ ولا فخر وانا اول شافع واول مشفع یوم القیٰمۃ ولا فخر وانا اول من یحرک حلق الجنۃ فیفتح اللہ لی فیدخلنیہا ومعی فقراء المؤمنین ولا فخر وانا اکرم الاولین والآخرین علی اللہ ولا فخر رواہ الترمذی والدارمی

آگاہ رہو میں حبیبِ خدا ہوں اور یہ قول بطورِ فخر نہیں اور میں ہی لواء الحمد نامی علم کا حامل و مالک ہوں گا جس کے نیچے آدم علیہ السلام اور دوسرے تمام انبیاء ہوں گے اور یہ اظہار بطورِ فخر نہیں، میں قیامت کے دن پہلا شفاعت کرنیوالا اور پہلا مقبول الشفاعت شفیع ہوں گا اور یہ قول بطورِ فخر نہیں اور میں سب سے پہلے جنت کے دروازوں کی زنجیریں ہلاؤں گا اور اللہ تعالیٰ اسے میرے لئے کھلوائے گا اور مجھے جنت میں داخل فرمائے گا اور میرے ساتھ فقراء و مساکین مؤمنین ہوں گے اور میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اولین و

آخرین سے زیادہ معظم و مکرم ہوں اور یہ کلام بطورِ فخر نہیں۔"

عن انس رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا اول الناس خروجا اذا بعثوا وانا قائدھم اذا وفدوا وانا خطیبھم اذا انصتوا وانا مستشفعھم اذا حبسوا وانا مبشرھم اذا یئسوا الکرامۃ والمفاتیح یومئذ بیدی ولواء الحمد یومئذ بیدی وانا اکرم ولد آدم علی ربی الحدیث رواہ الترمذی۔

"محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب لوگ اٹھائے جائیں گے میں سب سے پہلے اٹھنے والا ہوں گا اور میں انہیں بارگاہِ رب العالمین کیطرف لانے والا ہوں گا جبکہ وہ اس دربارِ عالی میں آئیں گے میں ہی ان کیطرف سے کلام کرنے والا ہوں گا جبکہ وہ ہیبت اور جلالِ خداوندی کیوجہ سے چپ ہو جائیں گے میں ہی ان کے لئے شفیع اور معذرت خواہ ہوں گا، جبکہ وہ میدانِ حشر میں روک دئے جائیں گے میں ہی ان کو مژدۂ رحمت اور بشارتِ مغفرت دینے والا ہوں گا، جب کہ وہ ناامید ہو جائیں گے کرامت و بزرگی دینا، مراتب و منازل عطا کرنا اور ابوابِ بہشت کی چابیاں میرے قبضۂ اختیار و اقتدار میں ہوں گی، لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں ہی اللہ تعالےٰ کے نزدیک تمام نسلِ آدم سے زیادہ مکرم ہوں گا

اعلیحضرت بریلوی نے فرمایا ؎

تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا

نکتہ ہر حاکم و قائد اور رئیس و سید کا علَم اور جھنڈا ہوتا ہے جو اس کی سیادت و قیامت اور امارت و امامت کی دلیل و علامت ہوتا ہے، محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم روزِ محشر سید الخلق، قائدِ مرسلین اور امام النبیین ہوں گے لہذا ان کے لئے بھی علَم ہوگا جس کو لواء الحمد سے تعبیر فرمایا گیا اور اس کا

نام لواء الحمد اس لئے رکھا گیا کہ حمد ہی کی بدولت وہ حاصل ہو گا، وہ عالمِ اشباحؒ ارواح میں حمد و ثنا کرتے رہے، احمد و حامد بنے رہے تو اللہ تعالےٰ نے محمد و محمودؐ بنایا اور قیامت میں بھی بارگاہِ رب العزت میں سجدہ ریز ہو کر اور حمد و ثنا کر کے عبدیت و عبودیت کا مظاہرہ کریں گے تو اللہ تعالےٰ زبانِ خلائق پر ان کی حمد و ثنا جاری فرمائیگا انہیں مقامِ محمود عطا فرمائے گا اور صاحبِ لواء الحمد بنائے گا حضرتِ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا ؎

وشق لہ من اسمہ لیجلہ
فذو العرش محمود وھذا محمد

" اللہ تعالےٰ نے اپنے اسمِ گرامی محمودؐ سے ان کے نامِ نامی محمد کو مشتق فرمایا تاکہ انکی جلالتِ شان کو ظاہر فرمائے لہذا مالکِ عرش محمودؐ ہے اور یہ محمد ہیں" اور جب یہ محمد ہیں تو پھر ان کی ذات و صفات بھی محمد اور قابلِ ستائش، ان کا مکان و مقام بھی محمودؐ اور قابلِ ستائش اور ان کا علَم و جھنڈا بھی قابلِ حمد و ستائش، فصلی اللہ علیہ وسلم قدر حسنہ وجمالہ وجاھہ وجلالہ وجودہ ونوالہ وعلیٰ آلہ واصحابہ۔

نکتہ امام العرفاء حضرت سید عبدالعزیز دباغ قدس سرہ العزیز نے لواء الحمد کی حقیقت اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاملِ لواء الحمد ہونے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا :۔

لواء الحمد وھو نور الایمان وجمیع الخلائق خلفہ من امتہ وغیر امتہ مع سائر الانبیاء وتکون کل امۃ تحت لواء نبیھا ولواء نبیھا یستمد من لواء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھم مع امھم علی حدکتف النبی صلی اللہ علیہ وسلم وامتہ المطھرۃ علی الکتف الاٰخر وفیھا الاولیاء بعدد الانبیاء ولھم الویۃ مثل ما للانبیاء ولھم

من الاتباع مثل ما للانبیاء ویستمدون من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویستمد اتباعھم منھم کحال الانبیاء علیھم السلام۔

"لواء الحمد وہ نورِ ایمان ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ضَوفشاں ہوگا اور ایک علمِ بلند کی شکل میں نمودار ہوگا۔ آپ آگے آگے قائدانہ شان سے تشریف لیجارہے ہوں گے اور تمام مخلوق اور تمام امم بمع اپنے انبیاء کرام علیہم السلام آپ کے پیچھے تابع اور مقتدی کی حیثیت سے چل رہے ہوں گے، ہر امت اپنے نبی کے علم کے نیچے ہوگی اور ان کے نبی کا علم قائد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لواء الحمد سے اکتسابِ نور کرے گا اور اس سے مستفید و روشن ہوگا۔

تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی امتوں سمیت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے، ایک جانب پر ہوں گے اور آپ کی امتِ مطہرہ دوسری جانب اور اس امت میں اتنے ہی اولیاء ہوں گے جتنی انبیاء کرام کی تعداد ہوگی ان میں سے ہر ولی کے ہاتھ میں علمِ نور ہوگا اور اتنے ہی اتباع ہوں گے جتنے کہ ہر نبی کے اتباع ہوں گے، ان کے اعلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ نور سے اکتسابِ نور کریں گے اور اتباع پر اس نور کی بارش کریں گے جیسا کہ انبیاء کرام لواء الحمد سے نور حاصل کر کے اپنی امتوں کو ظلمتکدۂ حشر میں روشنی عطا فرمائیں گے، امامِ اہلِ سنت نے خوب فرمایا ہے

تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نور کا
بخت جاگا نور کا چمکا ستارا نور کا
تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا
بینیٔ پُر نور پر رخشاں ہے بکہ نور کا
ہے لواء الحمد پر اڑتا پھریرا نور کا

ظلمتکدۂ حشر میں آفتابِ نورِ ذاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو گی اور انبیاء و اولیاء بہ صورتِ ماہتاب و انجم انہی کے نور سے چمک و دمک اور اجالا و ضیاء حاصل کر کے اہلِ محشر کو فیضان نور دیں گے لقد صدق اللہ و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا۔

امام الواصلین حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ العزیز نے لواء الحمد کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا :-

لواء الحمد و ھو حمد الحمد و اتم المحامد و اسناھا و اعلاھا مرتبۃ لما کان اللواء یجتمع الیہ الناس لانہ علامۃ علی درجۃ الملک و رتبتہ و وجودہ کذلک حمد الحمد یجتمع الیہ المحامد کلھا (الی) سمی لواء لانہ یلتوی علی جمیع المحامد فلا یخرج عنہ حمد لانہ بہ یقع الحمد من کل حامد و لما کان یجمع الوان المحامد کلھا لھذا عم ظلہ جمیع الحامدین قال صلی اللہ علیہ وسلم آدم فمن دونہ تحت لوائی۔

" لواء الحمد حمد الحمد کا نام ہے جو کہ تمام محامد سے شرف و مرتبہ کے لحاظ سے افضل و اعلیٰ ہے اور جبکہ لواء یعنی علم کیطرف لوگ رجوع کرتے ہیں کیونکہ وہ بادشاہ کے درجہ و مرتبہ اور وجود کی علامت ہوتا ہے اسی طرح لواء الحمد کیطرف تمام محامد اور تعریفات و توصیفات رجوع کریں گی اور اس علم کو لواء الحمد فرمایا گیا ہے کیونکہ لواء کا معنیٰ لپیٹنا اور سمیٹنا ہے اور لواء الحمد بھی تمام حمدوں کو اپنے احاطے اور گھیرے میں لئے ہوئے ہے اور جو حامد بھی اپنے رب کی حمد و ثنا کرتا ہے وہ اس میں مندرج ہے اور یہیں سے اس پر فیضان کی ہوئی ہے اور چونکہ وہ سب محامد و مدائح پر مشتمل ہے اسی لئے اس کا سایہ بھی تمام حامدین کو شامل و محیط ہو گا ، اسی لئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ تمام انبیاء و رسل اس کے

نیچے ہوں گے گویا تمام انبیاء و رسل کے مرجع و اصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے محامد و مدائح اور اعلام والویہ کا مرجع و اصل حمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا لواء الحمد اسی لئے سارے انبیاء و رسل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہوں گے اور انکے لواء الحمد کے نیچے ہوں گے۔

نکتہ ۳ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لواء الحمد کے نیچے پناہ لینے والوں میں سے حضرتِ آدم علیہ السلام کو بالخصوص نام لیکر ذکر فرمایا اور دوسرے انبیاء کرام و رسلِ عظام اور تمام امم کو فمن دونہ کے اجمال و ابہام سے ذکر فرمایا نیز لفظِ "دون" سے جو کہ تنزلِ مرتبہ اور نقصانِ درجہ پر دلالت کرتا ہے حالانکہ "ماسویٰ" میں حضرتِ آدم علیہ السلام سے افضل انبیاء و رسل بھی ہیں شیخِ اکبر قدس سرہ العزیز نے اس راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا :-

وانما قال فمن دونہ لان الحمد لا یکون الا بالاسماء وآدم عالم بجمیع الاسماء کلھا فلم یبق الا ان یکون من ھنالک تحتہ ودونہ فی الرتبۃ لانہ لابد ان یکون مثنیا باسم ما من تلک الاسماء ولما کانت الدولۃ فی الآخرۃ لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم دالی، فمتی ظھر صلی اللہ علیہ وسلم کان احق بولایتہ ولوائہ فیاخذ اللواء من آدم یوم القیامۃ بحکم الاصالۃ فیکون آدم فمن دونہ تحت لوائہ وقد کانت الملائکۃ تحت ذلک اللواء فی زمان آدم علیہ السلام فھم فی الآخرۃ تحت لوائہ فتظھر فی ھذہ المرتبۃ خلافۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الجمیع۔

"حضرتِ آدم علیہ السلام کے ماسوا کو لفظِ "دون" سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ حمد اسماءِ باری تعالےٰ سے ہی ہوگی اور سارے اسماء کا علم آدم علیہ السلام کو حاصل ہے لہذا جو بھی نبی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا جس اسمِ مبارک سے بھی کرے گا وہ پہلے حضرتِ آدم علیہ السلام

کو حاصل ہوگا لہذا اس اعتبار سے آدم علیہ السلام ہر ماسوی پر فوقیت لے جائیں گے لیکن یہ افضلیت اور فوقیت صرف اس وقت تک تھی جب تک رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور نہیں ہوا تھا جو کہ جوامع الکلم کے مالک ہیں اور جن پر بالآخر اس دولت وسلطنت کی تکمیل و تمیم ہونی تھی، اگرچہ وہی اصل ہیں اور انہیں اپنا مقام و مرتبہ اس وقت بتلا دیا گیا تھا اور اس پر فائز کر دیا گیا تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ ان کی تخلیقِ جسم بھی مکمل نہیں ہوئی تھی اور انہیں اس وقت سے جوامع الکلم اور علمِ اسماء عطا فرما دیا گیا تھا جبکہ آدم علیہ السلام میں روح بھی نہیں پھونکا گیا تھا لیکن ظاہر میں کوئی جسم اور ذات آپکی موجود نہ تھی تاکہ ان اسماء کا ظہور ہو سکتا لہذا آپ بمعہ ان اسماء کے حضرتِ آدم علیہ السلام سے ظاہر ہوئے لہذا وہ مظہرِ ذاتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی بدولت ملائکہ میں صاحبِ لواء اور صاحبِ علَم بن گئے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وجودِ عنصری میں آ گئے تو پھر وہ ولایت وسلطنت اور علَم ولواء آپ کا ہی حق بن گیا لہذا حضرت آدم علیہ السلام سے وہ لواء الحمد لے لیں گے کیونکہ اصل آ جائے تو نائب کی نیابت اور خلیفہ کی خلافت ختم ہو جاتی ہے لہذا حضرتِ آدم علیہ السلام اور تمام نبی و رسول الٰہی کے لواء الحمد کے نیچے ہوں گے اور ملائکہ پہلے حضرتِ آدم علیہ السلام کے لواء وعلَم کے نیچے تھے لیکن روزِ محشر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لواء الحمد کے نیچے ہوں گے پس اس دن آنحضور شافعِ یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافتِ کبریٰ اور ولایتِ عظمٰے سیادت وریاست اور قیادت وحکومت ظاہر ہو گی۔

اس عارفِ کامل اور محققِ فاضل نے مقامِ محمود کی حقیقت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کی تخصیص پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

المقام المحمود ھو الذی یرجع الیہ عواقب المقامات کلھا والیہ تنظر جمیع الاسماء الالٰھیۃ المختصۃ بالمقامات وھو لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویظھر ذلک لعموم الخلق یوم القیٰمۃ وبھذا صحت لہ السیادۃ علیٰ جمیع الخلائق (الیٰ)

فكان محمودًا بكل لسان وكل مقام فلا تجتمع المحامد يوم القيامة كلها الا لمحمد صلى الله عليه وسلم فهو الذى عبر عنه بالمقام المحمود وقال هذا المقام هو الوسيلة لان منه يتوسل الى الله فيما يوجه فيه من فتح باب الشفاعة وهو شفاعته فى الجميع (نقلا من جواهر البحار)

"مقامِ محمود وہ مقام ہے جس کی طرف تمام مقام باعتبار اپنے عواقب کے راجع ہیں اور جس مقام پر تمام مقاماتِ عالیہ کی انتہاء ہوتی ہے اور جس مقام میں سب مراتبِ رفیع مندرج ہوتے ہیں وہ مقام مقامِ محمود ہے اور اسی کی طرف تمام اسماء الٰہیہ جو کہ اہلِ مقامات کے لئے مربی ہیں اور مقامات کے ساتھ مختص ہیں راجع ہوتے ہیں۔ یہ مقام بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے اور روزِ محشر تمام مخلوق پر یہ مقام و منصب منکشف ہوگا۔ اسی مقام کی وجہ سے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تمام مخلوقات پر سیادت اور فوقیت حاصل ہوگی جیسا کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا سید الناس یوم القیامۃ "میں لوگوں کے لئے سردار ہوں گا قیامت کے دن" اور وجودِ عنصری میں اور عالمِ شہادت میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے اس مقام پر حضرتِ آدم علیہ السلام فائز تھے جبکہ انہیں ملائکہ نے سجدہ کیا کیونکہ مسجودِ ملائکہ ہونا اس مقام کا مقتضی تھا اور اسی کا نتیجہ اور یہی مقام آخرت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوگا اور پہلے پہل حضرتِ آدم علیہ السلام اس مقام میں ظہور فرما اس لئے ہو گئے کہ ان کا جسمِ پاک بشریتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل تھا اور وہ جسمیت کے اعتبار سے والد اعظم ہیں، مقرب عند اللہ ہیں اور نشاۃِ ترابیہ یعنی عالم خاکی کی اصل اور بنیاد ہیں لہٰذا وہ سارے مقامات ان میں ظاہر ہو گئے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسمِ پاک کے ساتھ ظہور فرما ہو گئے تو پھر یہ مقام اور تمام مراتب انہی کی طرف متوجہ ہو گئے اور دارِ آخرت میں اسی منصب کا مظاہرہ ہوگا اور سردرِ عالم د

عالمیان، سیدِ انس و جان صلی اللہ علیہ وسلم اس روز اس مقام پر فائز ہوں گے اور شفاعت کے دروازے کھولیں گے اور سب سے پہلی شفاعت ان اکابرین کے حق میں فرمائیں گے جو کہ اہلِ شفاعت ہوں گے خواہ ملائکہ ہوں یا انبیاء و رسل، اولیاء کرام ہوں یا مؤمنین، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے منصبِ شفاعت پر فائز کئے جانے کی تمنا کریں گے اور وہ آپ کی اس شفاعت کے طفیل قابلِ شفاعت بنیں گے اور اذنِ شفاعت پائیں گے لہذا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر زبان پر اور ہر مقام پر حمد و ثنا کئے جائیں گے اور یہی وہ مقامِ محمود ہے جس میں تمام محامد و مدائح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف راجع ہوں گے، اور یہی وہ مقامِ وسیلہ ہے جس کی بدولت تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کیطرف توسل حاصل کرے گی اور انہی کی بدولت شفاعت نصیب ہوگی ؎

داستانِ حسن جب پھیلی تو لاحد و دتھی
اور جب سمٹی تو تیرا نام ہو کر رہ گئی

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ مقامِ محمود اور وسیلہ و فضیلہ ایک ہی مقام ہے اور اسی منصب و درجہ پر فائز ذات کی سیادت و سلطنت کی علامت لواء الحمد ہوگا اور اسی قربِ الٰہی اور خلافتِ کبریٰ اور ولایتِ عظمیٰ کی بدولت ہی شفاعت کبریٰ اور دیگر تمام شفاعات کا ظہور ہوگا۔

نیز یہ مقام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب انبیاء و رسل اور ملائکہ مقربین بلکہ تمام مخلوق کی پیدائش اور تخلیق سے بھی پہلے حاصل ہو چکا تھا لیکن اس کا ظہور وجودِ عنصری پر موقوف تھا اور اس ظہور کے وقت حضرتِ آدم علیہ السلام اور دیگر مقرب رسل و انبیاء زمین پر وجودِ عنصری کے ساتھ ظاہر نہیں تھے اس لئے اس کے کماحقہ ظہور کا دن صرف قیامت ہی کا دن تھا۔ اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ اس دن آپ کو صاحبِ مقامِ محمود بنا کر آپ کے منصب و مرتبہ و رجلالت و عظمتِ شان کو ظاہر فرمائیگا اور اولین و آخرین کی زبان پر ان کی حمد و ثنا کو جاری فرمائے

حضرتِ آدم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم اور حمد و ثنا، ملائکہ نے ایک وقت میں کی اور یہاں تمام مخلوق بمع انبیاء و ملائکہ ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہوں گے اور ان کی تعظیم و تکریم میں مصروف و مشغول بلکہ پھر ہمیشہ کے لئے انہی کی حمد و ثناء میں مصروف رہیں گے اور جنتیں انہی کی یاد اور ذکر و فکر اور مدح و ثناء کا محل ہوں گی۔ اور ہر زبان پر انہی کی داستان ہو گی اذا ذکرت ذکرت معی ولا اذکر حتی لاتذکر۔

الغرض یہ مقام سب مقامات کا اصل ہے اور یہ منصب سب مناصب و مراتب پر مشتمل ہے۔ ہر کمال اور فضیلت اسی کی طرف راجع ہے اور سب اولین و آخرین، ملائکہ مقربین، انبیاء و مرسلین کے مدارج و مراتب اسی مقام میں مندرج ہیں لہذا یہ صرف ایک مقام نہیں بلکہ مقامات ہیں لہذا اس کا عطا کرنا عطاءِ کوثر ہے اسی لئے فرمایا انا اعطینک الکوثر۔

تذییل

ہم نے مقامِ محمود کے تحت جو کچھ عرض کیا ہے اس سے محب اور مخلص مومن کو جہاں خوشی اور سرورِ قلب حاصل ہو گا اس کے برعکس بد باطن، گستاخ و بے ادب اور دشمنانِ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دل جلیں گے اور وہ طرح طرح سے قدر و منزلت کو گھٹانے کی کوشش کریں گے، بجائے اعتراف و تسلیم کے انکار و جحود کو پیشہ بنائیں گے، عموماً آیۂ کریمہ ولا تجزی نفس عن نفس شیئا و لا یقبل منھا شفاعۃ کو اپنی سند بناتے ہوئے یہ کہہ جاتے ہیں کہ قیامت میں کوئی نفس کسی نفس سے کسی شے کی کفایت نہیں کر سکے گا اور نہ جزا دے سکے گا، نہ اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ لہذا شفاعت ہی ثابت نہیں تو پھر سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ منصبِ جلیل کیسے ثابت

ہو سکے گا ؟ لہٰذا اختصاراً اس شبہ باطلہ کا ازالہ ضروری ہے۔

قرآنِ کریم میں نفسِ شفاعت کی نفی نہیں کی گئی بلکہ بہت سی آیاتِ کریمہ سے شفاعت ثابت ہے اور علمائے اہلِ سنت نے اپنی عقائد کی کتابوں میں اس مسئلہ کو پوری بسط کے ساتھ بیان فرمایا اور قرآنِ کریم سے دلائل بھی پیش فرمائے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ "کون ہے جو شفاعت کرے نزدیک اللہ تعالےٰ کے سوائے اس کی اجازت اور توفیق کے۔"

معلوم ہوا کہ اذنِ باری تعالیٰ اور اس کی توفیق کے بغیر شفاعت کوئی نہیں کر سکے گا اور اس کے اذن کے بعد شفاعت متحقق ہو گی اور ارشاد فرمایا واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات "اے حبیبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ اپنے منصبِ قرب اور جلالتِ شان کے مطابق جن امور کو گناہ تصور کرتے ہیں ان کے لئے اور مومن مردوں اور عورتوں کے لئے مجھ سے بخشش طلب کریں۔" ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما۔ "اور اگر وہ اپنے نفسوں پر ظلم و زیادتی کرنے کے بعد آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو جائیں پس اللہ تعالےٰ سے مغفرت طلب کریں اور میرا رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی ان کے لئے مجھ سے مغفرت طلب کرے تو وہ لوگ یقیناً اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنیوالا اور رحم فرمانیوالا پائیں گے۔"

اگر بارگاہِ الٰہی میں شفاعت کوئی نہیں کر سکتا اور نہ ہی شفاعت کوئی فائدہ دے سکتی ہے تو اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو مؤمنین اور مؤمنات کے لئے استغفار کا حکم کیوں دیا اور اپنے نفسوں پر ظلم و زیادتی کرنیوالوں کو مغفرت اور قبولِ توبہ کے لئے دربارِ مصطفائی میں حاضر ہو کر مغفرت طلب کرنے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرانے کا حکم کیوں دیا ؟ نیز جب شفاعت کا کوئی

نفع نہیں تو پھر اذنِ باری تعالٰے کے بعد بھی نافع نہیں ہوگی تو الا باذنہ والا استثناد درست نہ رہے گا اور نہ ہی بے منفعت و بے مقصد اذن و اجازت حاصل کرنیکی کسی کو ضرورت ہوگی، لہذا واضح ہوگیا کہ نفی نفسِ شفاعت کی نہیں ہے بلکہ اذن کے بغیر جو شفاعت ہوگی اس کے وجود اور نفع کی نفی ہے۔

نیز اللہ تعالٰے نے کفار کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین۔" ان کفار و مشرکین کو شفاعت کرنیوالوں کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی لہذا اس اسلوبِ بیان اور اندازِ کلام سے (جس میں کفار کی قباحتِ حال اور یاس و نا امیدی بیان کرنا مقصود ہے) روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ مؤمنین کو شفاعت نفع دے گی ورنہ جو حالت کفار اور مومنین میں مشترک ہے وہ کفار کے لئے موجبِ قباحت اور باعثِ یاس و نا امیدی کیسے ہوسکتی ہے؟

نیز اللہ تعالےٰ نے فرمایا ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء" بے شک اللہ تعالٰے شرک کو نہیں بخشتا اور اس کے علاوہ تمام گناہ صغائر و کبائر جسے چاہے گا بخش دے گا۔" جب بغیر شفاعت کے صغائر و کبائر کی مغفرت ممکن ہے تو شفاعت سے بطریقِ اولیٰ ممکن ہوگی، لہذا اس آیتِ کریمہ کا جو معنے منکرین نے کیا ہے وہ ہرگز مراد نہیں ہوسکتا ورنہ آیات ایک دوسرے کے خلاف اور معارض و معاکس ہوجائیں گی لہذا وہ آیت کفار کے متعلق ہے اور باذن اللہ محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی شفاعت فرمائیں گے اور اللہ تعالٰے اپنے فضل و کرم سے ان کی شفاعت اور ان کے طفیل تمام انبیاءِ کرام اور شہداء و صلحاء اور علماء کی شفاعت قبول فرمائیں گے اور اپنے محبوبِ پاک کو مقامِ محمود اور منصبِ وسیلہ و فضیلہ اور مرتبۂ شفاعتِ کبریٰ سے سرفراز فرمائیں گے والحمد للہ علیٰ ذلک)

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے ؎
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اکابرینِ دیوبند کے

پیر و مرشد ہیں اور مسلّم بزرگ ہیں، اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

جہازِ امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں
تم اب چاہو ڈباؤ یا ترا دو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
شفیعِ عاصیاں ہو تم وسیلہ بیکساں ہو تم
تمہیں چھوڑ اب کہاں جاؤں بتاؤ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الثانی عشر

الکوثر: غیر محدود معجزات اور غیر محدود خرقِ عادات

اس بنا پر آیت کریمہ کا معنی یہ ہوا کہ ہم نے آپ کو معجزات کثیرہ عطا فرمائے [illegible]

بہر حال یہ تمام تر معجزات اپنی عظمت و صداقت کے باوجود متناہی و محدود ہیں اور جو شخص بھی دعوئ نبوت پر دلیل و حجت کا مطالبہ کرتا، اسے انہی معجزات میں سے کوئی معجزہ دکھایا جاتا اور انہی کمالات میں سے کوئی کمال اس کے سامنے پیش کیا جاتا لیکن محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کو جو معجزے عطا فرمائے انہیں الکوثر فرمایا۔ اللہ رب العزت، جس کے سامنے دنیا کی عدد و شمار میں نہ آ سکنے والی نعمتیں قلیل ہیں قل متاع الدنیا قلیل، جب وہ اپنے محبوب کے معجزات اور خوارقِ عادات کو الکوثر فرمائے تو ظاہر ہے کہ وہ مخلوق میں سے کسی کے حساب و شمار میں نہیں آ سکتے۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بھی کوئی دلیلِ حقانیت اور علامتِ صداقت طلب کرتا تو آپ فرماتے تو کونسا معجزہ چاہتا ہے، جو تو کہے گا میں وہی معجزہ دکھلا دوں گا، اگر چاند شق کرنے کا مطالبہ کیا گیا تو اشارہ سے اس کا کلیجہ چیر کر دکھا دیا، اگر درخت کی گواہی کا مطالبہ کیا گیا تو وہ جڑوں پہ چلتا ہوا خدمتِ اقدس میں حاضر بھی ہو گیا، سجدہ میں گر کر حقِ تعظیم بھی بجالایا اور توحید و رسالت کی گواہی دیکر آنحضور کی صداقت و حقانیت کو بھی بیان کر گیا، کسی نے پتھر پانی پر تیرانے اور ایک کنارے سے دوسرے کنارے آکر گواہی دینے کا مطالبہ کیا تو آپ نے پتھر کو پانی پر تیرا کر اور اس سے شہادت دلوا کر دکھا دیا اور پھر واپس الٹے پاؤں چلا کر اپنی سابقہ جگہ پر پہنچا دیا۔

الغرض یہاں کوئی تحدید و تعیین نہیں بلکہ جو سائل چاہتا ہے وہ معجزہ دکھلایا جاتا ہے۔ جو دلیل وہ طلب کرتا ہے وہی پیش کی جاتی ہے بلکہ یوں کہئے کہ ہر نبی و رسول معجزہ و دلیل لیکر آیا اور محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم مجسم معجزہ و دلیل بنکر آئے، اللہ رب العزت نے فرمایا یا ایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم و انزلنا الیکم نورا مبینا ہ "اے لوگو! تحقیق تمہارے پاس میرا رسول مجسم برہان و دلیل بنکر آ گیا اور ہم نے تمہاری طرف نورِ مبین کتابِ کریم کو نازل فرمایا۔

محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ گرامی سرتاپا معجزہ ان کا ہر عضو اور جزوِ بدن

معجزہ بلکہ ان کے جسمِ اقدس سے لگ جانیوالی ہر شئے معجزہ، لعابِ دہن معجزہ، خونِ مبارک اور پسینہ مبارک اور جملہ فضلات معجزہ اور دلیلِ کمال اور برھانِ صداقت وحقانیت،

آنکھ مبارک آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی چشمِ حق بین کا اعجاز وکمال یہ ہے کہ ماضی ومستقبل مثلِ حال سامنے ہے۔ ضمائرِ کائنات اور حقائقِ اشیاء مثلِ آئینہ حاضر ہیں، معقولات ومعنویات مثلِ آئینہ پیشِ نظر ہیں اور کائناتِ عالم کی کوئی شے مخفی نہیں ہے بلکہ خود خالقِ کائنات بھی ان نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہا جس عظیم ذات کی صفاتی تجلی کوہِ طور برداشت نہ کر سکا اور موسیٰ علیہ السلام دیکھ کر اپنے آپ پر قابو نہ پا سکے، طور ریزہ ریزہ ہوگیا اور موسےٰ علیہ السلام بے ہوش ہوکر گر گئے، وہ ذات خود سامنے ہے اور محبوبِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی سکون واطمینان سے مشاہدہ فرما رہے ہیں، نہ آنکھیں چندھیاتی ہیں نہ خیرہ ہوتی ہیں مازاغ البصر وماطغیٰ ؎

موسےٰ زہوش رفت بہ یک پرتو صفات
تو عینِ ذات مے نگری در تبسمی !

میں یہ کہتا ہوں کہ موسےٰ علیہ السلام نے پہلی بار جلوہ صفات دیکھا تو برداشت نہ کر سکے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی بار جلوۂ ذات دیکھتے تو یقیناً برداشت نہ کر سکتے، لیکن یہاں بات ہی اور ہے پہلے خواب میں شرفِ دیدار بخشا، پھر روحانی طور پر اور آخر میں جسمانی طور پر، جب کہ بدنِ اقدس اور قلبِ مبارک کو شرحِ صدر کے ذریعے نورٌ علیٰ نور کر دیا گیا اور جسمِ اطہر کو بھی روح کی طرح قوی و توانا اور لطیف ترین بنا دیا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابیت عند ربی فیطعمنی ویسقینی " میں رات اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور بعض روایات میں ہے اظل عند ربی " میں دن کو اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں "

زلیخا کی سہیلیوں نے پہلی بار جمالِ یوسفی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا لہٰذا تاب نہ لاسکیں اور بیخودی و بیہوشی میں اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے لیکن زلیخا اطمینان وسکون سے دیدارِ محبوب سے لطف اندوز ہو رہی ہے اور کسی طرح کی تبدیلی اور بیخودی و مدہوشی طاری نہیں ہو رہی کیونکہ یہ اس جمالِ جہاں آرا کو دیکھنے کی عادی ہیں، وھھنا وجہ اعلیٰ وادق منہ لا یخفی علیٰ من فنی عن ذاتہ وصفاتہ ولو یبق لہ حظ من الذات والصفات الا حظ ذات المحبوب وصفاتہ فالی الیٰ انما ھو المرئی بعین ذاتہ العشق اذا تم ھو اللہ این ست۔

بہر حال اس نگاہِ پاک سے جمالِ خداوندی کسی وقت اوجھل نہیں اور جب سب غیبوں کا غیب بھی پوشیدہ نہیں تو اور کوئی غیب کیسے نہاں ہو سکتا ہے ؎

اور کوئی غیب نہاں ہو تم سے کیوں کر بھلا
جب خدا ہی نہ چھپا تم سے تم پہ کروڑوں درود

نوٹ:۔ نگاہِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت پر دلائل اور قدرے تفصیلی بحث دسویں معنی یعنی علومِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں گذر چکی ہے۔

کان مبارک

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کان مبارک بھی معجزہ ہیں جو کائناتِ عالم میں اٹھنے والی ہر آواز کو سنتے ہیں اور قرب وبعد، نزدیک و دور والے تفاوت وامتیاز سے مبرا ومنزہ ہیں جیسے نزدیک سے سنتے ہیں ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے دور سے بھی سنتے ہیں، فاضل بریلوی نے فرمایا ؎

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اطت السماء وحق لھا ان تئط ما فیھا موضع قدم الا و فیہ ملک واضع جبھتہ للہ (تفسیر کبیر زیر آیت ان اللہ اصطفیٰ ادم الاٰیۃ ترمذی) "آسمان سے چرچراہٹ کی آواز آتی ہے اور حق بھی یہی ہے کہ اس سے ایسی آواز آئے کیونکہ اس میں کوئی بھی قدم بھر ایسی جگہ نہیں

جہاں فرشتہ اللہ تعالےٰ کی بارگاہِ عالی میں سجدہ کناں نہ ہو"، زمین پر بیٹھے ہیں اور آسمان کی آواز سن رہے ہیں اور یہ تصریح کہیں بھی نہیں کہ یہ آواز پہلے آسمان سے آئی، ممکن ہے ساتویں آسمان سے آئی ہو۔

الغرض جنہیں اللہ کریم نے پہلے آسمان کی آواز سن لینے کی طاقت بخشی ہے وہ ساتویں کی آواز سننے کی طاقت بھی دے سکتا ہے صرف امکان ہی نہیں بلکہ حقیقت و واقعہ بھی یہی ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرتِ بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا سمعت دف نعلیك بین یدی فی الجنۃ (بخاری ومسلم) "میں نے تیرے پاؤں کی آہٹ اور زمین پر پاؤں رکھنے سے پیدا ہونے والی آواز کو اپنے آگے جنت میں سنا۔ حضرتِ حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی تلاوت و قراءت کی آواز جنت میں سماعت فرمائی (مشکوٰۃ) نعیم بن عبداللہ نحام کی کھانسی جنت میں سنی۔ اسی وجہ سے ان کا نام نحام مشہور ہو گیا یعنی بہت زیادہ کھانسنے والے جن کی آواز جنت میں گونج رہی ہے۔

غرضیکہ یہ محبوب فرش پر جلوہ فرما ہیں تو عرش اور آسمانوں کی آوازیں سنتے ہیں اور جنت و عرش کی بلندیوں پر جلوہ فرما ہوں تو فرشِ زمین کی آوازیں بھی پوشیدہ نہیں رہتیں حیاتِ دنیویہ میں روحانی قوتوں کا پوری طرح ظہور نہیں ہوتا۔ جب آدمی اس جہان سے منتقل ہو کر دوسری دنیا اور عالمِ برزخ میں جا گزیں ہوتا ہے تو اس کی قوتیں زیادہ ترقی پر ہوتی ہیں اور پہلے کی نسبت ادراک و علم اور نظر و سماع میں زیادہ وسعت پیدا ہو جاتی ہے لہذا دنیا ہو یا برزخ، حیاۃِ ظاہرہ ہو یا حیوٰۃِ برزخیہ ادراک و علم اور شہود حضور روز افزوں ہے لہذا وصال کے بعد بھی کان مبارک اسی طرح سننے والے ہیں، ہمارے درود و سلام اور صلوات و تسلیمات نبی عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود سماعت فرماتے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی تکملہ مدارج فرماتے ہیں:۔

درود بفرست بروے صلی اللہ علیہ وسلم گویا کہ تو می بینی او را متادب باجلال و تعظیم بدانکہ وے صلی اللہ علیہ وسلم می بیند ترا و می شنود کلام ترا۔

"رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود بھیجو اور اس تصور سے بھیجو کہ گویا تیری نظریں

محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ حق نما پر ہیں اور یقین جان کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تجھے دیکھ رہے ہیں اور تیرے کلام کو سن رہے ہیں تیری طرف سے اگرچہ تخیل ہے لیکن اُدھر سے حقیقت ہے۔"

اور حضرت شیخ عبدالکریم جیلی قدس سرہ العزیز جن کی عبارت کا لفظ بہ لفظ ترجمہ شیخ محقق مدارج النبوۃ کے تکملہ میں کرتے ہوئے فرماتے ہیں "تکملہ در بیان صفاتِ کاملہ وے صلی اللہ علیہ وسلم بزبان بعضی عرفاء" فرماتے ہیں :-

کن فی حال ذکرک لہ کانک بین یدیہ فی حال حیاتہ متادبا بالاجلال والتعظیم والھیبۃ والحیاء فانہ یراک ویسمعک کلما ذکرتہ لانہ متصف بصفات اللہ واللہ جلیس من ذکرہ فللنبی صلی اللہ علیہ وسلم نصیب وافر من ھذہ الصفۃ۔

ذکرِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اپنے آپ کو بارگاہِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر خیال کر گویا کہ تو ان کی ظاہری حیاتِ طیبہ میں ان کے سامنے حاضر ہے نہایت ہی ادب و تعظیم اور ہیبت و حیاء کے ساتھ پس یقیناً رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تجھے دیکھتے ہیں اور تیری کلام کو سنتے ہیں جب بھی تو ذکر کرے کیونکہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اوصافِ الٰہیہ کے ساتھ موصوف ہیں اور اللہ تعالٰے کے صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ انا جلیس من ذکرنی "میں اس کا ہم نشین ہوں جو مجھے یاد کرے" لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس صفتِ عظمٰے سے حظِ وافر اور نصیبِ کامل مرحمت کیا گیا ہے، اور آپ بھی اپنے یاد کرنے والوں کے ہمنشین ہیں اور اسی دلیل کا ترجمہ کرتے ہوئے شیخِ محقق نے فرمایا :-

زیرا کہ وے صلے اللہ علیہ وسلم متصف است بصفاتِ الٰہیہ و یکے از صفاتِ اوست انا جلیس من ذکرنی۔

یہی شیخ کبیر فرماتے ہیں :-

اوصیک یا اخی بدوام ملاحظۃ صورتہ ومعناہ صلی اللہ علیہ وسلم

ولو کنت متکلفا مستحضرا فعن قلیل تتالف روحك
به فیحضرلك صلی اللہ علیه وسلم عیانا تجده و تحدثه
و تخاطبه فیجیبك و یحدثك و یخاطبك فتفوز بدرجة الصحابة
رضی اللہ عنهم و تلحق بهم ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (جواہر البحار)

"اے بھائی میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ہمیشہ محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کی صورتِ خدا نما اور سیرتِ حق آگاہ کو ملحوظ رکھنے اگرچہ تجھے بہ تکلف ہی اس صورتِ پاک کو اور ذاتِ والا صفات کو پیشِ نظر رکھنا پڑے، بہت قلیل عرصہ میں تیرا روح اس دوامِ ملاحظہ اور مواظبتِ توجہات والتفات کی بدولت ذاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانوس ہو جائے گا پس رسولِ کریم کی ذاتِ اقدس تیرے سامنے موجود ہوگی اور تو ان کا مشاہدہ کرے گا اور ان سے کلام کرے گا اور شرفِ خطاب سے لطف اندوز ہوگا، وہ تجھے جواب مرحمت فرمائیں گے اور تجھ سے کلام وخطاب فرمائیں گے پس تو روحانی اور معنوی حیثیت سے درجہ صحابہ پر پہنچے گا اور ان شاء اللہ العزیز انہی کے ساتھ لاحق ہو جائے گا۔

اس عبارت کے ترجمہ کو بھی شیخ المحدثین عبد الحق محدثِ دہلوی قدس سرہ العزیز نے تکملہ میں ذکر فرمایا ہے کہ میں اگر ایک لحظہ جمالِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھوں تو اپنے آپ کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔*

سبحان اللہ! آنکھوں والے اور روحانی تعلق والے ایک لحظہ اس جمالِ جہاں آراء کو نہ دیکھیں تو مسلمان ہونے میں ہی انہیں تردد ہوتا ہے اور ادھر اندھے بہرے غوغہ کناں ہیں اور آسمان سر پہ اٹھائے ہوئے ہیں کہ جو کوئی یہ کہے کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے اور سنتے ہیں وہ مسلمان نہیں رہتا بلکہ مشرک ہو جاتا ہے حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ؎

جمالِ یار ندارد حجاب و پردہ ولے
غبارِ رہ بنشاں کہ نظر توانی کرد!

* اور شیخ نے مدارج النبوۃ میں حضرت ابوالعباس مرسی کا یہ قول بھی نقل فرمایا ہے۔

ناک مبارک

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ناک مبارک اور قوتِ شامہ بھی معجزہ ہیں جب حضرتِ جبریل علیہ السلام سدرہ سے نیچے اترنے کا ارادہ کرتے ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے انی لاجد ریح جبریل "مجھے جبریل علیہ السلام کی خوشبو آرہی ہے"۔ بلکہ اس حاسۂ نبوی کی لطافت اور پاکیزگی کا یہ عالم ہے کہ بدبودار شے کے تصور سے بھی بدبو آنے لگتی ہے۔

حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم موت کے بعد مومن و کافر کی روحوں کے آسمانوں کیطرف جانے کا تذکرہ فرمارہے تھے جب روحِ کافر کا ذکر آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کپڑے کے ایک کنارے کو اپنے ناک مبارک پر ڈال لیا جعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ریطۃ کانت علیہ علی انفہ ھکذا رواہ مسلم و مشکوٰۃ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو روحِ کافر کا تصور کرتے ہی بدبو آنے لگی لہذا آپ نے اپنے ناک مبارک کو کپڑے سے ڈھانپ لیا۔

زبانِ مبارک

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک معجزہ ہے۔ وہ زبان ترجمانِ وحیِ الٰہی ہے جو اس پر جاری ہوتا ہے وہ فرمانِ خداوندی ہے جس میں خواہشاتِ نفسانیہ کو ذرہ بھر دخل نہیں ہوتا وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ وہ زبانِ اقدس کن کی کنجی ہے اور تیرِ قضا ہے جو کبھی خطا نہیں ہوسکتا۔

ابولہب کے بیٹے نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تو آپ نے فرمایا اللھم سلط علیہ کلبا من کلابک "اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا اور درندوں میں سے ایک درندہ مسلط فرما"۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ سفرِ شام پر نکلا، ابولہب کو معلوم ہے کہ اس کے متعلق رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے ہلاکت فرمائی ہے اور اسے یہ بھی یقین ہے کہ جو ان کی زبان سے نکل گیا وہ غلط نہیں ہوسکتا، بڑی احتیاطی تدابیر اختیار کرتے، جہاں رات کو پڑاؤ ڈالتے سب پالان وغیرہ اکٹھے جوڑ کر اس کے اوپر اسے سلایا جاتا تاکہ کوئی درندہ اسے چیر پھاڑ

نہ دے لیکن جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا تھا وہ ہو کر رہا۔

رات کے وقت ایک شیر آیا اس نے نیچے سوئے ہوئے لوگوں کو سونگھا لیکن اس کو اپنے مطلوب شکار کی بُو ان میں سے نہ آئی چنانچہ وہ ان پالانوں پر چڑھا اور وہاں اس گستاخ بارگاہِ رسالت کو اپنے خونی پنجوں سے چیر کر رکھ دیا اور ابولہب کی سب تدبیریں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے ہلاکت سے اُسے نہ بچا سکیں (مشکوٰۃ شریف)

ایک مرتد اور بے دین کے متعلق محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاتقبلہ الارض (مشکوٰۃ) اسے مرنے کے بعد زمین قبول نہیں کریگی" چنانچہ اسے بارہا زمین کے اندر دبایا گیا لیکن ہر بار زمین نے اسے باہر پھینک دیا چنانچہ اسے زمین کے اوپر ہی پتھروں اور مٹی سے دبا دیا گیا۔ زمین کو آپ نے حکم نہیں دیا بلکہ آپ نے تو صرف خبر و اطلاع ہی دی ہے کہ زمین اسے قبول نہیں کریگی لیکن زمین نے اپنے عمل سے اس صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی خبر کو سچا کر دکھایا اور زبان سے نکلنے والے حکم کی خلاف ورزی کی تو مجال ہی کس کو ہو سکتی ہے جنبشِ لب سے ڈوبا ہوا سورج واپس آجاتا ہے، درخت جڑوں سمیت ساتھ چلتے ہیں۔

الغرض زبانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو نکلتا ہے وہ حکمِ الٰہی ہوتا ہے، لہٰذا اس کی مخالفت خدا کی مخالفت ہے اور مخلوق میں یہ مجال کہاں کہ وہ حکمِ خداوندی سے سرتابی کر سکے ؎

وہ زباں جس کو سب کُن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

؎
تیرے اشارے سے سب کی نجات ہو کے رہی
تیری زباں سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

جو شب کو کہا کہ دن ہے تو سورج نکل آیا!
جو دن کو کہا کہ شب ہے تو رات ہو کے رہی

فتح خیبر سے واپسی پر ایک یہودیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور گوشت میں زہر ملا دیا۔ جب آنحضور نے گوشت چکھا تو فرمایا ان ھذا الذراع یخبرنی انہ مسموم "ذبح کی ہوئی بکری کا یہ بازو خبر دے رہا ہے کہ مجھے زہر آلود کیا گیا ہے" لہٰذا کھانے سے ہاتھ روک لو، تو معلوم ہوا کہ آنحضور کی قوتِ ذائقہ بھی معجزانہ شان رکھتی ہے۔

ہاتھ مبارک

آنحضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک معجزہ ہیں میدانِ بدر میں ایک مٹھی کنکریوں کی اٹھا کر کفار کیطرف پھینکی اور فرمایا شاھت الوجوہ، وہ کنکریاں ہر ایک کافر کو لگیں اور ہر ایک کو مجبور و بے بس کر دیا۔ انہیں اس قدر مرعوب اور مقہور و مغلوب کیا کہ وہ میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے، ستر مارے گئے اور ستر قیدی بنا لئے گئے۔ اللہ تعالےٰ نے محبوبِ کریم کے دستِ اقدس کے اس عظیم معجزہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ "جب آپ نے کفار کیطرف کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ آپ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ تعالےٰ نے پھینکی تھیں"۔ یعنی آپ نے یہ کارنامہ محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے سرانجام نہیں دیا تھا بلکہ میرے مظہرِ ذات و صفات ہونے کے لحاظ سے اور میرے نمونۂ قدرت ہونے کے لحاظ سے پھینکی تھیں۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

میں تیرے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ
جن سے اتنے کافروں کا دفعتہً منہ پھر گیا

جنگ تبوک کے موقع پر ستر ہزار سے بھی زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہیں اور ان کی بہت سی سواریاں اونٹ اور گھوڑے بھی موجود ہیں جن میں ایک روایت کے مطابق تین سو گھوڑے اور نو سو اونٹ صرف وہ تھے جو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوت

میں جنگ کی تیاری کے سلسلہ میں نذرانہ کئے تھے۔ پانی ختم ہوگیا اور سب صحابہ پیاس سے بیقرار ہیں اوران کی سواریاں بھی شدتِ پیاس سے نڈھال ہوئی جاتی ہیں۔ حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اپنے غلاموں کی زندگیاں بچائیے وہ پیاس کیوجہ سے سخت پریشانی میں ہیں اور انکی جانیں خطرے میں ہیں۔ آپ نے فرمایا میں ابھی انتظام کرتا ہوں، پانی کی جو مقدار ہاتھ لگ سکے لے آؤ چنانچہ ایک پرانے مشکیزہ سے صرف ایک پیالہ پانی کا دستیاب ہوا جو بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اس پیالہ میں رکھ دیا تو پانچوں انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے ابلنے لگے۔ ہزاروں صحابہ کرام کو بلایا گیا تاکہ وہ اپنی پیاس بجھالیں، ان سب نے سیر ہوکر پیا، اپنے مشکیزے بھرے اور جانوروں کو پلایا لیکن وہ پیالہ اسی طرح لبالب بھرا رہا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کے چشمے اسی طرح ابلتے رہے۔

حضرتِ موسےٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مار کر پانی کے بارہ چشمے جاری فرمائے اور محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں میں سے پانی کی ندیاں جاری فرمادیں، پتھروں سے پانی کو نکلتے ہر ایک نے دیکھا ہے لیکن چشمِ فلکِ پیر نے یہ معجزہ آج تک نہ دیکھا تھا کہ ہڈیوں اور گوشت و پوست کے درمیان سے پانی کے دریا بہہ نکلے ہوں ؎

پنجۂ مہرِ عرب ہے جس سے دریا بہہ گئے
چشمۂ خورشید میں تو نام کو بھی نم نہیں۔

؎ انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجابِ رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

؎ نور کے چشمے لہرائیں ، دریا بہیں
انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

ماہتابِ جہانتاب کیطرف انگلی مبارک اٹھائی اور چرجانے کا ارشاد فرمایا

تو اس کا کلیجہ شق ہو گیا اقتربت الساعۃ وانشق ۔ سبحان اللہ جس انگلی کے اشارے سے پیدا ہونیوالی دہمی لکیر نے چاند جیسے عظیم جسم کو دو نیم کر دیا اس انگلی کی عظمت کا اندازہ کون کر سکتا ہے اور جس ہاتھ کی ایک انگلی کی عظمتِ بے پایاں کی تاب ماہتاب میں نہیں اس دستِ کریم کی قوت وہمت اور اس کی قدرت وطاقت کا اندازہ کون کر سکتا ہے ؟ اسی لئے تو اللہ تعالےٰ نے اس دستِ اقدس کو اپنا دستِ قدرت قرار دیا ہے ارشاد فرمایا ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم ، وہ صحابہ جو کہ بیعت الرضوان کے موقع پر درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے وہ صرف اللہ تعالےٰ سے بیعت کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے یعنی وہ آپ سے بیعت صرف اس بنا پر کر رہے ہیں کہ آپ خلیفۂ خدا اور نائبِ الٰہی مظہرِ ذات وصفات ہیں لہٰذا ان سے بیعت لینے والا ہاتھ صرف محمد بن عبداللہ کا ہاتھ نہیں بلکہ وہ قدرتِ الٰہی کا نمونہ ہے ایک کمزور ونا تواں اور بےبس ومجبور ہاتھ کو اللہ تعالیٰ اپنا ہاتھ فرمائے تو اس کی عظمت میں نقص لازم آئے گا ، اس کی قدرت پہ حرف آئیگا لہٰذا ید اللہ کہلانے کا مستحق وہی ہاتھ ہو سکتا ہے جو ہر عجز ونا توانی سے منزہ ومبرا ہو اور جب ہاتھ کی عظمت وقدرت یہ ہے تو پھر ہاتھ والے کی عظمتوں اور قدرتوں کا احاطہ کون کر سکتا ہے ثنا خوانِ مصطفےٰ حضرتِ حسان بن ثابت فرماتے ہیں ؎

لہ ھمم لا منتھی لکبارھا

وھمتہ الصغریٰ اجل من الدھر

" محبوبِ کریم کی ہمتوں اور قدرتوں میں سے بڑی بڑی ہمتوں کی تو کوئی انتہا ہی نہیں اور نہ ہی اندازہ ہے آپ کی قدرتِ کاملہ کا ادنیٰ کرشمہ سارے جہان پر بھاری ہے اور اس کو زیر وزبر کرنے کے لئے کافی ہے " ؎

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک

اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی !

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آٹے کی روٹیاں بنا کر تنور میں لگائیں تو آگ ان کی رطوبت

کو بھی خشک نہ کرسکی اور جس طرح لگائی تھیں اسی طرح رہیں (مدارج)

یہ تو اعضاءِ بدن ہیں اور اجزائے جسمِ اقدس ہیں یہ شانِ اعجازی کے مظہر کیوں نہ ہوں جب کہ ان کے جسمِ پاک سے الگ ہونے والے فضلات بھی شانِ اعجازی رکھتے ہیں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک، لعابِ مبارک، خون مبارک اور پیشاب مبارک سب ہی نمونہ کمال و کرامت ہیں اور امت کے لئے موجبِ برکت و رحمت ہیں۔

پسینہ مبارک

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حضرتِ انس رضی اللہ عنہ کے گھر جلوہ فرمائیں وہیں محوِ استراحت ہو گئے اور نیند کی حالت میں پسینہ کے قطرات موتیوں کی طرح جھڑ رہے ہیں، حضرتِ انس کی والدہ انہیں جمع کر رہی ہیں۔ جب چشمِ نیم خواب باز ہوئی اور آپ خواب نوشیں سے بیدار ہوئے، پوچھا اے ام انس کیا کر رہی ہو؟ عرض کیا حضور کا پسینہ جمع کر رہی ہوں تاکہ جو خوشبو تیار کرنی ہو گی اس میں پسینہ مبارک ملا کر اس کی خوشبو کو اور زیادہ تیز کیا جا سکے اور اسے زیادہ سے زیادہ معطر بنایا جا سکے۔

ایک آدمی نے بچی کی رخصتی کرنی ہے، گھر میں خوشبو نہیں ہے، محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر حاجت و مدعا عرض کیا۔ آپ نے پسینہ کے چند قطرات ایک شیشی میں جمع فرما کر عنایت فرما دیئے۔ اس نے گھر جا کر شیشی کو کھولا تو خوشبو سے سارا مدینہ شہر معطر ہو گیا اور اس گھر کو لوگوں نے بیت الطیبین کا لقب دیا یعنی خوشبو والوں کا گھر،

جس راستے سے گذرتے ہیں ساری فضا معطر ہو جاتی ہے اور جس نے بھی آپ کو تلاش کرنا ہوتا راستہ کی خوشبو اس کی راہنمائی کرتی جاتی اور اس نشانی سے وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے

گزرے جس راہ سے وہ سیدِ والا ہو کر
رہ گئی ساری زمیں عنبرِ سارا ہو کر

امامِ اہلِ سنت نے فرمایا ؎

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

شیخ محقق عبدالحق محدثِ دہلوی نے مدارج النبوت میں امام الاولیاء حضرتِ شبلی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ آج بھی مدینہ کے در و دیوار سے عنبر و مشک کی وہ خوشبوئیں ہر وہ آدمی سونگھ سکتا ہے جس نے اپنے مشامِ دماغ کو کفر و نفاق اور گستاخی و بے ادبی والے زکام سے مزکوم نہیں کیا اور مسدود نہیں کیا۔

پیشاب مبارک آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خادمہ امِ ایمن نے رحمتِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا پیشاب مبارک پی لیا جبکہ آپ ایامِ علالت میں اپنی چارپائی کے قریب ہی لکڑی کے ایک پیالہ میں پیشاب فرماتے تھے۔ جب آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم اس کا پتہ چلا تو یہ نہ فرمایا کہ پھر ایسا نہ کرنا، تو نے ایک نجس چیز کو پی لیا ہے بلکہ فرمایا کہ تجھے کبھی دردِ زہ کی تکلیف نہ ہوگی۔
ایک دوسری عورت جسے امِ یوسف کہا جاتا تھا، اس نے بھی اسی طرح کیا تو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صحت یا ام یوسف "تو نے اپنے آپ کو ہر بیماری سے محفوظ کر لیا ہے" (مدارج) ایک آدمی نے پیشاب مبارک پی لیا تو اس کی اولاد سے بھی کئی پشتوں تک کستوری کی خوشبو آتی رہی۔ (اشعۃ اللمعات)

خون مبارک سیدالانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم نے فصد کروایا اور خون ایک پیالہ میں نکالا گیا جس کے متعلق حضرتِ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو ارشاد ہوا کہ اسے جا کر ایسی جگہ پھینک آؤ جہاں نہ کوئی اسے دیکھ سکے اور نہ ہی اس تک کوئی پہنچ سکے۔ وہ اس پیالہ کو لیکر ایک جگہ پہنچے، دل سے فتویٰ طلب کیا اور مفتیٔ عشق و محبت سے مسئلہ پوچھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے خونِ مصطفیٰ

ہے اور اپنے ہاتھوں اسے زمین پر پھینکوں، کیا جائز ہے؟ لیکن مفتی عشق نے کہا اسے اپنے دل کی زمین میں دفن کر جہاں اسے نہ کوئی دیکھے اور نہ کوئی اس تک پہنچ سکے! پیالہ منہ سے لگا لیا اور سارا خون پی لیا پھر پیالہ خالی کر کے واپس پہنچے نگاہِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام کی عقیدت و محبت کے موجزن سمندر کو تاڑ لیا اور مژدۂ بخشش سنانے کے لئے تقریب و تمہید کے طور پر پوچھا تو نے میرے خون کو کہاں گرایا اور کس جگہ چھپایا۔ عرض کیا میں نے تو اسے پی لیا ہے اور اپنے باطن کو اس سے رنگین کر لیا ہے۔ امامِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تمسک النار الا لاسم الیمین "تجھے دوزخ کی آگ ہرگز نہ چھو سکے گی"

مالک بن سنان ابو سعید خدری کے والدِ ماجد غزوۂ احد میں جب کہ تاجدارِ نبوت و رسالت صلے اللہ علیہ وسلم کو زخم لگا اور خون مبارک بہنے لگا، اس خون مبارک کو اپنے ہونٹوں سے چوس رہے ہیں۔ جب منہ بھر گیا تو کسی نے کہا اسے زمین پر پھینک دو۔ آپ کی غیرتِ عشق نے اس مشورہ کو ٹھکرا دیا چنانچہ آپ نے اسے پی لیا۔ نبی الرحمۃ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جنتی کو زمین پر چلتے ہوئے دیکھنا ہو وہ مالک بن سنان کو دیکھ لے۔

الغرض آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فضلات پیشاب و پاخانہ اور خون وغیرہ امت کے حق میں پاک اور حلال ہیں۔ ائمۂ دین اور محدثین کرام نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے[1] اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔

لعابِ دہن

غزوۂ خیبر کے موقع پر حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں شدید درد ہے اور تقدیرِ الٰہی میں ان کی شانِ حیدری کا کامل مظاہرہ اسی میدان میں ہونا ہے اور ترجمان تقدیرِ الٰہی رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ کل میں جھنڈا اسے دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالےٰ خیبر کو فتح فرمائے گا وہ شخص اللہ و رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ و رسول اس سے محبت رکھتے ہیں (مشکوٰۃ)

صبح کا انتظار صحابہ کرام بڑی بے چینی سے کر رہے ہیں اور ہر ایک اس

قسمت والے شخص کو دیکھنے کے بیتاب ہے جس کو یہ مژدہ سنایا گیا ہے۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے صبح پوچھا علی رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا آشوبِ چشم میں مبتلا ہیں اور اپنے پاؤں کی پشت کو بھی نہیں دیکھ سکتے اور کسی آدمی کے سہارے کے بغیر چل بھی نہیں سکتے۔ فرمایا تم انہیں میرے پاس لے آؤ۔

حضرتِ علی رضی اللہ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے۔ آپ نے لعابِ دہن ان کی آنکھوں پر لگایا تو آنکھیں فوراً درست ہوگئیں اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا کوئی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔ پھر انہیں غزوہ پر روانہ کیا اور اللہ تعالے نے حضورؐ کی اس غیبی خبر کو پورا کر دکھایا اور قلعۂ خیبر رہتی دنیا تک حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کی شانِ حیدری کا انمٹ نشان بن گیا ؎

شیرِ شمشیر زن شاہِ خیبر شکن
پرتوِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

حضرتِ ابوقتادہ کی آنکھ کا ڈھیلا تیر لگنے سے باہر آگیا، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ اقدس سے اسے واپس اپنی جگہ پر رکھا اور لعابِ دہن لگا دیا۔ اس کی برکت سے اس کی بینائی دوسری آنکھ سے بھی تیز ہوگئی۔ جب اس لعابِ دہن کو آٹے اور ہانڈی میں ڈالا تو دو تین آدمیوں کے کھانے کو سینکڑوں نے کھایا اور پھر بھی وہ ختم نہ ہوسکا کھاری کنوئیں اس لعابِ اقدس سے شیریں چشموں میں تبدیل ہوگئے ؎

جس کے پانی سے شاداب جانِ جناں
اس دہن کی طراوت پہ لاکھوں سلام
جس سے کھاری کنوئیں شیرۂ جاں بنے
اس زلالِ حلاوت پہ لاکھوں سلام

الغرض اللہ تعالے نے غیر محدود معجزات وکمالات سے نوازا، لاتعداد اور بے حساب خوارقِ عادات سے سرفراز فرمایا جس نے بھی کائناتِ ارضی وسماوی میں تصرف و اختیار دیکھنا چاہا اسے منہ مانگا معجزہ دکھلایا بشرطیکہ اخلاصِ نیت اور صدقِ دل سے طالبِ یقین

بن کر آیا اور خود ذات کو مجسم معجزہ بنایا اور آپ سے ایک لمحہ کیلئے مس ہو جانیوالی اشیاء کو خیر و برکت کا سرچشمہ بنایا اور فضلات و منفصلات کو آیۂ کمال اور دلیل فضیلت و کرامت بنایا اس لئے یہ نہ فرمایا کہ اے حبیب ہم نے آپ کو معجزات عطا کئے بلکہ فرمایا کہ انا اعطینٰک الکوثر۔

نوٹ :۔ تفصیلی طور پر ان معجزات کا بیان علی الخصوص ذاتِ پاک سے متعلق معجزات اگر تفصیل سے لکھے جائیں تو ایک دفتر درکار ہے لہذا بطورِ اختصار صرف چند یہاں ذکر کر دئے ہیں، کتبِ سیرت ان کمالات سے بھری پڑی ہیں۔

اب چند فوائد ملاحظہ فرمائیے :۔

فائدۂ اولیٰ :۔

حواس اور وسائل ادراک پانچ ظاہرہ ہیں اور پانچ باطنہ۔ ظاہرہ یعنی دیکھنے کی قوت، سننے والی قوت، سونگھنے کی قوت، چکھنے کی قوت اور چھونے والی حس کا قدرے بیان کر دیا گیا اور ان کا امتیازی شان آپ نے ملاحظہ فرمالیا، اور حواسِ باطنہ یعنی حسِ مشترک، خیال، قوتِ وہمیہ حافظہ اور قوت متصرفہ ہوں یا قوی محرکہ جن کی بدولت حرکت اور سیر و سفر کیا جاتا ہے وہ بھی اسی طرح امتیازی شان والے ہیں اور کوئی مخلوق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان میں شریک نہیں اور اسی طرح ہر نبی اپنی امت سے حواسِ ظاہرہ و باطنہ اور قوئ محرکہ میں ممتاز ہوتا ہے اور یہ تمام تر قوتیں انبیاء کرام کی حقیقت اور روحانی قوت کا عکس ہوتی ہیں۔ جب ان میں اختلاف ہوا تو معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کی حقیقت اور امتیوں کی حقیقت مختلف ہے جیسا کہ امام رازی نے بحوالہ حلیمی زیرِ آیت ان اللہ اصطفٰی اٰدم ونوحا واٰل ابراھیم واٰل عمران علی العالمین ذکر فرمایا ہے :۔

فلابد ان تکون النفس النبویۃ القدسیۃ مخالفۃ بماھیتھا لسائر النفوس۔

جب لوازمات حقیقت اور آثار میں انبیاء اور امم باعتبار ماہیت کے مختلف ہیں تو

لامحالہ نفوسِ قدسیہ نبویہ بھی دوسرے نفوس سے باعتبار حقیقت کے مختلف ہوں گے اور جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حواسِ ظاہرہ و باطنہ میں اور قوی محرکہ میں دوسرے انبیاء سے بھی مختلف ہیں تو معلوم ہوا کہ آنحضورؐ کا نفسِ قدسی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے نفوسِ قدسیہ سے بحسب الحقیقت مختلف ہے، امامِ اہلسنت نے فرمایا ؎

انبیاء اجزاء ہیں تو بالکل ہے جملہ نور کا
اس علاقہ سے ہے ان پر نام سچا نور کا

فائدۂ ثانیہ:۔

خون، پسینہ، لعابِ دہن، پیشاب وغیرہ لوازماتِ بشریت سے ہیں اور ان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان امور میں برابر نہیں ہیں اور جب لوازماتِ بشریہ میں اختلاف و تباین ثابت ہو گیا اور یہ واضح ہے کہ اختلافِ لوازم اختلافِ ملزومات کو مستلزم ہوتا ہے لہٰذا البشریتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہر بشر (خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء) کی البشریت سے باعتبار حقیقت و ماہیت کے مختلف ہے اور بشر ہونے میں اشتراک محض لفظ و اسم کے لحاظ سے ہے نہ کہ حقیقت کے لحاظ سے۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صومِ وصال رکھا اور صحابہ کرام نے بھی شوقِ اتباع میں صوم وصال رکھا لیکن صحابہ کرام ضعیف و ناتواں ہو گئے اور اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے میں دقت محسوس کرنے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے اور یہ کمزوری و ناتوانی کیوں ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا رأیناك تواصل فواصلنا قال ایکم مثلی ابیت عند ربی فیطعمنی ویسقینی "تم میں سے کون میری مثل ہے میں تو رات کو اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے لہٰذا مجھے دیکھ کر تمہارا صومِ وصال رکھنا درست نہیں۔ تم میں وہ تاب و تواں کہاں کہ اس بوجھ کو برداشت کر سکو۔

جن سے یہ خطاب ہے ان میں سسر بھی ہیں، داماد بھی ہیں، چچے بھی ہیں اور چچا زاد بھی حسب و نسب میں شریک قریش بھی ہیں لیکن کوئی بھی ان کی مثل نہیں ہو سکتا لیکن

جن کا دیوبند سے تعلق ہو جائے وہ سارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ہیں اگرچہ جتنے بھی گئے گزرے ہوں، اور سارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے بھائی نعوذ باللہ من ذلک۔

مولانا روم نے فرمایا شہد کی مکھی اور دوسری مکھی ایک جیسا کھاتی ہیں اور پیتی ہیں اور ایک جیسی جگہوں پر بیٹھتی ہیں لیکن بایں ہمہ ایک سے پلیدی اور بیماری پیدا ہوتی ہے اور دوسری سے وہ شہد پیدا ہوتا ہے جو لوگوں کے لئے باعثِ صحت وعافیت اور موجبِ شفا ہوتا ہے۔ جس طرح وہاں نام ایک ہے، کھانا پینا ایک جیسا ہے لیکن لوازمات اور آثارِ طبیعت مختلف ہیں اسی طرح یہاں بھی، وہاں بھی حقیقت مختلف ہے اور یہاں بھی ہے

این خورد گردد پلیدی زیں جدا
آں خورد گردد ہمہ نورِ خدا

الغرض بشریتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور بشریتِ اغیار میں صرف نام کی شرکت ہے اور محض اشتراک لفظی ہے حقیقت بالکل جدا ہے بلکہ بشریتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کرام کے ارواح اور نوری ملائکہ سے بھی زیادہ لطیف و پاکیزہ ہے اسی لئے وہ بشریت سرحدِ وجوب تک واصل ہوئی اور زمان و مکان کی حدود سے نکل کر لامکان میں جلوہ فرما ہوئی اور حریمِ حرمِ خداوندی میں جلوہ فرما ہوئی ہے

سیمرغِ روحِ ہیچکس از انبیاء نتافت
آنجا کہ تو بہ بالِ کرامت پریدۂ
ہریک بقدرِ خویش بجائے رسیدہ است
آنجا کہ جائے نیست تو آنجا رسیدۂ

تنبیہ

دہلوی اسماعیل دہلوی نے اپنی تقویت الایمان میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

بھائی کہا ہے اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اس کی تاویل و توجیہ میں فرماتے ہیں کہ کسی نے (مولوی اسماعیل نے) بوجہ بنی آدم ہونے کے آپ کو بھائی کہا تو کیا خلاف نص کے کہہ دیا وہ تو خود نص کے مطابق ہے صـ۳ ۔

اس بھلے مانس سے کوئی پوچھے کہ دنیا میں کوئی بھی شخص ایسا نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرتِ آدم علیہ السلام کی اولاد نہ مانتا ہو اور آپ کو حضرتِ عبداللہ و حضرتِ آمنہ رضی اللہ عنہما کی اولاد نہ جانتا ہو، اسی لئے تو ہر سال میلاد مناتے ہیں ورنہ میلاد منانے کی کیا ضرورت تھی البتہ اہلِ سنت انہیں نور بھی مانتے ہیں اور دونوں منصب آپ کے تسلیم کرتے ہیں اور آپ کی بشریت کو بھی بے مثل و مثال مانتے اور جانتے ہیں اور وہ دلائل سے واضح ہے لیکن بھائی کہنے پر انہیں اعتراض یہ ہے کہ اس میں منصبِ نبوت اور علی الخصوص ذاتِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم میں گستاخی ہے لہذا یہ لفظ استعمال کرنا سخت گناہ ہے بلکہ بوجہ بے ادبی ہونے کے کلمۂ کفریہ ہے لہذا یہ لفظ استعمال کرنا ہرگز ہرگز درست نہیں اسی لئے کوئی شخص اپنے باپ کو، اپنے استاد کو اور اپنے پیر و مرشد کو اپنا بھائی نہیں کہتا اور اگر کوئی کہے تو اسے سخت بے ادب اور گستاخ سمجھا جائے گا لہذا جن کے قدموں کی خاک پر ہمارے سارے آباؤ اجداد قربان ہوں ان کی شان میں یہ لفظ استعمال کرنا سخت برا ہے، اگر بشریت میں نام کی شرکت بھی ہے تو رسالت و محبوبیت کی موجودگی میں کیسے برابری کا دعوےٰ ہو سکتا ہے؟

اگر خواہ مخواہ وہ ضد ہی کریں تو ان سے عرض کرتے ہیں کہ آپ حضرات اور کتا گدھا اور خنزیر وغیرہ تمام جنس حیوان میں شریک ہیں فرق صرف ناطق اور غیر ناطق ہونے میں ہے باقی تمام امور جوہر، جسم نامی حساس متحرک بالارادہ جو بھی معنی حیوان میں معتبر ہیں ان تمام میں برابری ہے لہذا آپ گدھے کی مثل اور کتے جیسے اور خنزیر کی مانند ہیں کیونکہ فرق صرف یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے تمہیں زبان دیدی عقل دے دی، ناطق بنایا۔ لہذا تم ذرا بڑے ہو گئے اور وہ چھوٹے ہو گئے تو گویا وہ چھوٹے بھائی ہوئے اور تم بڑے بھائی، انہیں تمہارا تابعدار بنا دیا، تم کوئی خدا تو نہیں ایک مخلوق ہی ہو۔ نیز فرماتے ہیں کہ حضور نے مسلمانوں کو

خود اپنا بھائی فرمایا ہے۔ آپ اگر ازراہِ عنایت اور کسرِ نفسی فرمادیں تو ہمارے لیے کیونکر وجہِ جواز پیدا ہوگئی۔ استاد شاگرد کو، پیر و مرشد مرید کو بھائی کہہ دے تو کیا شاگرد اور مرید کو بھی یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ انہیں بھائی کہتا پھرے ؎

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از لطفِ رب

الثالث عشر

الکوثر (انّہ نور فی قلبک دلک علیّ وقطعک عما سوای)

کوثر سے مراد آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نورِ قلب ہے جس نے آپ کو ذاتِ باری تعالیٰ کیطرف متوجہ اور واصل کیا اور جمیع ماسوی اللہ سے منقطع اور بے رغبت کیا اس بنا پر آیۂ کریمہ کا معنٰے یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو ایک عظیم نور عطا فرمایا جس نے ہماری ذات تک پہنچنے والے راستے تم پر واضح کر کے ہر ماسوٰی سے تمہیں الگ تھلگ کر دیا۔

قال جعفر الصادق رضی اللہ عنہ الکوثر ھو نور قلبہ صلی اللہ علیہ وسلم (روح المعانی) "کوثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ قلب کا نام ہے"

اس نورِ قلب کی عظمت کو اللہ رب العزت نے سورۂ نور کی اس آیۂ کریمہ میں واضح طور پر بیان فرمایا: اللہ نور السمٰوات والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتھا یضیئ ولو لم تمسسہ نار نور علیٰ نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء ویضرب اللہ الامثال للناس واللہ بکل شیئ علیم "اللہ تعالےٰ روشنی عطا فرمانیوالا ہے تمام آسمانوں اور زمینوں کو اس کے نور کی مثال (جس سے کائنات کو منوّر فرمایا) یوں ہے جیسے کہ ایک طاق میں ایک بتی اور دیا روشن کر کے رکھا ہوا ہو اور بتی ایک ایسے شیشے میں رکھی گئی ہو جو اپنی صفائی اور نظافت کیوجہ سے چمکتے ستارے کی مانند ہو، اس میں جلنے کے لئے ڈالا جانیوالا تیل زیتون کے مبارک درخت سے لیا گیا ہو جو کہ نہ مشرقِ بعید سے ہے اور نہ ہی انتہائی مغرب سے بلکہ شرق اوسط میں پیدا ہونیوالا (جو تمام دنیا کے زیتون میں بے مثال ہے)

وہ اپنی نظافت اور صلاحیت میں اس انتہاء کو پہنچا ہوا ہے کہ آگ لگائے بغیر جل اٹھے، نور ہی نور ہے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے نورِ خاص کیطرف راہنمائی فرماتا ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ معانی اور معقولات کو واضح کرنے کے لئے لوگوں کے سامنے محسوسات کے ساتھ تشبیہ دے کر ان کی وضاحت فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شئی کو جاننے والا ہے لہذا مثال اور ممثل لہ کی مماثلت و مناسبت تامہ کو بھی اچھی طرح جاننے والا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے فرمایا:۔

اخبرنی عن قولہ تعالیٰ مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح قال کعب ھذا مثل ضربہ اللہ لنبیہ۔

"مجھے یہ بتلاؤ کہ اس آیتِ کریمہ میں کس نور کی مثال بیان کی گئی ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے تو مثال کا ہونا ناممکن ہے لیس کمثلہ شیئ لہذا یہ مثال اللہ تعالیٰ کے نورِ ذات کی تو نہیں ہو سکتی)۔ کعب احبار نے کہا اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ پاک کی مثال بیان فرمائی ہے لہذا مشکوۃ سینۂ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور زجاجہ قلبِ رسول کا نام ہے اور مصباح اس نورِ نبوت کی طرف اشارہ ہے جو آنحضورؐ کے دل پر نورِ ازلی ودیعت کیا گیا ہے اور شجرۂ مبارکہ سے مراد شجرۂ نبوت ہے اور وہ نورِ نبوت و فیضِ رسالت اس قدر واضح ہے کہ بغیر اعلان و اظہار کے ہر آدمی اسے محسوس کر سکتا ہے اور چہرۂ تاباں ہی سے صدقِ دعوٰے اور حقانیتِ رسالت کا یقین کر سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے: المشکوٰۃ جوف محمد والزجاجۃ قلبہ والمصباح النور الذی جعلہ اللہ فیہ۔ محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں المشکوٰۃ ابراھیم والزجاجۃ اسمٰعیل علیہما السلام والمصباح محمد صلی اللہ علیہ وسلم سمی اللہ

محمد امصباحا کما سماہ سراجا منیرا (خازن) "مشکوٰۃ سے مراد ابراہیم علیہ السلام ہیں اور زجاجہ سے مراد اسماعیل علیہ السلام اور مصباح محمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اللہ تعالےٰ نے آپ کو مصباح فرمایا جیسا کہ دوسرے مقام پر سراجِ منیر سے تعبیر فرمایا" اسی طرح کبیر اور جمل وغیرہ میں بھی مثل نورہ کو مثالِ نورِ نبوتِ مصطفےٰ کہا گیا ہے۔

ان اقوال سے ظاہر ہو گیا کہ یہ مثال نورِ نبوت اور ضیاءِ رسالتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور آیتِ کریمہ نے اس نور و ضیاء کی لطافت اور نظافت کو اس عمدگی سے واضح فرمایا ہے جس سے زیادہ توضیح ممکن ہی نہیں۔ اس نورِ پاک کو اس مصباح سے تشبیہ دی گئی ہے جو ایک انتہائی صاف اور شفاف شیشہ میں رکھی گئی ہو اور اسے انتہائی صاف ستھرے تیل سے روشن کیا گیا ہو اور پھر اسے ایک طاق میں رکھا گیا ہو، وسیع اور کشادہ مکان میں بھی نہ ہو۔ غور تو کیجئے بتی کی روشنی کا نقص یا تیل کے نقص کیوجہ سے ہوتا ہے یا پھر شیشے کے میلا کچیلا ہونے کیوجہ سے اور یا اس کی استعداد سے زیادہ کھلے مکان میں رکھنے کیوجہ سے لیکن یہاں کوئی نقص بھی موجود نہیں ہے، شیشہ کی صفائی اور چمک پر "کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ" گواہ ہے اور تیل کی لطافت پر "یکاد زیتہا یضیئ ولو لم تمسسہ نار" شاہد ہے اور جس مکان میں اسے رکھا گیا ہے اس کے محدود و مختصر ہونے پر "کمشکوٰۃ" دلیلِ ناطق ہے۔

قاضی بیضاوی انی جاعل فی الارض خلیفۃ کے تحت فرماتے ہیں:۔

الا ترٰی ان الانبیاء لما فاقت قوتھم واشتعلت قریحتھم بحیث یکاد زیتہا یضیئ ولو لم تمسسہ نار ارسل الیہم الملائکۃ ومن کان منہم علیٰ رتبۃ کلمہ بلا واسطۃ کما کلم موسیٰ علیہ السلام

فی المیقات و محمدا صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج

"کیا اے مخاطب تو نے ملاحظہ نہیں کیا کہ جب انبیاء کرام کی قوت اپنی بلندی پر پہنچ جاتی ہے اور ان کی طبیعت محاسنِ اخلاق اور محامدِ اعمال سے روشن اور نورانی ہو جاتی ہے اور استعدادِ نبوت و رسالت تام ہو کر اس حد تک پہنچتی ہے کہ اگر ان کی طرف وحی نہ بھی کیجائے تو وہ پھر بھی نورِ نبوت و رسالت سے چمک اٹھیں، اس وقت اللہ تعالیٰ ان کیطرف ملائکۂ وحی وارشاد کو مبعوث فرماتا ہے اور جو ان میں سے اعلیٰ صلاحیت کے مالک ہوتے ہیں ان سے براہِ راست خطاب فرماتا ہے جیساکہ موسےٰ علیہ السلام کے ساتھ طُور پر کلام فرمائی اور سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرش سے ماوراء ہمکلام ہوا"

اسی نورِ قلب کیوجہ سے اللہ رب العزت نے محبوب و مطلوب صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں سراجِ منیر فرمایا اور کہیں قد جاءکم من اللہ نور سے تعبیر فرمایا اور یہی وہ مصباحِ نور ہے جس سے آسمانوں اور زمینوں میں نورِ اسلام اور نورِ ہدایت پھیلا ہوا ہے اور یہی وہ نورِ عظیم ہے جس کی شدت و کثرت کے آگے آسمانوں اور زمینوں کی وسعتیں سمٹ کر ایک طاق کی مانند رہ گئی ہیں اور نورِ محبوب کی کرنیں اور شعاعیں پوری کائنات میں یوں پھیلی ہوئی ہیں جیسے کہ چراغ کی روشنی ایک محدود و مختصر طاق میں۔

سوال :۔ آیتِ کریمہ میں تمثیل اس نور کی بیان کرنا مقصود ہے جس کیوجہ سے سب آسمان اور زمین مستنیر ہیں اور نورِ نبوت تو قلبِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے اور وہ مشکوٰۃِ سینہ میں ودلیت ہے۔ کہاں زمین و آسمان کی وسعتیں اور کہاں سینۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم لہذا مثال اور ممثل لہ میں مناسبت بالکل ظاہر نہیں ہوتی؟

جواب :۔ سینۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر ایک انتہائی محدود اور مختصر جسم معلوم ہوتا ہے اور آسمان و زمین کی وسعت اس سے زیادہ معلوم ہوتی ہے

لیکن جب دیدۂ بصیرت وا ہو جائے اور اس سینۂ اقدس کی معنوی وسعت و فراخی کا علم ہو جائے تو پوری کائنات اس میں ایک ذرہ کیطرح معلوم ہو گی۔ صاحبِ روح المعانی اور روح البیان وغیرہ الم نشرح لک صدرک کے تحت فرماتے ہیں:۔

الم نفسح صدرک حتی حوی عالمی الغیب و الشھادۃ۔

"ہم نے آپ کے سینۂ اقدس کو اتنا وسیع کر دیا ہے کہ عالمِ غیب اور عالمِ شہادت کو محیط ہو گیا ہے۔"

لہذا ساری کائنات علوی و سفلی، فلک الافلاک ہو یا عرشِ عظیم، لوح و قلم ہو یا دنیا و آخرت سینۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب کو محیط ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین اور رحمتِ باری ہر شئے کو محیط ہے رحمتی وسعت کل شیئ لہذا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہر شئے کو محیط ہیں لہذا آسمانوں اور زمینوں کی وسعتیں سمٹ کر ایک طاق کی مانند ہیں اور مصباحِ نورِ نبی سے سب کی روشنی ہے ؎

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتوِ آں
ہر کجا مے نگری انجمنے ساختہ اند

سید احمد عابدین فرماتے ہیں:۔

قال العارف ابو یزید وحققہ بعدہ العارف محی الدین لوان العرش وما حواہ الف الف مائۃ مرۃ وضع فی زاویۃ من زوایا قلب العارف ما احس بہ وکیف یحس بالحادث من وسع القدیم کما فی الحدیث القدسی ولکن وسعنی قلب عبدی المؤمن افلا یکون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذلک وھو مرکز دائرۃ النورانیۃ و مظھر التجلیات الرحمانیۃ وعین الحقیقۃ الانسانیۃ

ومنہ تستمد العوالم الانسیۃ والروحانیۃ۔

"عارف ابویزید نے فرمایا اور عارف محی الدین نے اسے حق قرار دیا کہ اگر عرش اور جو کچھ اس کے احاطہ میں ہے یعنی پوری کائنات کا دس کروڑ گنا عارف کے دل کے گوشوں میں سے کسی ایک گوشہ میں رکھ دیا جائے تو اسے اس کا ذرہ بھر وزن محسوس نہیں ہوگا اور نہ ہی اس میں کوئی تنگی محسوس ہوگی۔ اور حادث کی وجہ سے اس قلب میں کیسی تنگی محسوس ہو سکتی ہے جس میں قدیم ذات واجب الوجوب اللہ رب العزت کے سمانے کی گنجائش ہو جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے کہ میری گنجائش نہ آسمانوں میں ہے اور نہ زمین میں لیکن میں اپنے مومن بندہ کے دل میں سما سکتا ہوں ؎

ارض وسما کہاں تیری وسعت کو پا سکے

میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

سید احمد عابدین نے فرمایا کہ جب ایک امتی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی و نیازمندی سے اس درجہ کو پا سکتا ہے اور اس کے دل میں اتنی وسعت پیدا ہو جاتی ہے تو خود رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو یہ منصب کیونکر حاصل نہ ہوگا حالانکہ آپ دائرۂ نورانیت کے مرکز ہیں اور تجلیاتِ الٰہیہ کے مظہر ہیں اور حقیقتِ انسانیہ کے نورِ چشم ہیں اور آپ ہی سے تمام جہان انسانی و روحانی کسبِ فیوض کر رہے ہیں۔

نکتہ جب سینۂ اقدس اتنا وسیع و فراخ ہے اور اللہ تعالیٰ نے خود اسکی توسیع و فراخی کو اپنے ذمہ کرم پر لیکر سرانجام دیا ہے الم نشرح لك صدرك، تو پھر اسے طاق سے جو کہ بالکل مختصر سی جگہ ہوتی ہے تعبیر فرما کر اس طرف اشارہ فرما دیا ہے کہ سینۂ اقدس اتنا فراخ ہے مگر نورِ قلب کے لحاظ سے بمنزلہ مشکوٰۃ ہے لہذا صدرِ اقدس جن اشیاء کو محیط ہے ان سب تک یہ نور ایسے ہی پہنچ رہا ہے جیسا کہ طاق کے ہر گوشہ میں بتی کا نور پہنچتا ہے اور جس طرح تنگ مکان میں روشنی زیادہ ہوتی ہے اسی طرح وہ نور پاک بھی اپنے

کمال کو پہنچا ہوا ہے اور اس نور نے عالمِ غیب و شہادت کو منور کر رکھا ہے۔ عرشِ عظیم سے تحت الثریٰ تک ساری کائنات اس نورِ وحدت اور تجلیٔ ذات سے مستنیر ہے اور سارے انبیاء و اولیاء نے انہیں کے نور سے بھیک وصول کی ہے۔ یہ چاند و سورج اور نجوم و کواکب انہی کی تجلیاتِ رخِ انور کا عکس پیش کر رہے ہیں۔ نور کی اس عظمت و جلالت اور کثرت و شدت پر تنبیہ کرنے کے لئے فرمایا انا اعطینٰک الکوثر اور یہ نہ فرمایا انا اعطینٰک النور۔ امامِ اہلِ سنت نے فرمایا ؎

لامکاں تک اجالا ہے جس کا وہ ہے
ہر مکاں کا اجالا ہمارا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

؎ یہ جو مہر و ماہ پہ ہے اطلاق آتا نور کا
بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا

نکتہ شیشہ کے اندر بتی جل رہی ہو تو اس کا سایہ نظر نہیں آتا اسی طرح جسمِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ زجاجہ اور صاف و شفاف شیشہ کے ہے اور اس کے اندر مصباحِ نورِ نبوت و رسالت اور عکسِ جلوۂ ذات موجود ہے اسی لئے جسمِ پاک کا سایہ بھی نظر نہ آیا کرتا تھا لم یر لہ صلی اللہ علیہ وسلم اثر لا فی الشمس ولا فی القمر لانہ کان نورا (خصائصِ کبریٰ) رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کا سایہ نہ سورج کی دھوپ میں دیکھا گیا اور نہ ہی چاند کی چاندنی میں کیونکہ آپ نور تھے۔"

تفسیر مدارک سورۂ نور میں امام نسفی نے نقل فرمایا ہے کہ حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا: ان اللہ ما اوقع ظلک علی الارض" اللہ تعالےٰ نے آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑنے دیا۔"

شیخ عبدالحق صاحب نے مدارج میں فرمایا :۔

عجب است کہ ایں بزرگاں ذکرِ سراج نہ کردند حالانکہ سایہ در دے ہم نبود۔

لاتعجب ہے کہ ان بزرگوں نے سورج کی روشنی اور چاند کی چاندنی میں سایۂ مصطفوی نہ ہونے کا تو ذکر کیا لیکن چراغ کی روشنی میں سایہ کی عدم موجودگی کو ذکر نہ فرمایا حالانکہ اس کی روشنی میں سایہ نظر نہیں آتا تھا" عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مولانا احمد رضا خان صاحب نے فرمایا ؎

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا
شمع دل، مشکوٰۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لئے آیا ہے سورہ نور کا

نکتہ وہ نورِ پاک جو آپ کے قلبِ اقدس میں فیضان کیا گیا ہے اس کی صفتِ اول یہ ہے نور فی قلبك دلك علی" اس نورِ قلب نے تمہاری ذات کو میری ذات تک واصل کیا اور رہنمائی فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس نور میں معرفتِ ذات و صفات پہلے موجود تھی اور اس نور کی اللہ رب العزت تک رسائی اور اس کی ذات سے شناسائی تھی تبھی تو اس نے جسمِ پاک کو بھی واصل الی اللہ کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اول ما خلق اللہ نوری "سب سے پہلی شے جو اللہ تعالےٰ نے پیدا فرمائی وہ میرا نور ہے"

حضرتِ جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے ان اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء کلھا نور نبیك من نورہ "تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے فیضِ ذات سے پیدا فرمایا"

حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے صحابہ کرام نے عرض کیا متی وجبت لك النبوۃ یا رسول اللہ قال وآدم بین الروح والجسد (مشکوٰۃ) "آپ کب سے نبی بنے ہیں؟ آپ نے فرمایا اس وقت سے جبکہ آدم علیہ السلام کی روح کا تعلق جسم سے مکمل نہیں ہوا تھا اور نہ ان کی تخلیق مکمل ہوئی تھی"

حضرت عرباض بن ساریہ کی روایت میں ہے انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ (مشکوٰۃ) میں اپنے رب کے ہاں منصب ختم نبوت کے لئے متعین ہو چکا تھا اور آدم علیہ السلام کا جسم بھی ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔

شیخ محقق نے فرمایا :-

بعضے از عرفا گفتہ اند کہ روحِ شریف وے صلی اللہ علیہ وسلم نبی بود در عالمِ ارواح کہ تربیتِ ارواح میکرد چنانکہ دریں عالم بجسد شریف مربیِّ اجساد بود و بہ تحقیق ثابت شدہ است تخلیق ارواح قبل از اجساد۔

"بعض عرفاء نے فرمایا کہ حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا روحِ پاک عالمِ ارواح میں منصبِ نبوت و رسالت پر فائز تھا اور اس کے لئے مرتبۂ ختمِ نبوت کو مقدر کر دیا گیا تھا اور آنحضور اپنی اس نشاۃِ نورانی و روحانی میں ارواحِ انبیاء کی تربیت فرماتے تھے جیسا کہ وجودِ جسدانی کے ذریعہ عالمِ اجساد کی تربیت فرمائی اور ارواح کی تخلیق قبل از اجسام و اجساد یقیناً ثابت ہے" لہٰذا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت حقیقی خارجی سب انبیاء و رسل سے پہلے ثابت و متحقق ہے اور ہر نبی کا روح ان سے فیض یافتہ اور تربیت پانے والا ہے۔

شفاء شریف میں ہے :-

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت روحہ نورا بین یدی اللہ قبل ان یخلق آدم بالفی عام یسبح ذلک النور وتسبح الملائکۃ بتسبیحہ فلما خلق اللہ آدم القی ذلک النور فی صلبہ الحدیث۔

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا روح پاک

قبل اپنے رب کے ہاں موجود تھا۔ وہ نورِ پاک تسبیح کہتا اور سب ملائکہ آپ کی تسبیح کی اتباع و اقتداء کرتے اور تسبیح کہتے پس جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اس نورِ پاک کو ان کی پشت میں ودلیعت فرمایا اور وہ نورِ پاک پشت بہ پشت پاک پشتوں سے پاک رحموں کیطرف منتقل ہوتا آیا حتیٰ کہ حضرت عبداللہ اور حضرتِ آمنہ رضی اللہ عنہا سے وہ نورِ اقدس صورتِ انسانی اور لباسِ بشری میں نمودار ہوا کیونکہ وہ نورِ پاک اگر اس پردہ میں مستور ہو کر اور حجابِ بشری میں محجوب ہو کر نمودار نہ ہوتا تو کوئی انسان انہیں دیکھنے کی مجال بھی نہ رکھتا اور نہ ہی ان سے ہدایت حاصل کر سکتا۔

شیخِ محقق نے فرمایا :۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بتمام از فرق تا قدم نور بود کہ دیدۂ جرأت در جمالِ باکمال وے خیرہ می شد مثل ماہ و آفتاب تاباں و روشن بود اگر نہ نقابِ بشریت پوشیدہ بودے ہیچکس را مجالِ نظر و ادراکِ حسنِ وے ممکن نبودے ہمیشہ جوہر دے نوری بود کہ انتقال کرد در اصلابِ آباء و ارحامِ امہات از زمنِ آدم تا انتقال بصلبِ عبداللہ و رحمِ آمنہ سلام اللہ علیہم اجمعین۔

اس حدیثِ پاک اور شیخ صاحب کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ نورِ اقدس حضرتِ آدم علیہ السلام کی پشت میں ودلیعت کرنے سے پہلے ہزاروں سال اپنے رب تعالیٰ کی تسبیح میں مصروف رہا اور فرشتے اس کی اقتداء میں تسبیح پڑھا کرتے تھے گویا ملائکہ کے لئے مربی اور فیضانِ معرفت کا منبع و مصدر بھی یہ نورِ اقدس ہے، ارواحِ انبیاء بھی درسِ معرفت انہی سے حاصل کرتے رہے اور ملائکہ بھی آدابِ تسبیح و تقدیس ان سے سیکھتے رہے لہذا یہ نورِ پاک اور روحِ پاک واصل الی اللہ اور عارف باللہ اس وقت سے ہے جبکہ کسی اور کا ابھی وجود ہی نہیں تھا بلکہ باقی سب ان کے طفیل عالمِ وجود میں آئے لہذا وہ نورِ پاک جب اس جسمِ اقدس میں جلوہ گر ہوا اور اس

سراپا نچہ جلوہ بشریت میں نمودار ہوا تو اسے بھی ذاتِ باری تعالےٰ تک واصل کر دیا اور جسم بھی اس نور کی بدولت ان بلندیوں پر فائز ہوا جہاں کسی اور نبی کی روح کو بھی وصول نصیب نہ ہوا ؎

سیمرغِ روح ہیچکس از انبیاء نتافت
آنجا کہ تو بہ بالِ کرامت پریدۂ
ہر یک بقدرِ خویش بجائے رسیدہ است
آنجا کہ جائے نیست تو آنجا رسیدۂ

جبرائیل علیہ السلام جیسا نوری فرشتہ حاملِ وحی اور محرمِ اسرارِ خداوندی سدرہ پر رک جاتا ہے اور سفر میں ساتھ دینے سے معذرت کرتے ہوئے کہتا ہے لو دنوت انملۃ لاحترقت اگر میں انگلی کے ایک پورا اور جوڑ کے برابر اوپر اڑتا ہوں تو جل کر راکھ ہو جاؤں گا ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم !
فروغِ تجلے بسوزد پرم

موسےٰ علیہ السلام جیسا اولوالعزم رسول صفاتی تجلی کو برداشت نہیں کر سکتا اور کوہِ طور ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور موسےٰ علیہ السلام ہوش آنے کے بعد توبہ کرتے ہیں کہ میں پھر ایسا سوال نہیں کروں گا لیکن قربان جایئے ذاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم عرش سے بھی ماوراء عینِ ذات کا دیدار کر رہے ہیں لیکن طبیعت پر کسی قسم کا خوف وخشیت اور ہیبت طاری نہیں ہوتی بلکہ ما زاغ البصر وما طغیٰ کی شان سے آرام وسکون کے ساتھ محبوبِ حقیقی کے دیدارِ ذات سے لطف اندوز ہو رہے ہیں ؎

موسےٰ زہوش رفت بیک پرتوِ صفات
تو عینِ ذات مے نگری در تبسمی

نہ کوئی رہبرو راہنما ہے، نہ سنگِ منزل ہے اور نہ مراحل ہیں۔ اس وقت اس جسمِ پاک کو دنیٰ فتدلّٰی کی بلندیوں اور فکان قاب قوسین او ادنیٰ والے قرب تک پہنچانے والا یہی نورِ پاک ہے اور فاوحی الیٰ عبدہ ما اوحیٰ کی خلوت گاہِ راز تک پہنچانے والا بھی یہی نورِ پاک ہے ؎

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کیطرف گئے تھے

دوسری صفت اس نورِ پاک کی یہ ذکر کی ہے قطعک عما سوای

"اس نورِ قلب نے آپ کو میرے علاوہ ہر شی سے منقطع اور بے رغبت کر دیا ہے"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیوی زیب و زینت اور آسائش و آرائش سے ہمیشہ اجتناب فرمایا اور بیزاری کا اظہار فرمایا۔ حضرتِ سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا نے دروازہ پر پردہ لٹکایا ہوا تھا جب اسے دیکھا تو اظہارِ ناپسندیدگی کے لئے گھر میں داخل ہی نہ ہوئے اور حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر دیوار پر پردہ لٹکا ہوا دیکھا تو فوراً اتروا دیا۔ جب مالِ غنیمت بکثرت آنے لگ گیا اور غازیانِ اسلام مالِ غنیمت کی بدولت بڑی آسودہ حالی میں ہو گئے۔ اس وقت بھی محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر میں درخواست کرتی ہیں کہ حضور کے غلام اور سپاہی تو اتنے آسودہ حال ہو گئے اور ان کے گھر والے بھی بڑے آرام و راحت میں ہیں ہمارے لئے بھی دنیوی ساز و سامان اور ضروریاتِ زندگی کا مناسب انتظام فرمایا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مطالبہ سے سخت ناراض ہوئے کہ تم نبی کی بیویاں ہو کر دنیوی ساز و سامان کی فکر میں ہو اور فانی زندگی کے لئے سامانِ آرائش کی فکر میں ہو۔ میں تم سے ایک مہینہ تک کلام نہیں کروں گا چنانچہ آپ نے ایک مہینہ تک علیحدگی اختیار فرمالی اور پھر ان کی اس جسارت کو شرفِ عفو بخشا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹائی کو اپنا بچھونا بنایا ہوا ہے اور اس کے پتوں سے جسمِ اقدس پر نشان پڑ گئے ہیں، یہ حالت دیکھ کر بے اختیار رونے لگے اور عرض کیا کہ دنیا کے بادشاہ،

فرمانروایانِ روم و فارس تو ریشم اور کمخواب استعمال کریں اور محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں گزر کریں۔

آپ نے فرمایا افی ھذا انت یا ابن الخطاب اولئٰک قوم عجلت لھم طیباتھم فی الحیٰوۃ الدنیا۔" اے ابنِ خطاب تو ابھی اس حال میں ہے کہ دنیا کی راحت و سکون جو ان بادشاہوں کو ملا ہے اسے نگاہِ رشک سے دیکھتا ہے اور اپنے آقا و مولیٰ کے لئے بھی اس کا خواہشمند ہے، وہ تو ایسی قوم ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے ان کے حصے کی ساری نعمتیں انہیں حیوٰۃِ دنیا ہی میں دے دی گئی ہیں۔

سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

عرض علی ربی لیجعل لی بطحاء مکۃ ذھبا فقلت لا یارب ولکن اشبع یوما واجوع یوما۔

"اللہ تعالےٰ نے مجھے یہ پیشکش کی اور اس عنایت کا اظہار فرمایا کہ میں تمہارے لئے بطحاءِ مکہ کو سونا بنا دیتا ہوں۔ میں نے عرض کی اے ربِ کریم میری خواہش تو یہ ہے کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں تو دوسرے دن بھوکا رہوں۔" جب سیر ہوں گا تو تیرا شکر ادا کروں گا اور جب بھوکا ہوں گا تو تیری طرف تضرع و زاری کروں گا،

ارشاد فرمایا اوتیت مفاتیح خزائن الارض "مجھے تمام خزانہائے ارضی کی چابیاں عطا کر دی گئیں۔" (مشکوٰۃ) مسندِ امام احمد میں ہے اعطیت مقالید الدنیا "مجھے ساری کائنات کی چابیاں عطا کر دی گئی ہیں۔"

خزائنِ ارض قبضہ میں ہیں اور تمام دنیا کے اختیارات تفویض کر دئے گئے ہیں، فرش تا عرش ہر شئے زیرِ نگیں ہے، جن و ملائکہ تابعِ فرمان ہیں، بحر و بر میں سکہ رواں ہے لیکن دنیا سے بے رغبتی اور زہد کا عالم یہ ہے ؎

کھانا تو دیکھو جو کی روٹی اُن چھنا آٹا روٹی موٹی!

قبضہ میں جس کے ساری خدائی اس کا بچھونا ایک چٹائی
نظرِ دل میں کتنی ہیچ ہے دنیا صلے اللہ علیہ وسلم

شبِ معراج جب قدم عرشِ عظیم پر ہیں اور ساری مخلوق نعلین شریفین کے سایہ میں لبس رہی ہے اور محوِ استراحت ہے۔ اللہ رب العزت اپنے حبیبِ کریم علیہ السلام کو فرماتا ہے انا وانت وما سواك خلقت لاجلك "میرا مقصود تمہاری ذات ہے اور باقی سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔" آپ نے عرض کیا انت وانا وما سواك ترکت لاجلك "میرا مقصود تمہاری ذات ہے باقی سب کچھ تیرے نام پر قربان کرتا ہوں۔" (معارج) ؎

مجھ کو وہ بخشتے تھے دو عالم کی نعمتیں
میرے غرورِ عشق نے انکار کر دیا

اور حقیقت تو یہ ہے کہ جب خالقِ کائنات، مالکِ موجودات اور صاحبِ خزائنِ سموات وارض حسنِ مطلق اور تقدسِ مطلق، نورِ محض کا شانۂ دل میں جلوہ گر ہو اور صحنِ قلب کو اپنا منصۂ شہود وظہور بنائے ہوئے ہو، طاقِ صدر اس کی جلوہ گری ناز ہو تو دنیائے فانی کی تمنا و آرزو اور اس کی محبت والفت کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے اور اس کی ضرورت بھی کیسے پیش آسکتی ہے؟

؎ تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جائے
سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

ماسوی سے منقطع ہو کر صرف اللہ رب العزت کیطرف متوجہ ہو جانا دنیائے فانی سے الگ ہو کر حیّ قیوم ذات سے لَو لگانا، محبتِ غیر سے اپنے آپ کو محفوظ کر کے صرف اللہ رب العزت کے جلووں میں محو و مستغرق ہو جانا، اپنی ذات و صفات کو جلوہ ہائے ذات وصفات میں فنا کر کے ابدی حیات پالینا اور فانی فے اللہ ہو کر باقی باللہ بن جانا عظیم منصب و مرتبہ ہے اور اس کا حصول اس نورِ پاک کی بدولت ہے جو اللہ تعالے نے اپنے محبوبِ پاک کے دلِ اقدس میں ودیعت

فرمایا ہے لہٰذا وہ نورِ پاک کوثر ہے ارشاد فرمایا انا اعطینٰک الکوثر۔

اللہ رب العزت نے اپنی قدرتِ کاملہ سے نورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشریت کے حجاب پردہ میں چھپا دیا اور بشریت والے نقاب میں مستور و محجوب فرما دیا تاکہ ہم انہیں دیکھ سکیں اور ان کے شرفِ اتباع و اقتداء سے مشرف ہو سکیں اگر وہ حقیقت بے نقاب و بے حجاب ہو جائے اور لباسِ بشریت کو الگ کر دیا جائے تو مخلوق میں سے کسی کو بھی یارائے دیدار نہ ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل "جب میں بارگاہِ خداوندی میں ہوتا ہوں اور عالمِ آب وگل کے حجابات و پردے اٹھا کر بزمِ لامکاں میں شمعِ محفل بنا ہوا ہوتا ہوں تو اس وقت میرے دیکھنے کی تاب نہ کسی مقرب فرشتہ میں ہوتی ہے اور نہ نبی و رسول میں ہوتی ہے۔" (تکملۂ مدارج)

حضرت شیخ عارف باللہ عبدالکریم جیلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حقیقتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور نورِ حبیبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مراتبِ ظہور مختلف ہیں۔ عالمِ اجسام میں جو ظہور ہے عالمِ ارواح والا ظہور اس سے مختلف ہے کیونکہ عالمِ ارواح میں جو وسعت ہے وہ عالمِ اجسام میں نہیں ہے اور جو ظہور عالمِ ارواح میں ہے اس سے عالمِ معنیٰ والا ظہور ارفع و اعلیٰ ہے کیونکہ عالمِ معنیٰ عالمِ ارواح سے بھی زیادہ لطیف و پاکیزہ ہے۔ اسی طرح آپ کے ظہورِ ارضی کی نسبت آسمانی ظہور اکمل و اتم ہے اور آسمانی ظہور سے یمین العرش پر جو ظہور ہے وہ الطف و ارفع ہے اور جو ظہور عند اللہ ہے وہ عرشی ظہور سے بھی اجلیٰ و اعلیٰ ہے کیونکہ وہ ظہور و تجلی این و کیف کی قیود سے منزہ ہے اور مکان و زمان کی حدود سے ماوراء ہے۔

فکل مقام اعلیٰ یکون فیہ اکمل و اتم من المقام الانزل ولکل ظہور جلالۃ وھیبۃ بقدر المحل حتی یتناھی الی محل لا یستطیعوا ان یراہ فیہ احد من ... الانبیاء ...

والاولیاء و ذلک معنی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لی

مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ غیر ربی۔

"ہر ارفع محل میں آپ کا جلوہ وظہور نچلے مکان کی نسبت ارفع واعلیٰ ہوتا ہے اور ہر مقام میں اس ظہور وتجلی کی خاص جلالت وہیبت ہوتی ہے حتی کہ اس ظہور کی جلالت وہیبت اس مرتبہ تک پہنچتی ہے کہ اسے اس محل میں دیکھنے کی طاقت نہ کسی نبی میں ہوتی ہے اور نہ کسی ولی میں۔ اور یہی اس حدیث پاک کا معنٰے ہے جس میں ارشاد فرمایا کہ میرا اللہ تعالٰے کے ساتھ جو وقت ہے اس میں مجھے دیکھنے کی تاب وتواں سوائے میرے رب کریم کے کسی اور میں نہیں ہے (یہی تحقیق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز نے مدارج کے تکملہ میں تحریر فرمائی ہے اور ان کی وہ ساری تحقیق حضرت شیخ عبدالکریم الجیلی قدس سرہ العزیز کی عبارت کا لفظ بہ لفظ ترجمہ ہے)

انہی بے پایاں تجلیات کے پیش نظر عالم اجسام اور مکان وزمین کی قیود سے مقید ومحبوس قوتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا یا ابابکر لم یعرفنی حقیقۃ غیر ربی" اے ابوبکر میری معرفت حقیقت سوائے میرے رب تعالٰے کے اور کسی کو بھی حاصل نہیں ہے ؎

ہمہ پیغمبراں در جستجو اند
خدا داند کہ تو در چہ مقامی

لیکن یہ سمجھنا بھی کسی طرح درست نہیں ہے کہ وہ تجلیات اس صورت بشری میں بالکل چھپ گئیں اور حجاب بشریت میں بالکل محجوب ومستور ہو گئیں بلکہ چشم بینا نے اس نور کے پرتو اور عکس کو ضرور محسوس کیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں اذا تکلم رُئِیَ کالنور یخرج من بین ثنایاہ "جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرماتے تو آپ کے دندان مبارک سے نور نکلتا ہوا دیکھا جاتا تھا (مشکوٰۃ شریف)

امام بیہقی اور بزاز نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا کہ جب محبوب خدا

علیہ التحیۃ والثناء مسکراتے تھے تو آپ کے دندانِ مبارک سے نور نکل کر دیوار دل اور مکانوں کو روشن کر دیتا اور دن میں یوں معلوم ہوتا کہ گویا پہلے سورج بادلوں کی اوٹ میں تھا اور اب نمودار ہوا ہے۔

حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے قصیدہ میں ارشاد فرمایا ۔

انت لما ولدت اشرقت الارض
وضاءت بنورک الافق

"جب آپ کی ولادتِ باسعادت ہوئی تو ساری زمین روشن ہوگئی اور آپ کے نورِ پاک سے تمام اطرافِ عالم روشن ہو گئے"

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا خرج منی نور اضاء لی قصور الشام" وقتِ ولادت مجھ سے ایک ایسا نور ظہور فرما ہوا جس کی بدولت مجھ پر شام کے محلات روشن ہو گئے"

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ جب نمازِ عشاء آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ کر گھر جانے لگے، رات انتہائی تاریک تھی، بادل چھایا ہوا تھا اور بارش برس رہی تھی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شاخِ خرما لیجاؤ، یہ راستہ میں دس دس گز تک روشنی پھیلاتی جائے گی۔ اسی کی روشنی میں گھر تک چلے جانا اور تمہارے گھر میں ایک سیاہ سانپ بھی بیٹھا ہوگا اسے بھی اس کے ساتھ مار دینا۔

حضرت عباد بن بشیر اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما جب رات گئے بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے لوٹے، رات اندھیری تھی، راہ نظر نہیں آتی تھی، ان دونوں کے پاس چھڑیاں تھیں، ان میں ایک چھڑی کو آپ نے روشن کر دیا۔ پھر وہ چلنے لگے۔ جہاں تک راستہ اکٹھا تھا اس ایک چھڑی کی روشنی میں چلتے گئے اور جب راستے الگ الگ ہو گئے تو دوسرے کی چھڑی بھی روشن ہو گئی۔

حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنگ سے واپس تشریف لا رہے تھے رات کی تاریکی میں سفر جاری تھا۔ خطرناک راستہ میں صحابہ کرام کے بھٹک جانے کا

اندیشہ تھا۔ اچانک حضرتِ حمزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی انگلیاں روشن ہوگئیں اور سب صحابہ کرام اس روشنی میں اپنے سفر کو طے کرتے ہوئے صحیح وسلامت گھر پہنچ گئے۔ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طفیل بن عمرو دوسی کو تبلیغِ اسلام کے لئے بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس کوئی ایسی مخصوص علامت اور کرامت ہونی چاہئے جس سے لوگ مجھے آنحضور کا بھیجا ہوا مبلغ سمجھ سکیں اور میری بات کو تسلیم کر لیں تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی مبارک اس کے ماتھے پر دو آنکھوں کے درمیان رکھ دی۔ وہ جگہ نورانی ہوگئی اور چمکنے لگی۔

پھر انہوں نے عرض کیا حضور لوگ کہیں برص کا داغ خیال نہ کریں اسے کسی دوسری جگہ منتقل فرما دیں۔ آپ نے ان کی چھڑی کو اس جگہ پر رکھا تو وہ نور اس چھڑی میں منتقل ہوگیا اور وہ چمکنے لگی۔ (مدارج)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ان احادیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

ایں احادیث اول دلیل اندبر نورانیتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم وسرایت نورانیتِ وے بخادمانِ درگاہ وے ماندعصا و تازیانہ ایشاں چہ جائے ذوات اعضائے ایشاں نور علی نور یھدی اللّٰہ لنورہ من یشاء۔

"یہ احادیث نورانیتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت ہی واضح دلیل ہیں اور آنجناب کے نورِ پاک کے خادمانِ بارگاہ اور ان کے عصاؤں اور چھڑیوں میں سرایت کرنے پر روشن برہان ہیں اور جب ان کی چھڑیاں اور عصا اس نورِ پاک کی بدولت روشن و منور ہیں تو ان کی ذاتوں اور اعضاء و اجزاءِ بدن کا کیا کہنا، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نورٌ علیٰ نور ہیں اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نورِ پاک کی طرف راہنمائی فرماتا ہے۔"

گویا وہ نور ہیں سرتاپا نور بلکہ نورٌ علیٰ نور ہیں۔ اس نور کا علم و ادراک سوائے ہدایتِ رب کے نہیں ہوسکتا۔ ایک ہی وقت میں مومنین اس نور کے جلوے اپنی انگلیوں اور چھڑیوں میں ملاحظہ کر رہے ہیں اور اس نور سے مکانوں اور روئے زمین کو

روشن دیکھ رہے ہیں اور کفار و مشرکین ھل ھذا الا بشر مثلکم کی رٹ لگائے جا رہے ہیں، یھدی اللہ لنورہ من یشاء۔

نیز شیخ محقق کی اس عبارت یعنی نور علیٰ نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء کے یہاں ذکر کرنے سے واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک یہ آیۂ کریمہ نورانیتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے جیسا کہ ہم ابتداء میں بیان کر چکے ہیں کہ یہ تمثیل نورِ محمدی کی ہے اور اس نورِ پاک کی ہے جو قلبِ محبوب میں ودیعت فرمایا گیا ہے ؎

شمع دل مشکوٰۃ تن سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لئے آیا ہے سورہ نور کا

نوٹ: نورانیتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار دلائل ہیں، پوری تحقیق کے لئے تو ایک دفتر درکار ہے یہاں صرف الکوثر کے معنٰے کی مناسبت سے قدرِ قلیل پر اکتفاء کیا ہے، اگر اللہ تعالےٰ نے توفیق بخشی تو ایک مستقل کتاب میں ان دلائل اور تحقیقات کو بیان کیا جائے گا وما ذلک علی اللہ بعزیز وھو علیٰ کل شیء قدیر۔

الرابع عشر

الکوثر بمعنی الخیر الکثیر

اس صورت میں اس آیۂ کریمہ کا معنٰی یہ ہو گا کہ اے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو خیرِ کثیر عطا فرمایا ہے۔ یہ معنٰی حبرِ امت مفسرِ صحابہ حضرتِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے انہوں نے ارشاد فرمایا الکوثر ھو الخیر الکثیر کلہ" ہر قسم کی بھلائی اور بہتری کوثر کے عموم میں داخل ہے۔ ہر خلقِ حسن اور عملِ صالح اس عموم میں مندرج ہے ہر کلمۂ حق اور عقیدۂ صحیحہ اس کے احاطہ میں درج ہے، الکوثر ہر بلندی و رفعت پر مشتمل ہے۔ ہر حسن و خوبی پر حاوی ہے۔ دنیا و آخرت کی کوئی بہتری ایسی نہیں جو اس عموم سے باہر ہو اور کوئی ظاہری و باطنی کمال ایسا نہیں جو اس عموم سے خارج ہو۔

یہ معنٰی اور تفسیر تمام معانی اور تفاسیر سابقہ پر مشتمل ہے۔ حوضِ کوثر ہو یا نبوت و حکمت، اولاد جسمانی ہو یا روحانی و معنوی، قرآنِ کریم ہو یا سورۂ کوثر، نعمتِ اسلام و ایمان ہو یا رفعتِ ذکر، معجزاتِ کثیرہ ہوں یا فضائل و کمالاتِ متکاثرہ، نورِ قلب ہو یا مقامِ محمود اور شفاعت عظمٰی سب کچھ الکوثر میں مندرج ہے اور اس کوثر کے مالک حبیبِ خدا سید انبیاء حضرتِ محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم ہیں انا اعطینٰک الکوثر۔

صاحب روح البیان علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ انا اعطینٰک الکوثر کے تحت فرماتے ہیں:۔

والاظھر ان جمیع نعم اللہ داخلۃ فی الکوثر ظاھرۃ و باطنۃ فمن الظاھرۃ خیرات الدنیا و الآخرۃ ومن الباطنۃ العلوم اللدنیۃ الحاصلۃ بالفیض الالٰھی بغیر اکتساب بواسطۃ القوی الظاھرۃ والباطنۃ۔

"زیادہ ظاہر اور راجح یہ ہے کہ اللہ تعالٰے کی تمام نعمتیں ظاہرہ ہوں یا باطنہ الکوثر میں داخل ہیں، نعمِ ظاہرہ میں دنیا و آخرت کے انعامات داخل ہیں اور نعمِ باطنہ میں وہ علوم و معارفِ لدنیہ داخل ہیں جو محض فیضِ خداوندی سے حاصل ہوئے اور ظاہری و باطنی قوتوں اور حواس کو ان کے حاصل کرنے میں کوئی دخل نہیں ہے۔

امامِ رازی علیہ الرحمۃ نے تفسیر کبیر میں ارشاد فرمایا:۔

المراد من الکوثر جمیع نعم اللہ تعالیٰ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وھو المنقول عن ابن عباس رضی اللہ عنہما لان لفظ الکوثر یتناول النعم الکثیرۃ فلیس حمل الآیۃ علی بعض ھذہ النعم اولی من حملھا علی الباقی فوجب حملھا علی الکل۔

"الکوثر سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو اللہ تعالٰے نے اپنے محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو عطا فرمائی ہیں یہی معنیٰ مفسّرامت حضرتِ عبد اللہ بن عباس سے منقول ہے اور عقلی طور پر بھی یہی معنیٰ متعین ہے کیونکہ لفظِ کوثر بے شمار نعمتوں کو شامل ہے اور بہت سارے معانی کا محتمل ہے لہٰذا ان نعمتوں میں سے بعض نعمتیں اور ان بے شمار معانی میں سے بعض معانی مراد لینا اور دوسرے معانی کو ترک کر دینا "ترجیح بلا مرجح" اور تخصیص بلا مخصص ہونے کی وجہ سے ' موزوں اور مناسب نہیں لہٰذا ایسا معنیٰ مراد ہونا چاہئے اور اس آیتِ کریمہ کو ایسے معنیٰ پر محمول کرنا چاہئے جو تمام نعمتوں اور سب معانی محتملہ کو شامل ہو لہٰذا الکوثر سے الخیر الکثیر کلہ اور جمیع نعم اللہ علی محمد مراد ہے جیسا کہ حضرتِ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے"

علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی نے فرمایا:۔

قال جماعۃ الکوثر الخیر الکثیر والنعم الدنیویۃ والاخرویۃ من الفضائل والفواضل و رواہ ابن جریر و ابن عساکر عن مجاھد وھو المشھور من الحبر

من طریق ابی بشر عن سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ

انہ الخیر الکثیر الذی اعطاہ اللہ ایاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

"مفسرین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ الکوثر بمعنے خیر کثیر اور نعیم دنیویہ واخرویہ ہے خواہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی خصوصیات واوصاف ہوں یا ان کے طفیل ساری مخلوق تک پہنچنے والے انعامات وعطیات، ابنِ جریر اور ابنِ عساکر نے حضرتِ مجاہد سے یہی معنے نقل کیا ہے اور یہی حضرتِ ابنِ عباس سے بھی مشہور ہے، امام بخاری، ابنِ جریر اور حاکم نے ابی بشر سے اور انہوں نے حضرتِ سعید بن جبیر سے اور انہوں نے حضرتِ عبداللہ بن عباس سے نقل فرمایا ہے الکوثر سے مراد وہ خیرِ کثیر ہے جو اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے۔

نیز لغوی معنی بھی اسی تفسیر کا مؤید ہے۔ لغت میں الکوثر کا معنی ہے الشیئ الکثیر کثرۃ مفرطۃ یعنی ایسی شے جس میں بہت ہی کثرت پائی جائے اور حد واحاطہ سے باہر ہو جائے۔ نیز اللہ رب العزت نے انا اعطینٰک الکوثر فرمایا ہے اور لفظِ الکوثر صفت ہے اور صفت کا تحقق وتعین بغیر موصوف کے نہیں ہو سکتا لہٰذا اگر کوئی خاص موصوف مراد ہوتا تو لازما اسے ذکر کیا جاتا ہے جب کسی موصوف خاص کو ذکر نہیں کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ہر وصفِ کمال اور خلقِ حسن ہر وہ نعمت جو اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے وہ کوثر ہے۔ نہ نعمتیں کمیت کے لحاظ سے محدود ہیں اور نہ عظمتِ شان اور رفعتِ مقام کے لحاظ سے احاطۂ عقل میں آسکتی ہیں بلکہ موصوف کو حذف فرما کر ان نعیم ظاہرہ وباطنہ، دنیویہ واخرویہ اور روحانیہ وجسمانیہ کے عموم و شمول پر تنبیہ فرما دی اور ساری مخلوق کو بتلا دیا کہ میں نے اپنے محبوب کو ہر نعمت عطا فرمائی ہے اور ان نعمتوں میں سے کسی ایک کا بھی تم احاطہ نہیں کر سکتے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کوثر ہے لہٰذا تم سے کسی کا مرغِ عقل وہاں تک پرواز نہیں کر سکتا اور نہ ہی کسی کے سمندِ خیال کو وہاں تک رسائی ہے۔

شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سلے اوصاف وکمالات متشابہات کا درجہ رکھتے ہیں اور جس طرح متشابہات کی حقیقت کو کوئی نہیں جانتا وما یعلم تاویلہ الا اللہ اسی طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صفت کی حقیقت کو کوئی نہیں جانتا، عبارت ملاحظہ ہو:۔

حقیقت آنست کہ ہیچ فہم و ہیچ قیاس بحقیقتِ مقامِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وکنہ حالِ عظیم وے چنانکہ ہست نرسد و ہیچکس اورا چنانکہ او ہست جز خدا انشاسد چنانکہ خدا را چوں وے ہیچکس نشناخت و ہرکہ دردرکِ حقیقتِ آں تکلم کردہ گویا دعویٔ علمِ متشابہات کرد وما یعلم تاویلہ الا اللہ و چوں مقامِ وے از ہمہ بالا ترست دریافت آں فوقِ افہام باشد ؎

ترا چنانکہ توئی ہر نظر کجا بیند
بقدرِ دانشِ خود ہرکس کند ادراک (مدارج)

نیز یہ سورۂ کریمہ پہلی سورتوں کے لئے بمنزلہ تکملہ وتتمہ ہے۔ سورۂ والضحیٰ سے لے کر سورۂ ماعون تک اللہ رب العزت نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات بیان فرمائے اور ان کی رفعتِ ذکر اور شرحِ صدر کو بیان فرمایا اور آپ کے طفیل امت پر جو انعامات ونوازشات کئے گئے ان کا تذکرہ فرمایا اور آخر میں انا اعطینٰک الکوثر فرمایا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں چند مخصوص اوصاف و کمالات مراد نہیں اور نہ وہ جو کہ پہلے مذکور ہیں ورنہ ضمیر ذکر فرما دی جاتی اور یوں کہا جاتا انا اعطینٰک ایاھا "ہم نے تمہیں یہ نعمتیں عطا کیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا" بلکہ بہت سارے اوصافِ کاملہ اور اخلاقِ عالیہ، انعاماتِ عامہ اور الطافِ تامہ کو ذکر کر کے بعد میں انا اعطینٰک الکوثر فرما کر ان انعامات وکمالات کی تکمیل فرما دی کہ اے محبوب ہم تیرے کون کونسے وصف کو گنوائیں اور کس کس انعام کو ذکر کریں، مختصر یہ کہ کوئی ایسی خوبی وکمال نہیں جو تمہیں عطا نہ کیا ہو اور کوئی ایسا کمال نہیں جو حد ونہایت سے منزہ مبرا نہ ہو سے

شاہِ رسل شفیعِ امم خواجۂ دو کون
نورِ ھُدٰے حبیبِ خدا سیدِ انام
مقصود ذات اوست دگر ہا ہمہ طفیل
منظور نورِ اوست دگر جملگی ظلام
ہر مرتبہ کہ بود در امکاں بر وست ختم
ہر نعمتے کہ داشت خدا شد برو تمام

(اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

ان قرائن کے علاوہ اگر فی الواقع ان تمام فضائل وکمالات اور منازلِ درجات کو دیکھا جائے جن پر اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب ومطلوب صلی اللہ علیہ وسلم کو فائز فرمایا ہے تو اس اعتراف واقرار کے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا کہ اللہ تعالےٰ نے الوہیت و معبودیت کے علاوہ ہر وصفِ کمال اور خلقِ حسن جو بھی کسی مخلوق کے شایانِ شان ہو سکتا ہے علی الوجہ الاتم والاکمل اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا ہے اور تمام مخلوقات میں فرداً فرداً جو کمالات موجود تھے وہ ذاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں یکجا فرما دئے بلکہ ایسے مراتب و درجات پر فائز فرمایا جو اور کسی فرد کے لئے ممکن ہی نہیں ہیں ؎

داستانِ حسن جب پھیلی تو لامحدود تھی
اور جب سمٹی تو تیرا نام ہو کر رہ گئی

؎
صفحۂ دہر پہ صورت گرِ ہستی نے امیر
ان کی تصویر وہ کھینچی کہ قلم ٹوٹ گئے

آنحضور شافع یوم النشور صلے اللہ علیہ وسلم کا جامع جمیع کمالاتِ انبیاء ہونا ہم قدرے بسط سے بیان کر چکے ہیں۔ یہاں چند اکابر کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ ملا علی القاری محقق حنفیہ نے فرمایا وانحصر صلی اللہ علیہ وسلم فی اخلاق الانبیاء لیقتبسوھا منہ وقد افصح بہ البوصیری ؎

وکل اٰیٍ اتی الرسل الکرام بھا
فانما اتصلت من نورہ بھم
وکلھم من رسول اللّٰہ ملتمسٌ
غرفا من البحر او رشفا من الدیم

نبی الرحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اخلاق اور کمالاتِ انبیاء علیہم السلام کو اپنے اندر جمع فرمالیا اور ان کے بحرِ اوصاف میں غوطہ لگا کر ان کے کمالات کو اپنے اندر جمع کرلیا تاکہ وہ اپنا اپنا حصہ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دستِ جود و نوال سے حاصل کرسکیں اور امام شرف الدین بوصیری نے اس منصبِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو بیان کرتے ہوئے فرمایا "جتنے بھی آیات و معجزات اور کرامات و کمالات انبیاء کرام علیہم السلام لیکر دنیا میں تشریف لائے وہ سب نورِ حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ہی انہیں نصیب ہوئے ہیں اور انبیاء و رسل میں سے ہر ایک رسولِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بحرِ کرم میں سے ایک چلو اور بارانِ رحمت کے ایک چھینٹے کا خواہشمند اور خواستگار ہے۔

امام رازی نے اولٰئک الذین ھدی اللّٰہ فبھداھم اقتدہ کے تحت تفسیر کبیر میں فرمایا کہ اللہ کریم نے انبیاء کرام کے اوصاف و کمالات اور ان کی سیرتِ طیبہ کو بیان کرکے اپنے حبیبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرمایا کہ آپ ان تمام کی سیرت اور اخلاق اپنے اندر جمع کرلیں اور ان سب کی خوبیوں کو اپنا لیں اور جو کمالات ان میں متفرق طور پر موجود ہیں وہ اپنے اندر جمع کریں اور یہ ممکن نہیں کہ امام الرسل صلے اللہ علیہ وسلم اس حکم کو پورا نہ کریں اور اس ارشاد کی تعمیل نہ کریں لہذا ثابت ہوا کہ تمام کمالات اور اخلاق جو رسلِ کرام میں فرداً فرداً پائے گئے تھے وہ سارے کے سارے اجتماعی طور پر اس عرش نشین نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں ؎

حسنِ یوسف، دمِ عیسےٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

علامہ اسماعیل حقی روح البیان میں فرماتے ہیں کہ:۔

والمراد منہ الاقتداء بکل منہم فیما اختص بہ من الخلق الکریم (الی) فکانہ امر بجمع جمیع ما کان متفرقا فیہم قال البعض العارفین ؎

لکل نبی فی الانام فضیلۃ
وجملتہا مجموعۃ لمحمد

اس آیتِ کریمہ میں حکم یہ ہے کہ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہر نبی کے مخصوص خلق کریم اور وصفِ عظیم کی اقتداء کر دلیس گو یا کہ آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو کمالات ان میں متفرق طور پر موجود ہیں انہیں اپنے اندر جمع کر لو۔ اور بعض عارفین نے فرمایا کہ جو بھی ہستی اللہ کیطرف سے نبی بن کر مخلوق میں ظاہر ہوئی انہیں ایک خاص فضیلت سے سرفراز فرمایا گیا لیکن وہ ساری فضیلتیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں مجموعی طور پر موجود و متحقق ہیں۔"

علامہ ابنِ حجر علیہ الرحمۃ نے فرمایا:۔

جمع فیہ سائر الکمالات الباطنۃ والظاہرۃ وجعلہ امام الکل المفضل علیہم والممد لہم فی الدنیا والآخرۃ۔

"اللہ تعالٰی نے کمالاتِ ظاہرہ و باطنہ اپنے محبوبِ کریم میں جمع فرما دیے ہیں اور آپ کو سب کا امام اور سب سے افضل بنایا اور سارے پیغمبروں کے لئے دنیا و آخرت میں معاون اور فیض رساں بنایا۔"

عارف تجانی فاسی رحمہ اللہ نے فرمایا:۔

لما خلق اللہ الحقیقۃ المحمدیۃ اودع فیہا سبحانہ وتعالٰی جمیع ما قسمہ لخلقہ من فیوض العلوم والمعارف والاسرار والتجلیات والانوار والحقائق بجمیع احکامہا ومقتضیاتہا ولوازمہا وکل ما ادرکہ جمیع الموجودات من العلوم والمعارف والفیوضات والتجلیات والترقیات

والاحوال والمقامات والاخلاق انما هو کلہ من فیض الحقیقۃ المحمدیۃ۔

"جب اللہ تعالٰے نے حقیقتِ محمدیہ کو پیدا فرمایا تو اس میں وہ تمام علوم و معارف، اسرار و تجلیات اور انوار و حقائق بمع جمیع احکام اور لوازمات و متقضیات جمع فرما دئے جو کسی بھی مخلوق کے لئے متعین و مقرر فرمائے تھے اور تمام موجودات و مخلوقات نے جتنے علوم و معارف اور فیوض و برکات، تجلیات و ترقیات اور احوال و اخلاق اور مقامات و درجات حاصل کئے ہیں وہ سب حقیقتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا فیض ہے ؎

لا و ربِّ العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

عارف باللہ حضرت الشیخ عبدالکریم الجیلی قدس سرہ العزیز نے فرمایا۔

فھو معدن الکمالات للعالم ظاھرھا و باطنھا فمحسوسات العالم تستمد من ظاھرہ و معقولات العالم تستمد من باطنہ فعالم الشھادۃ فیض ظاھرہ و عالم الغیب فیض باطنہ۔

" رسول العالم صلے اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے کمالاتِ ظاہرہ و باطنہ کیلئے معدن ہیں۔ عالم کے محسوسات حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ظاہر سے مستفیض و مستفید ہیں اور معقولاتِ عالم آپ کے باطن سے سرشار و فیضیاب ہو رہے ہیں لہٰذا عالمِ شہادت ان کا فیضِ ظاہر ہے اور عالمِ غیب ان کا فیض باطن ہے۔"

امام عبدالوہاب شعرانی حدیثِ نبوی کنت نبیا و اٰدم بین الروح والجسد کے تحت فرماتے ہیں:۔

فعلم کما قال الشیخ فی الفتوحات ان مستمد جمیع الانبیاء والمرسلین من روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم اذ ھو قطب الاقطاب فھو ممد لجمیع الناس اولا و اٰخرا

فهو ممد كل نبى و ولى سابق على ظهوره حال كونه في الغيب و ممد ايضا لكل ولى لاحق به فيوصله بذلك الامداد الى مرتبة كماله فى حال كونه موجودًا فى عالم الشهادة و فى حال كونه منتقلا الى الغيب الذى هو البرزخ و الدار الأخرة فان انوار رسالته غير منقطعة عن العالم من المتقدمين و المتاخرين۔

اس حدیثِ پاک سے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس وقت نبی تھا جبکہ حضرتِ آدم علیہ السلام کے روح کا تعلق جسم سے نہیں ہوا تھا معلوم ہو گیا جیسا کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے فتوحات میں فرمایا ہے کہ تمام انبیا و مرسلین کا سرچشمۂ فیض روحِ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہے کیونکہ وہی قطب الاقطاب ہیں لہٰذا تمام انسانوں کے مددگار اور فیض رساں ہیں پس وہ ہر پہلے نبی و ولی کے لئے بھی منبعِ فیض و کرم ہیں اور ہر پچھلے ولی کے لئے بھی اور ہر ایک کو اپنی امداد و تعاون سے اس مقام تک پہنچاتے ہیں جو اس کے لائق و مناسب ہے خواہ آپ عالمِ ظاہر و شہادت میں ہوں یا عالمِ غیب یعنے برزخ اور آخرت میں کیونکہ انوارِ رسالت اور فیوضاتِ نبوتِ آنجناب سے ہر ایک فردِ عالم مستفید ہو رہا ہے خواہ متقدمین ہوں یا متاخرین، وہ سحابِ کرم ہر وقت اور ہر جگہ اور ہر ایک پر برابر برس رہا ہے اور ان کے خوانِ کرم سے ہر ایک کو نوالہ ملتا رہا ہے اور ملتا رہے گا۔ امامِ اہلسنت نے فرمایا ؎

آسماں خوان زمیں خوان زمانہ مہمان
صاحبِ خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا

امامِ قسطلانی اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں :۔

ولما اعطى صلى الله عليه وسلم هذه المنزلة علمنا انه صلى الله عليه وسلم الممد لكل انسان كامل مبعوث فهو صلى الله عليه وسلم الجنس العالى على جميع الاجناس

والاب الاکبر لجميع الموجودات والناس (الی) فهو صلی اللہ علیہ وسلم وان تاخرت طينته۔ فقد عرفت قيمته۔ فهو خزانة السر وموضع نفوذ الامر فلا ينفذ امر الا منه ولا ينتقل خير الا عنه۔

"جب آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو عالمِ ارواح میں ہی منصبِ نبوت پر فائز کر دیا گیا جبکہ ابھی ابوالبشر حضرتِ آدم علیہ السلام کا وجود ہی نہیں تھا اور ان کی تخلیق منزلِ تکمیل تک نہیں پہنچی تھی تو اس سے ہم کو یہ یقین ہو گیا کہ حبیبِ خدا محمدِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہی انسانِ کامل اور نبی و رسول کے لئے ممد و معاون ہیں اور تمام اجناسِ عالم کی جنسِ عالی ہیں اور تمام موجودات کے لئے علی العموم اور انسانوں کے لئے علی الخصوص اصل و اساس ہیں (الی) پس وہ محبوب کریم اگرچہ جسمانی لحاظ سے متاخر ہیں لیکن روحانی لحاظ سے ان کا منصب و مرتبہ واضح ہو گیا۔ وہی خزانۂ اسرار و رموز ہیں اور وہی ایسا مقام و محل ہیں جہاں سے اوامر و احکام نافذ ہوتے ہیں گویا امر نازل ہوتا ہے اور حکم نافذ ہوتا ہے وہ انہی سے ہوتا ہے اور جو خیر ہم تک پہنچتی ہے وہ انہی سے ہم تک واصل ہوتی ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی نے فرمایا :۔

انه عليه السلام شيخ الناس كلهم وحكم الخلق بالنسبة اليه كالعبيد والغلمان الذين فى خدمته فهو يحكم بينهم فيما هم فيه يختلفون۔

"تاجدارِ مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم سب لوگوں کے بادشاہ و آقا ہیں اور ساری مخلوق کو ان سے وہی تعلق ہے جو غلاموں اور خدام کو آقا سے ہوتا ہے پس وہی آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں حکم فرمانے والے ہیں اور ان کے اختلافات میں فیصلہ فرمانیوالے ہیں"

اور اسی طرح محدثِ دہلوی نے مدارج النبوت میں فرمایا۔

شیخ اکبر قدس سرہ العزیز نے فصوص الحکم میں ارشاد فرمایا :۔

انه صلی اللہ علیہ وسلم اکمل موجود فی هذا النوع

الانسانی و لهذا بدأ به الامر وختم علیه فکان نبیاً
وآدم بین الماء والطین ثم کان بنشأته العنصریة
خاتم النبیین۔

"رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس نوعِ انسانی میں سب سے اکمل ہے اسی لئے انہیں سے کائناتِ عالم کی علی العموم اور نسلِ انسانی کی علی الخصوص ابتداء کی گئی اور منصبِ خلافت ونیابت اور نبوت ورسالت وتنفیذِ احکام اور اجرائے فرمان کی انہی سے ابتداء کی گئی اور انہی پر اختتام وانتہاء، لہذا روحانی لحاظ سے آپ اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام کا ڈھانچہ بھی تیار نہیں ہوا تھا اور جسم ہنوز آب وگل کی شکل میں تھا اور جب جسمانی لحاظ سے عالم آراء ہوئے تو آپ کو منصبِ خاتم النبیین عطا کیا گیا اور بابِ نبوت کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا۔"

ان تمام تصریحات سے روزِ روشن کیطرح واضح ہو گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر خیر وخوبی کو جامع ہیں بلکہ مخلوقات میں جہاں کہیں بھی کوئی کمال اور وصفِ حسن متحقق ہے وہ محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہے۔ آخر میں یہی حقیقت ایک عارفِ کامل کی زبانی تفصیل سے سن لیجئے:۔

حضرت شیخ عبد الکریم الجیلی قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک وہ واسطہ ووسیلہ ہے جس کے طفیل اللہ تعالیٰ نے موجودات کو خلعتِ وجود اور دوسرے انعامات سے سرفراز فرمایا اور وما ارسلنٰک الا رحمة للعالمین میں اسی رحمتِ عام اور لطفِ تام کیطرف اشارہ ہے اور رحمتِ عام اور کرمِ تام کے عموم وشمول کیطرف رحمتی وسعت کل شیئ سے اشارہ فرمایا۔

یعنی ان محمداً هو الواسع لکل ما یطلق علیه اسم
الشیئیة من الامور الحقیة والامور الخلقیة و الرحمة
العامة هی حقیقة محمد صلی اللّٰه علیه وسلم و بها
رحم اللّٰه حقائق الاشیاء کلها فظهر کل شیئ فی

مرتبتہ من الوجود و بہا استعدت قوابل الموجودات لقوابل الفیض فلذلک اول ما خلق اللہ روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم لیرحم بہ الموجودات الکونیۃ ویدل علی ما اوردناہ قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کنت نبیا وآدم بین الماء والطین واذا کان آدم معہ بہذہ المثابۃ فما قولک فی ذریتہ اذ ذالک من باب الاولی الخ۔

(یعنی محمدِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہی وہ ذات ہیں جو ہر اس ذات کو محیط ہیں جو بھی شئے کہلانے کی مستحق ہے خواہ وہ امورِ حقیقیہ سے تعلق رکھنے والی ہو یا امورِ خلق سے اور رحمتِ عامہ جو ہر شئے کو واسع و محیط ہے وہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اور مرتبۂ روحانیت ہے اور انہی کی بدولت اللہ تعالےٰ نے تمام حقائقِ اشیاء پر رحم فرمایا اور ہر شئے اپنے مرتبۂ وجود میں ظہور پذیر ہوئی اور انہی کے توسل سے موجودات میں قبولِ فیض کی استعداد پیدا ہوئی۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے سب سے پہلے روحِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا تاکہ ان کے طفیل موجوداتِ عالم پر رحم فرمائے اور نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام کا جسمِ عنصری ابھی زیرِ تکمیل تھا، اس دعوے کی واضح دلیل ہے کہ آنحضور اللہ تعالےٰ اور حضرتِ آدم علیہ السلام کے درمیان واسطہ و وسیلہ ہیں اور جب حضرتِ آدم علیہ السلام کا وجود خلافت و نبوت اور تمام کمالات ان کے طفیل ہیں تو تمام اولادِ آدم کا وجود اور جملہ کمالات بطریقِ اولیٰ حبیبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہونگے اسی لئے اللہ تعالےٰ نے تمام انبیاء و رسل سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ اپنے محسن اور فیض رساں کو جب بھی پائیں تو ان کے حقِ نعمت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان پر ایمان لائیں ...

إذ أخذ الله ميثاق النبيين لما آتيتكم من كتاب وحكمة ثم جاءكم رسول مصدق لما معكم لتؤمنن به ولتنصرنه الآية

اور جب یہ واضح ہو گیا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کرام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ و وسیلہ ہیں تو یہ بھی بطریق اولیٰ ثابت ہو جائے گا کہ آپ ملائکہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بھی واسطہ و وسیلہ ہیں کیونکہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ خواص بنی آدم یعنی انبیاء و رسل خواص ملائکہ یعنی حضرت جبرائیل، عزرائیل، میکائیل، اسرافیل اور حاملینِ عرش سے افضل ہیں۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خواصِ بشر اور خواصِ ملائکہ کے لئے بھی واسطۂ فیض اور وسیلۂ جود و عطا ہیں تو عوام بشر اور عوام ملائکہ کے لئے مبدأ فیض ہونا بطریقِ اولیٰ ثابت ہو جائے گا بلکہ تمام موجودات و مخلوقات کے لئے ان کا فیض رساں ہونا بطریقِ اولیٰ ثابت ہو جائے گا

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین و رحمتی وسعت کل شیء۔

عارفِ کامل کی اس مفصل و مدلل تقریر اور سابقہ تصریحات سے بخوبی واضح ہو گیا کہ اللہ کے تمام فیوضات و انعامات اور جود و عطیات اس محبوبِ کریم رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کے دستِ کرم سے ہی مخلوقات کو عطا ہوئے ہیں۔ اصل خزانہ ان تمام محاسن و کمالات کا رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور دنیا میں سے ہر ایک بقدر استعداد اور ظرف ان نعمِ ربانیہ کو حاصل کر رہا ہے واللہ یعطی وانا قاسم۔ نبوت و رسالت ہو یا قطبیت و ولایت، امامت و سیادت ہو یا حکومت و بادشاہت، علم و حکمت ہو یا زہد و عبادت، مقامِ سلوک و ریاضت ہو یا مرتبۂ جذب و محبت سب انہی کے جود و کرم سے ملیں اور انہی کی بخشش و عطا ہیں۔ قوتِ ظاہر و باطن اور غذائے روحانی و جسمانی انہی کے قبضۂ اختیار میں ہے، غذائے جسمانی کے طالب بھی ان کے خوانِ فیض سے ریزہ چین اور غذائے روحانی کے خواہشمند بھی انہی کے محتاج و دست نگر، عاشقِ صادق مجددِ مائۃ حاضرہ فاضل بریلوی نے فرمایا ؎

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیئے دینے والا ہے سچا ہمارا نبی

نکتہ چونکہ ابتدائے آفرینش میں وہی سببِ تخلیق وایجاد ہیں اسی لئے انتہاء میں بھی وہی واسطہ ووسیلہ ہوں گے اور جس طرح روحانی وجسمانی لحاظ سے آپ عالمِ ارواح واجساد کے لئے اس دنیا میں مبدءِ فیاض ہیں اسی طرح دارِ آخرت میں بھی واسطۂ فیض اور وسیلۂ رحمت ہوں گے اسی لئے جب تک آپ بابِ شفاعت نہیں کھولیں گے کوئی نبی ورسول اور ملک مقرب بارگاہِ خداوندی میں لب کشائی نہیں کر سکے گا اور جب تک آپ مقامِ محمود پر جلوہ گر نہیں ہوں گے حساب وکتاب نہیں ہوگا اور جب تک آنحضور جنت کا دروازہ نہیں کھلوائیں گے کوئی اس میں داخل نہیں ہو سکے گا بلکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جود ونوال اور بخشش وعطاء جو اس دنیا میں عوام کی نظروں سے اوجھل ہے وہاں اسے ظاہر کیا جائے گا اور تمام انبیاءِ کرام اور رسلِ عظام ان کے لواء الحمد کے نیچے ہوں گے اور ان کی اقتداء میں ہوں گے جیسا کہ بیت المقدس میں انہوں نے محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کی اقتداء کر کے حقِ نعمت ادا کیا اور عہدِ خداوندی کو پورا کیا۔

نکتہ جب تک محبوبِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ ہوئے اور انہیں تمام محاسن وکمالات اور فضائل ودرجات کا معدن ومخزن نہ بنا دیا گیا کوئی شے پیدا نہ کی گئی اور نہ ہی کسی کمال وخوبی سے متصف ہوئی تو معلوم ہوا کہ جس طرح کائنات کا وجود ان کے وجود سے ہے اسی طرح کائنات کی بقاء بھی ان کی بقاء سے ہے ؎

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

روح البیان میں ہے :-

قال حضرۃ الشیخ الشھیر باوفتادہ جمیع الانتظام بوجودہ الشریف فانہ مظھر الذات وطلسم العوالم حتی قیل فی

علیہ السلام قد عرج الی السماء بجسدہ الشریف انہ بقی
جسمہ الطاھر ھھنا لاصلاح عالم الاجساد وانتظامہ

"حضرتِ شیخ اوفنادہ فرماتے ہیں کہ تمام کائناتِ عالم کا نظم وضبط وجودِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کیونکہ وہی ذات مظہرِ انوارِ خداوندی ہے اور تمام جہانوں کی حقیقت و روح ہے حتیٰ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جسمِ پاک کے بعد از وصال زمین پر رہنے کی یہی وجہ بیان کی گئی ہے کہ آنحضور کا جسمِ پاک یہاں اس لئے باقی رکھا گیا تاکہ عالمِ اجساد واجسام اس کی بدولت اصلاحِ حاصل کر سکے اور نظم وضبط برقرار رکھ سکے حالانکہ اگر عیسےٰ علیہ السلام کا جسمِ پاک بحالتِ حیات عالم بالا میں لیجایا جا سکتا ہے تو رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا بطریقِ اولیٰ، سیدی عارف باللہ بنِ فارض نے فرمایا ہے

وروحی للارواح روح وکلما
تری فی الکون من فیض طینتی

"میری روح تمام ارواح کا اصل ہے اور کائنات میں جو کچھ بھی نظر آرہا ہے وہ سب میرے فیضِ حقیقت سے ہے۔"

علامہ نابلسی نے اس کی شرح میں فرمایا :-

کما ان الارواح کلھا من روحہ فکذلک جمیع الاجساد من جسدہ الشریف فروحہ اصل الارواح وجسدہ اصل الاجساد والدلیل علیہ قولہ علیہ السلام کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد وقولہ علیہ السلام کنت نبیا وآدم بین الماء والطین وحدیث النور اول ما خلق اللہ نوری ثم خلق آدم فالقی ذلک النور فی صلبہ فلم یزل ینقلنی من الاصلاب الطاھرۃ الی الارحام الطاھرۃ حتی اخرجنی من بین ابوی وذلک النور کان مادۃ روحہ وجسدہ ، فتقلب فی الاصلاب الطیبۃ والارحام الطاھرۃ حتی ظھر

فی عالم الدنیا فنرج لہ سقف البیت وتزاءت النجوم
واشرقت الارض بنور الحی القیوم فھو صلی اللہ علیہ
وسلم ابو الارواح وابو الاجسام۔

"مصرع اول میں اصالتِ روح کا بیان ہے اور مصرع ثانی میں جسدِ پاک کی اصالت کا جس طرح روحِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم تمام ارواح کے لئے اصل و اساس ہے اسی طرح جسمِ پاک تمام اجسام و اجساد کا اصل ہے اور اس اصالت کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں فرمایا میں اس وقت نبی تھا جب آدم علیہ السلام کا جسم مکمل نہیں ہوا تھا اور نہ ہی روح کا جسم سے تعلق ہوا تھا اور اسی طرح وہ حدیثِ نور اس دعویٰ کی دلیل ہے جس میں فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالےٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا اور پھر حضرتِ آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور اس نور کو ان کی پشت میں ودیعت فرمایا پھر ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کیطرف مجھے منتقل کرتا رہا حتے کہ میرے ماں باپ سے مجھے ظاہر فرمایا، وہی نور جو سب سے اول پیدا ہوا وہ آنحضور کے روح و جسم کا مادہ ہے جو پاک پشتوں اور پاکیزہ رحموں میں منتقل ہوتا رہا حتے کہ عالمِ دنیا میں اس کا ظہور ہوا، ان کی بدولت مکان کی چھت کھل گئی اور حجاب نہ بن سکی اور ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے ہوئے معلوم ہونے لگے اور تمام زمین اس نورِ حی و قیوم سے روشن ہو گئی، وہی ذاتِ اقدس اصلِ ارواح بھی ہے اور اصلِ اجسام بھی صلی اللہ علیہ وسلم"۔

جب یہ سارے خزانے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس میں ہیں اور آپ ہی نے باذنِ خداوندی انہیں مستحقین میں تقسیم فرمایا ہے اور ہر ایک کو ان کی صلاحیت و استعداد کے مطابق عطا فرمایا ہے تو ثابت ہو گیا کہ الکوثر سے مراد یہی خزائن ہیں اور یہی خیرِ کثیر ہے جو اللہ تعالےٰ نے براہِ راست بلا توسطِ غیرے انہیں مرحمت فرمائے ہیں، الغرض قرائن و شواہد، نقل و عقل اور واقعہ و حقیقت سب اسی پر دلالت کرتے ہیں کہ الکوثر ھو الخیر الکثیر کلہ۔

سوال:- الکوثر کا معنے الخیر الکثیر لنا [illegible]

اور حدیثِ پاک میں یہی وارد ہے کہ آنحضور سرکارِ مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا ما الکوثر؟ قال نھر فی الجنۃ وعدنیہ ربی " الکوثر کیا ہے تو آپ نے فرمایا وہ ایک جنتی نہر ہے جس کا اللہ تعالٰے نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے " لہٰذا وہی تفسیر راجح اور صحیح ہے جو کہ صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے ۔

جواب :۔ ہم نے بہت سے شواہد و قرائن سے یہ واضح کر دیا ہے کہ الکوثر سے خیرِ کثیر والا معنٰے مراد لینا صحیح ہے ۔ حبرِ امت حضرتِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی معنٰے منقول ہے ۔ لغوی معنٰے سورۂ کریمہ کا سیاق و سباق بھی اس کے مؤید ہیں اور فی الواقع بھی سب خیرات و برکات ، تمام فضائل و فواضل اور خصائص و محاسن سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع ہیں لہٰذا واقع و نفس الامر بھی اسی تفسیر کا مؤید ہے اس لئے اس تفسیر کی صحت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔

نیز حضرتِ سعید بن جبیر نے جب حضرتِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر نقل فرمائی تو خود ان پر یہی سوال کیا گیا کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ بھی اس خیرِ کثیر کا ایک فرد ہے جو اللہ تعالٰے نے اپنے محبوب و مطلوب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے ۔ اور صاحبِ روح المعانی نے فرمایا کہ خود حضرتِ عبداللہ بن عباس پر یہ اعتراض کیا گیا تو آپ نے بھی یہی جواب دیا کہ نہرِ کوثر اس خیرِ کثیر کا ایک فرد ہے اور حصہ ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ حدیثِ پاک کا یہ معنٰی نہیں ہے کہ انا اعطینٰک الکوثر میں صرف ایک نہر کی عطا مراد ہے بلکہ وہ نہر بھی اس کوثر میں داخل ہے اور خیرِ کثیر کا ایک فرد ہے ۔

نیز حضرتِ عبداللہ رضی اللہ عنہ جیسی ہستی سے حدیثِ پاک کے خلاف محض اپنی رائے سے قرآنِ پاک کی تفسیر کرنے کی کیسے توقع کی جا سکتی ہے جبکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر بالرأی سے منع فرمایا ہے اور بالفرض اگر آپ نے قواعد و ضوابط اور لغتِ عربی کے پیشِ نظر یہ معنٰے بطورِ تاویل بیان فرمایا ہو تو بھی یہ تاویل قابلِ سند و اعتماد ہے کیونکہ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ اللھم فقھہ فی

الدین وعلمہ التاویل" اے اللہ انہیں دین میں اعلیٰ بصیرت عطا فرما اور انہیں قرآنِ پاک کے معانی کا علم عطا فرما" اور حبیبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا مقبول و مستجاب ہے اور جو کچھ حضرتِ ابنِ عباس سے مروی و منقول ہے وہ منشاء الٰہی کے مطابق ہے لہٰذا جس روایت میں الکوثر بمعنے نہر منقول ہے وہ بطور حصر کے نہیں بلکہ ایک فردِ کوثر کو بطور مثال کے ذکر فرمایا گیا ہے اور اس نہر کی عظمت کو ظاہر فرمایا گیا ہے ورنہ درحقیقت کوثر کے معنے میں وہ وسعت ہے کہ عقلِ عقلاء اس کے احاطہ سے قاصر ہے فاضلِ بریلوی نے فرمایا ؎

جس کی دو دو بوند ہیں کوثر و سلسبیل
ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبی

تنبیہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات صرف انہی کمالات میں منحصر نہیں جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں متفرق طور پر پائے گئے بلکہ یہ تمام محاسن و فضائل بھی اس کیفیت و کمیت میں محصور و مقید نہیں جس کیفیت و کمیت کے ساتھ دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں متحقق ہیں بلکہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مشترک فضائل و کمالات میں بھی صرف نام کی شرکت ہے ورنہ حقیقت کے لحاظ سے ان میں کوئی شئے مشترک نہیں ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور اللہ تعالےٰ نے ان کے علاوہ غیر محدود اور لا محدود خصائص اور امتیازی خصوصیات سے نوازا جو مخلوق سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئے اور نہ ہوں گے۔

ابنِ عساکر حضرتِ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا :-

ان اللہ اعطے موسیٰ الکلام واعطانی الرؤیۃ وفضلنی بالمقام المحمود والحوض المورود۔

تحقیق [illegible] ذات

دکھلایا اور مجھے مقامِ محمود اور حوضِ کوثر، جس پر روزِ قیامت سارے پیاسے میرے دستِ جود وکرم سے شرابِ طہور پینے کے لئے جمع ہوں گے، کیسا تھ فضیلت بخشی۔"

حضرتِ وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوبِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا جو بھی چاہو مانگو میں تمہیں عطا کردوں گا. تو حبیبِ خدا فرماتے ہیں نے عرض کیا میں کیا طلب کردں؟ تونے حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا، حضرتِ موسےٰ علیہ السلام کو اپنا کلیم بنایا، حضرتِ نوح علیہ السلام کو مرتبۂ اصطفاء عطا فرمایا اور حضرتِ سلیمان علیہ السلام کو ایسا عظیم ملک عطا فرمایا جو ان کے بعد کسی کے شایانِ شان نہیں تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا:-

اعطیتك خیرا من ذلك اعطیتك الكوثر وجعلت اسمك مع اسمی ینادی به فی جو السماء وقد غفرت لك ذنوبك فانت تمشی فی الناس مغفورا لك (الی) خبأت لك شفاعتك ولم اخبأها لغیرك۔

"جو کچھ میں نے تمہیں عطا کیا ہے وہ سب سے بہتر ہے. میں نے تمہیں "کوثر" عطا کی ہے اور تمہارے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا دیا ہے جس کو آسمان کی وسیع فضاؤں میں پکارا اور بلند کیا جاتا ہے اور تمہاری مغفرت کا اعلان اس دنیا میں کر دیا ہے پس آپ لوگوں میں چل پھر رہے ہیں اور ہر ایک کی زبان پر آپ کی مغفرت و بخشش کا مژدہ ہے اور تمہارے لئے منصبِ شفاعتِ عظمےٰ اور مقامِ محمود کو مخصوص کر دیا ہے اور یہ حقِ شفاعت کسی اور کو عطا نہیں کیا۔"

ابنِ عساکر حضرتِ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ اللہ تعالےٰ نے موسےٰ علیہ السلام کو شرفِ ہمکلامی بخشا اور حضرتِ عیسےٰ علیہ السلام کو روح القدس سے پیدا فرمایا اور حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کو منصبِ خلت سے سرفراز فرمایا، حضرتِ آدم

علیہ السلام کو صفی اور خلیفہ بنایا، آپ کو کونسی فضیلت عطا فرمائی۔

حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ان کنت اتخذت ابراھیم خلیلا فقد اتخذتک حبیبا وان کنت کلمت موسیٰ فی الارض فقد کلمتک فی السماء وان کنت خلقت عیسیٰ من روح القدس فقد خلقت اسمک قبل ان اخلق الخلق بالفی سنۃ ولقد وطأت فی السماء موضعا لم یطأہ احد قبلک ولا یطأہ احد بعدک وان کنت اصطفیت آدم فقد ختمت بک الانبیاء وما خلقت خلقا اکرم علی منک ولقد اعطیتک الحوض والشفاعۃ (الیٰ) حتی ظل عرشی فی القیامۃ علیک ممدود وتاج الحمد علی راسک معقود وقرنت اسمک مع اسمی فلا اذکر فی موضع حتی تذکر معی ولقد خلقت الدنیا واھلھا لاعرفھم کرامتک ومنزلتک عندی ولولاک ما خلقت الدنیا۔

" اگر میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا ہے تو تمہیں اپنا حبیب بنایا ہے اگر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ زمین پر کلام کی ہے تو تمہارے ساتھ عرش کی بلندیوں پر کلام کی ہے اور اگر عیسیٰ علیہ السلام کو روحِ قدس سے پیدا فرمایا ہے تو تمہاری ذات کو مخلوق کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے پیدا فرمایا ہے اور تم نے آسمان کی بلندیوں میں وہاں قدم رکھا ہے جہاں نہ آپ سے پہلے کوئی پہنچا اور نہ ہی آپ کے بعد کوئی وہاں تک پہنچ سکے گا، اگر حضرتِ آدم علیہ السلام کو منصبِ اصطفاء و خلافت بخشا ہے تو آپ پر سلسلہ نبوت کا اختتام فرمایا ہے اور میں نے تم سے زیادہ عزت و کرامت والی کوئی ذات پیدا نہیں کی اور میں نے آپ کو حوضِ کوثر اور منصبِ شفاعت

کبرے عطا کیا (الی) حتے کہ میرے عرش کا سایہ عرصہ محشر میں آپ پر پھیلا ہوا ہو گا اور تحقیق میں نے دنیا اور اہلِ دنیا کو اس لیئے پیدا فرمایا ہے تاکہ انہیں تیری منزلت و مرتبت جتلاؤں اور مقامِ محبوبیت دکھلاؤں اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا ہی نہ کرتا۔

حضرتِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یارانِ مصطفٰے اور غلامانِ حبیبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم مل کر بیٹھے ہوئے تھے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے مراتب و کمالات کا تذکرہ کر رہے تھے ایک نے کہا اللہ تعالےٰ نے حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا اللہ تعالےٰ نے حضرتِ موسےٰ علیہ السلام کو اپنا کلیم بنایا۔ تیسرے نے کہا کہ حضرتِ عیسےٰ علیہ السلام کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ بنایا، چوتھے بولے حضرتِ آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں۔ اتنے میں آفتابِ رسالت، ماہتابِ نبوت جلوہ فرما ہوئے اور فرمایا :-

قد سمعت کلامکم و عجبکم ان ابراھیم خلیل اللہ وھو کذلک وموسیٰ کلیم اللہ وھو کذلک وعیسیٰ روحہ وکلمتہ وھو کذلک و ادم اصطفاہ اللہ وھو کذلک الا و انا حبیب اللہ الحدیث (مشکوٰۃ شریف بروایۃ الترمذی والدارمی)

" میں نے تمہاری کلام کو سنا اور تمہارے تعجب اور خوشی کا مشاہدہ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالےٰ کے دوست اور خلیل ہیں اور یہ بات فی الواقع ایسی ہی ہے اور یہ کہ موسےٰ علیہ السلام اللہ تعالےٰ سے ہمکلام ہونے والے ہیں، بے شک ان کا یہی مقام ہے۔ حضرتِ عیسےٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں یہ بھی صحیح ہے حضرتِ آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں یہ بھی ٹھیک ہے ذرا غور سے سن لو اور میرا منصب و مرتبہ میری زبانی سنو الا وانا حبیب اللہ ولا فخر " میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور میں بطورِ فخر اس منصب کو بیان نہیں کر رہا بلکہ اللہ تعالےٰ کے فضل و احسان اور لطف و انعام کا شکر ادا کرنے کے لیئے اور بیانِ واقعہ و حقیقت کے لیئے

تاکہ میرے منصبِ حقیقی کو جان لو اور میری شان میں تم سے کوئی تقصیر و تفریط سرزد نہ ہو جائے اور اللہ رب العزت کی ناراضگی اور عقاب و عتاب کے مستحق نہ بن جاؤ "

نکتہ سیدِ عالم فخرِ بنی آدم و آدم صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کرام کے مناصب و مراتب ذکر کرنے کے بعد مقامِ اختصاص و اولیت و افضلیت میں وصفِ محبوبیت کو ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وصف سب اوصاف سے بالاتر ہے۔ سب محاسن و کمالات اور فضائل و درجات پر فائق ہے اور جو قرب و منزلت حبیب کو حاصل ہوتی ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوتی اسی لئے آدم صفی اللہ علیہ السلام انہی کے نام کو وسیلہ بناتے ہیں اور انہی کے توسل سے اپنی لغزش کی بخشش چاہتے ہیں اللھم اغفر لی بحق محمد اور اللہ تعالےٰ کے فضل و انعام اور بخشش و مغفرت سے سرفراز ہوتے ہیں، حضرتِ روح اللہ و کلمۃ اللہ انہی کے دین کی خدمت کریں گے اور امت کے ایک فرد کی حیثیت سے دینِ اسلام کی تبلیغ فرمائیں گے، حضرت موسےٰ علیہ السلام پردہ کے پیچھے سے کلام سنتے ہیں اور براہِ راست احکام حاصل کرتے ہیں مگر جب بے حجاب دیکھنے کی تمنا کرتے ہیں اور شوقِ دیدار کا اظہار کرتے ہیں تو جواب دیا جاتا ہے لن ترانی "تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا" اور حبیب گھر میں محوِ خواب ہے اور بسترِ ناز پر دراز ہے تو اپنی طرف سے سواری کے لئے براق، لگام تھامنے کے لئے جبرئیل اور رکاب پکڑنے کے لئے میکائیل کو بھیجا جاتا ہے اور سرِ عرش بلا کر شرفِ کلام بخشا جاتا ہے اور جلوۂ ذات بھی بے حجاب و بے نقاب دکھایا جاتا ہے ؎

تبارک اللہ شان تیری، تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے

حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ بھی اور بہت ہی برگزیدہ ہستی ہیں۔ تمام امم اور ملل و مذاہب میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں لیکن مقامِ حبیب ... [illegible]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دیگر محدثین واصحابِ سیر نے خلت ومحبت میں فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

۱۔ خلیل وہ ہے جس کی دوستی فقر وحاجت کیوجہ سے ہو اور حبیب وہ ہے جس کی دوستی غرض ومنفعت سے منزہ ہو۔

۲۔ خلیل وہ ہے جو اللہ تعالےٰ تک مخلوقات کی وساطت سے اور ان میں غور و فکر کر کے اللہ تعالےٰ کی ذات تک رسائی حاصل کرے اور مخلوق کے آئینہ میں جلوۂ خالق کا مشاہدہ کرے اور منزلِ سلوک سے مصعدِ وصول تک پہنچے کما قال اللہ تعالیٰ وکذ لک نری ابراھیم ملکوت السمٰوات والارض ولیکون من الموقنین اور حبیب وہ ہے جو پہلے خالق تک واصل ہو اور اس کے جلوۂ ذات کا مشاہدہ کرے اور مقامِ وصول پر فائز ہو اور بعد میں مخلوقات کیطرف توجہ اور التفات فرمائے دنیٰ فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔

۳۔ خلیل وہ ہے جو اپنی مغفرت کے لئے اللہ تعالےٰ سے آرزو مند ہو اور امیدوار ہو والذی اطمع ان یغفر لی خطیئتی یوم الدین، حبیب وہ ہے جن کو مغفرت وبخشش کی بشارت یہیں دے دی گئی ہے لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر۔

۴۔ خلیل وہ ہے کہ قیامت کے دن کی سختی وہولناکی سے پناہ مانگے اور ذلت ورسوائی اور شانِ بے نیازی ولاابالی کا نشانہ بننے سے پناہ مانگے اور حبیب وہ ہے کہ اسی دنیا میں انہیں اور ان کے غلاموں کو عزت وکرامت کی بشارت دے دی گئی ہے خلیل عرض کرتے ہیں ولا تخزنی یوم یبعثون اور حبیب کے لئے ارشاد فرمایا یوم لا یخزی اللہ النبی والذین اٰمنوا معہ۔

۵۔ خلیل وہ ہے کہ محن وتکالیف اور ابتلاء وآزمائش کی گھڑیوں میں رب کریم کے سہارے اور اعانت وکفایت کی آرزو کرتے ہیں حسبی اللہ، اور حبیب وہ ہے کہ جسے خود اللہ رب العزت بشارت دے حسبک اللہ "تمہیں تمہارا رب کافی ہے"

۶۔ خلیل وہ ہے جو اپنا ذکرِ خیر باقی رکھنے کی اللہ تعالٰے سے التجا کرتے ہیں واجعل لی لسان صدق فی الاٰخرین اور حبیب کو بغیر التجا و سوال مژدہ سنایا جاتا ہے ورفعنا لک ذکرک۔

۷۔ خلیل وہ ہے جو اپنے اور اپنی اولاد کے لئے شرک اور عبادتِ اصنام سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے ہیں واجنبنی و بنی ان نعبد الاصنام اور حبیب کے طفیل اہلِ بیت اور عترت و عشیرت کو ہر قسم کی نجاست و پلیدی سے منزہ و مصفٰے رکھنے کا وعدہ فرمایا انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرًا۔

۸۔ خلیل وہ ہے جس نے رضائے الٰہی کی خاطر اپنے آپ کو آگ کے حوالے کر دیا اور اکلوتے بیٹے کے گلے پر چھری چلادی اور صرف رضائے رب تعالٰے کو مقدم رکھا اور اس کے حصول کے درپے رہے لیکن حبیب وہ ہے کہ اللہ رب العزت ان کی رضا چاہتا ہے ولسوف یعطیک ربک فترضٰی "تمہیں تمہارا رب اتنا عطا کرے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے اور حدیثِ قدسی میں ہے کلھم یطلبون رضائی وانا اطلب رضاک یا محمد "ساری مخلوق میری رضا چاہتی ہے اور میں تیری رضا چاہتا ہوں"

۹۔ خلیل وہ ہے جس کا منصبِ خلت ان کی ذات میں مقصور و منحصر ہے اور حبیب وہ ہے کہ ان کے انوارِ محبوبیت امت میں بھی جلوہ گر ہیں وہ بھی منصبِ محبوبیت پر فائز ہیں قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ "آپ فرمادیں اگر اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا طوقِ غلامی اپنے گلے میں ڈال لو اور میرے نشانِ کفِ پا کو اپنا راہنما بنالو اللہ تعالٰے تمہیں اپنا محبوب بنالے گا۔"

۱۰۔ خلیل وہ ہے کہ عرشِ علی سے تحت الثریٰ تک پوری کائنات کا مشاہدہ کرے اور مخلوق کے پردہ میں جلوۂ خداوندی کا مشاہدہ کرے جیسا کہ امام رازی نے فرمایا۔

ان اللہ قوی بصرہ حتی شاھد جمیع الملکوت من الاعلٰی والاسفل۔

اور حبیب وہ ہے جو بلا حجاب و نقاب جلوۂ ذات کا دیدار کرے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں:-

فائدة المحبة وسرها کشف الحجب عن قلبه حتی یراہ بقلبه وینظر الیه ببصرہ فیکون کما قال سبحانه وتعالیٰ فی الحدیث القدسی فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصرہ الذی یبصر به الحدیث۔

"محبت کا ثمرہ و نتیجہ اور فائدہ و غایت یہ ہے کہ دل پر سے حجاب و نقاب اٹھ جائے حتےٰ کہ محبوب اپنے رب تعالےٰ کو اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھے اور اپنی آنکھوں سے اس کی زیارت کرے جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے کہ جب میں اپنے بندے کو محبوب بنا لیتا ہوں تو اس کے میں کان ہوتا ہوں جس سے سنتا ہوں اور میں اس کی آنکھ ہوتا ہوں جس سے دیکھتا ہے۔"

۱۱۔ خلیل وہ ہے کہ حضرتِ عزرائیل قبضِ روح کے لئے حاضر ہوتے ہیں تو فرماتے ہیں ھل رأیت خلیلا یمیت خلیله "کیا تو نے کبھی ایسا خلیل بھی دیکھا ہے جو اپنے خلیل اور دوست کو فوت کرے؟" تو اللہ تعالےٰ کیطرف سے ارشاد ہوا ھل رأیت خلیلا یکرہ لقاء خلیله "کیا تو نے کوئی ایسا خلیل بھی دیکھا ہے جو اپنے خلیل و حبیب کی ملاقات کو ناپسند کرے؟" تب انہوں نے قبضِ روح کی اجازت دی اور وصال کے لئے آمادہ ہوگئے۔ مگر حبیب وہ ہے کہ قیامت تک اپنے غلاموں میں رہنے کا اختیار دیدیا گیا ہے اور حیات و ممات کو انہی کے اختیار میں دے دیا گیا ہے اور قیامت تک زندہ رہنا چاہیں تو زندہ رہ سکتے ہیں مگر محض شوقِ لقاء و وصال میں وفات و ممات کو اختیار فرماتے ہیں اللّٰھم بالرفیق الاعلےٰ (مشکوٰۃ)

الغرض مرتبۂ محبوبیت اور منصبِ حبیبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سب انبیاء سے بلند و بالا ہے بلکہ ہر وصفِ کمال و خُلقِ حسن اس میں مندرج ہے مسندِ عرش پر جلوہ گری ہو یا دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ والی

خلوت گاہ میں حاضری، مقامِ محمود پر سرفرازی ہو یا لواء الحمد والی سربلندی، منصبِ شفاعت کبریٰ ہو یا مرتبۂ وزارتِ عظمیٰ، سب اسی محبوبیت کا عکس و پرتو ہیں اور اسی محبوبیت کے آثار و برکات اور سب خزائن و دفائن پر قبضہ و تصرفات اور مراتب و کمالات اور محاسنِ اخلاق، نبوت و رسالت، قطبیت و ولایت وغیرہ کی عطا و بخشش اور سب انعامات و اکرامات کی تقسیم اور داد و دہش پر قبضہ و اقتدار اسی شانِ محبوبیت کا فیض ہے فصلی اللہ علیٰ حبیبہ و محبوبہ قدر جاھہ و جلالہ و بس ہ و نوالہ و حسنہ و جمالہ و علیٰ آلہ واصحابہ۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

الغرض اللہ رب العزت نے اپنے محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وہ وصف و کمال عطا فرمایا ہے جو مخلوق کے لئے ممکن ہے اور منصبِ الوہیت کے علاوہ ہر مرتبہ سے انہیں سرفراز فرمایا ہے ؎

ہر مرتبہ کہ بود در امکاں بروست ختم
ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بروتمام

اسی لئے ان اوصاف کی گنتی و شمار اور ان کمالات کی تعداد و حساب بیان کرنے کی بجائے فرمایا انا اعطینٰک الکوثر "ہم نے آپ کو خیرِ کثیر عطا فرمایا" جو اپنی کثرت و لامحدودیت کی وجہ سے مخلوق کے وہم و خیال میں بھی نہیں آسکتا اور مخلوق کے عقول و افہام اس کے احاطہ سے عاجز و قاصر ہیں۔

سبحان اللہ! دنیا کی نعمتیں اتنی کثیر ہیں کہ گنتی میں نہیں آسکتیں وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا، اور باوجود اس کے فرمایا متاع الدنیا قلیل "دنیا کا مال و اسباب اور نعمتیں قلیل ہیں" اور محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا کئے جانیوالے درجات و کمالات کو کثیر نہیں فرمایا بلکہ کوثر فرمایا جو کہ مبالغہ کا صیغہ ہے اور ... [illegible]

قلیل مخلوق کے حد وحساب سے باہر ہے تو کثیر بلکہ کو نثر کو ان کی عقلِ ناتمام اور فہمِ ناقص کیسے محیط ہو سکتی ہے۔ اسی لیئے امام بوصیری قدس سرہ نے فرمایا ؎

ان من معجزاتك العجز عن
وصفك اذ لا یحده الاحصاء
وکیف یستوعب الکلام سجایاك
هل تنزح البحار الدلاء

"یا رسول اللہ! آپ کے معجزات میں سے یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ مخلوق تمہارے وصفِ حسن اور بیانِ کمال سے عاجز ہے اور کوئی انسانی کلام وزبان کیسے تیرے اوصاف وکمالات کا احاطہ کر سکتی ہے؟ کیا کبھی ڈول ناپیدا کنار سمندروں کو خالی کر سکتے ہیں!"

اور اپنے مشہور قصیدہ میں فرماتے ہیں ؎

دع ما ادعته النصاری فی نبیهم!
واحکم بما شئت من شرف ومن عظم
فان فضل رسول الله لیس له
حد فیعرب عنه ناطق بفم

"اسے چھوڑ دو جو یہود ونصاریٰ نے اپنے نبیوں کے حق میں کہا یعنی انہیں خدا اور خدا کا بیٹا نہ کہہ اور اس کے علاوہ ہر فضل وشرف اور عظمت ورفعت کو ان کے لئے ثابت مان لے کیونکہ مرتبۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حد و نہایت نہیں جسے کوئی صاحبِ لسان وبیان عبور کر سکے اور اس سے متجاوز ہو سکے!"

امامِ اہلِ سنت نے فرمایا ؎

تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ کہ کیا کیا کہوں تجھے

لیکن رضاؔ نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا مولےٰ کہوں تجھے

فائدۂ جلیلہ

ہماری اس تحقیق سے وہابیہ اور گستاخانِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک اعتراض باحسن وجہ مندفع ہو گیا۔ وہ لوگ عوام کو مغالطہ دینے کے لئے اور علمِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی کرنے کے لئے قرآنِ کریم کی یہ آیتِ کریمہ پیش کرتے ہیں ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر" اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو خیر کثیر جمع کر لیتا۔"

وجہِ استدلال یہ ہے کہ اگر علمِ غیب ہوتا تو آپ کے پاس خیرِ کثیر ہوتا لیکن جب خیرِ کثیر نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ علمِ غیب نہیں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ علمِ غیب میں اور خیرِ کثیر جمع کرنے میں اور تکلیف سے محفوظ رہنے میں کوئی ملازمہ نہیں ہے۔ علمِ موجد و خالق تو نہیں ہوتا تو معلوم کے تابع ہوتا ہے اور اسی کا ظل و عکس خواہ وجودِ معلوم سے پہلے ہو یا اس کے بعد لہٰذا جس کو کل مال ملنا ہوگا صحیح علم اور واقعی ادراک کا تقاضا یہ ہے کہ اسے یہ پتہ چل جائے کہ مجھے کل مال مل جائے گا، جس کو کل موت آنی ہے تو صحیح یہی علم ہے کہ اسے پتہ چل جائے کہ کل موت آنی ہے لہٰذا اگر مال مل گیا اور موت آ گئی تو علم صحیح ورنہ وہ جہالت ہے نہ کہ علم، بہر حال ان میں فی الواقع کوئی تلازم نہیں ہے البتہ کفار کا یہ خیال تھا کہ جسے علمِ غیب حاصل ہو اس کے پاس خیرِ کثیر ہونا چاہیئے اور اسے کوئی رنج اور تکلیف عارض نہیں ہونی چاہیئے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو الزام دینے کے لئے ان کے مسلمہ مقدمہ کی بناء پر فرمایا کہ تمہارے قاعدہ کی رو سے تو میرے پاس علمِ غیب ہی نہیں کیونکہ نہ خیرِ کثیر ہے اور نہ رنج والم سے بچاؤ لہٰذا تم بار بار آ کر سوال کیوں کرتے ہو اور امورِ غیبی کیوں دریافت کرتے ہو؟ یا اپنے اس قاعدے کو غلط مانو یا بار بار آ کر سوال مت کرو۔

لیکن بے ادب اور گستاخ لوگوں نے آنکھیں بند کر کے اس الزام کو حقیقت سمجھ لیا، جدل کو برہان کا درجہ دیکر عوام کو گمراہ کرنا شروع کر دیا لیکن قطع نظر اس سے، ہم کہتے ہیں کہ رسولِ کریم کو اللہ تعالٰے نے خیرِ کثیر عطا فرمایا ہے جیسا کہ ہم نے روایت و درایت سے اس معنٰے کو ثابت کر دیا ہے لہذا اب یہ آیۂ کریمہ ہماری دلیل بن گئی۔ اگر میں علمِ غیب کا مالک ہوتا تو خیرِ کثیر جمع کر لیتا، لیکن خیرِ کثیر تو بہ عطاءِ الٰہی جمع کر لیا ہے لہذا علمِ غیب بھی ہے۔ اور لفظِ "لو" کلام مثبت کو منفی کر دیتا ہے لہذا خیرِ کثیر کا حصول رفعِ تالی ہے جو کہ رفعِ مقدم کو مستلزم ہے لہذا نفیِ علمِ غیب مرتفع ہو گئی اور علمِ غیب ثابت ہو گیا، فالحمد للہ علٰی ذٰلک۔

نیز لفظِ "لو" والے قاعدے سے قطع نظر یہاں کلام خاص علمِ غیب اور خاص خیرِ کثیر میں ہے یعنی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب اور آنحضور کے خیرِ کثیر میں ہے لہذا مقدم و تالی اور ملزوم و لازم خاص اور متساوی ہیں ان میں سے ہر ایک کا تحقق دوسرے کے تحقق کو مستلزم ہو جائے گا اور ہر ایک کا رفع دوسرے کے رفع سے متحقق ہو جائے گا، مثلاً ہم کہتے ہیں لو کان زید انسانا کان ناطقا لکنہ ناطق فھو انسان او لکنہ لیس بانسان فھو لیس بناطق۔ یہ دونوں نتیجے صحیح ہیں لہذا یہاں بھی تحققِ تالی مستلزم تحققِ مقدم ہو جائے گا اور خیرِ کثیر کے ثبوت سے علمِ غیب کا ثبوت لازم آجائیگا لہذا یہ آیت علمِ غیب کی نفی پر دلیل ہونے کی بجائے علمِ غیب کے ثبوت و تحقق کی دلیل بن جائیگی۔ فتدبر حق التدبر۔

نیز علمِ غیب فعلی (جو کہ مبدءِ تخلیق ہے) اور استکثارِ خیرِ کثیر میں تلازم ہے نہ کہ علمِ غیب حصولی و انفعالی اور خیرِ کثیر جمع کرنے میں لہذا بالفرض خیرِ کثیر جمع کرنے کی نفی درست ہو تو اس سے علمِ غیب فعلی مبدءِ تخلیق و ایجاد کی نفی لازم آئیگی اسکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں متحقق ہونا محال ہے کیونکہ وہ اللہ تعالٰی کے ساتھ مختص ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علمِ غیب حصولی انفعالی کی نفی لازم نہیں آئیگی اور آپ کے حق میں اس علمِ غیب کے ثبوت کا دعوی کیا جاتا ہے۔ الغرض دعوئ خصم عام ہے اور دلیل صرف علمِ فعلی کی نفی کرتی ہے اور نفیِ خاص سے نفیِ عام لازم نہیں آتی لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کی نفی پر استدلال باطل ہو گیا۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ

(پس اپنے رب کیلئے نماز ادا کیجئے اور قربانی کیجئے)

صَلِّ اور اِنْحَرْ دونوں امر کے صیغے ہیں۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام کو ذکر فرمایا اور اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم پر جو عطائیں اور بخششیں کی ہیں ان کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد "صلوٰۃ" اور "نحر" کا حکم دیا۔ صلوٰۃ کے معنے میں تین احتمال ہیں۔ نماز مراد ہوگی یا شکر اور یا دعا والا معنے، پہلی صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ اے محبوب اپنے رب کے لئے نماز پڑھو۔

سوال:۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوگا کہ نعمتوں کے بعد شکر کرنا لازم ہوتا ہے اور بندے کے شایانِ شان یہ ہے کہ نعمت میں مشغول ہو کر منعم سے غافل نہ ہو جائے بلکہ نعمت کو منعم کیطرف توجہ والتفات کا ذریعہ بنائے اور نعمت سے منعم کو پائے لہذا یہ انعاماتِ کثیرہ عطا فرمانے کے بعد زیادہ مناسب یہ تھا کہ اللہ تعالےٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے شکرِ نعمت طلب فرماتا اور انہیں شکر کرنے کی تعلیم دیتا۔ مقامِ شکر میں نماز کو ذکر کیوں فرمایا؟

جوابِ اول:۔ شکر ایسے فعل کو کہتے ہیں جو کہ منعم کی تعظیم پر دلالت کرے اور یہ تعظیم کبھی دل سے ہوتی ہے، کبھی زبان کے ساتھ ہوتی ہے اور کبھی دوسرے اعضاء و جوارح کے ساتھ۔ قلبی تعظیم یہ ہے کہ دل میں منعم کیساتھ عقیدت و محبت پیدا ہو۔ اور زبان کا شکر یہ ہے کہ منعم کی ستائش و تعریف اور حمد و ثنا کی جائے۔ اور عملی شکر یہ ہے کہ منعم کی خدمت کی جائے اور اس کے لئے تواضع و انکساری اختیار کی جائے اور نماز میں شکر کے تینوں ارکان

مکمل طور پر پائے جاتے ہیں۔ دل تعظیم باری اور اس کی عظمت و ہیبت سے معمور ہوتا ہے، زبان پر اس کی تسبیح و تقدیس جاری ہوتی ہے۔ اپنی عبدیت اور اللہ تعالیٰ کی معبودیت کا اعتراف ہوتا ہے اور دست بستہ قیام میں عملی طور پر عجز و انکساری کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ رکوع کے ذریعے گناہگاریوں اور سیاہکاریوں کے بوجھ سے خم اور دوتا پشت اور روئے ندامت کو اس کے حضور جھکا کر اپنی مجبوری و بےبسی اور عاجزی و بیچارگی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اپنے جرم و قصور اور اس کے تقدس و پاکیزگی کا عملی طور پر اعتراف کیا جاتا ہے اور سجدہ میں تو اشرف الاعضاء کو اذل الاشیاء پر رکھ کر یعنی ناک اور پیشانی کو خاک آلودہ کر کے غایتِ عبودیت کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے اور عجز و انکسار کو حدِ نہایت تک پہنچایا جاتا ہے اور عظمتِ معبود کے اظہار میں آخری امکانی کوشش کی جاتی ہے لہذا نماز سے بڑھ کر کوئی اور صورت شکرِ باری کی زیادہ موزوں نہیں ہو سکتی لہذا مقامِ شکر میں "صلوٰۃ" کو ذکر فرمایا اور نماز ادا کرنے کا حکم فرمایا کہ فصل لربک۔

جوابِ ثانی:۔ اگر انا اعطینٰک الکوثر کے بعد فاشکر لربک فرمایا جاتا تو لازم آتا کہ اس سے پہلے آپ شکر گزار نہ تھے بلکہ اب انہیں شکر کا حکم دیگران پر اس کو لازم کیا گیا حالانکہ آپ ابتداء ہی سے عارف باللہ تھے اور اس کے فرمانبردار و شکر گزار تھے۔ امامِ رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:۔

کان من اول امرہ عارفا بربہ مطیعا لہ شاکرا لنعمہ

لیکن نماز کی فرضیت اور اس کے اوقات کی تعیین اور رکعات کی تعداد اور ارکان کی ترتیب وغیرہ وحیِ الٰہی کے ذریعے آپ نے جانیں اور ان پر عمل شروع کیا لہذا فصل لربک فرمانا ہی موزون و مناسب تھا۔

سوال:۔ یہ سورۂ کریمہ مدنیہ ہے اور نماز مکہ شریف میں شبِ معراج میں فرض ہوئی لہذا فصل لربک کی جگہ فاشکر لربک کا ذکر کرنے پر جو اعتراض لازم آتا تھا یعنی آپ اس امر اور حکم سے پہلے العیاذ باللہ شاکر نہ ہوں فصل لربک پر بھی

وہی اعتراض لازم آئے گا کہ آپ اس سے پہلے نماز ادا نہ فرماتے ہوں حالانکہ مکہ شریف میں ہجرت سے قبل باقاعدگی کے ساتھ پانچوں وقت نماز ادا کی جاتی تھی۔

جواب:۔ حضرت ابن عباس، مقاتل، کلبی اور جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورہ مکیہ ہے لہذا ممکن ہے کہ شب معراج سے پہلے اس کا نزول ہو جبکہ ابھی نماز فرض نہیں ہوئی تھی اور اس کی تفصیلات ابھی بیان نہیں کی گئی تھیں اور اگر معراج کے بعد مکہ شریف میں نازل ہوئی یا مدینہ شریف میں نازل ہوئی جیسا کہ حسن و عکرمہ اور قتادہ و مجاہد کا قول ہے اور علامہ سیوطی اتقان میں اور علامہ نووی شرح مسلم میں اس کی تصحیح و ترجیح کے قائل ہیں تو اس صورت میں اس کا معنے ابتداءِ صلوٰۃ نہیں ہوگا بلکہ مقصد یہ ہوگا کہ نماز پر ہمیشہ قائم رہو اور اس میں دوام اور ثابت قدمی کو اختیار کرو۔ اسی لئے علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی نے فرمایا فدم علی الصلوٰۃ لربك اور علامہ اسماعیل حقی صاحب روح البیان نے بھی یہی معنٰی بیان فرمایا۔

۲۔ دوسرا معنٰے فصل لربك کا یہ ہے کہ اپنے رب کریم سے دعا کیجئے۔ کیونکہ صلوٰۃ کا معنٰے لغتِ عرب میں دعا ہے اور نماز کو بھی صلوٰۃ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں بھی دعا ہوتی ہے۔ اس صورت میں لفظِ "فاء" جو کہ ترتیب و اتصال پر دلالت کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اے حبیب! ہم نے بغیر تمنا و سوال کے تمہیں کوثر کا مالک بنا دیا ہے تو آپ کے سوال کرنے اور دعا مانگنے کے بعد مطلوب و مقصود عطا کرنے سے آپ کو کیونکر محروم رکھا جائے گا؟ اس حکم سے یہ تسلی دینا مقصود ہے کہ آپ اپنی امت کا اتنا زیادہ غم کیوں کرتے ہیں "لکن سل تعط واشفع تشفع" "آپ جو مانگیں گے عطا کیا جائے گا اور جس کی شفاعت کرو گے قبول کی جائے گی" لہذا امت کے لئے اتنا غمگین رہنے کی کیا ضرورت ہے ولسوف یعطیك ربك فترضٰی ؎

رضا پل سے اب وجد کرتے گزریئے
کہ ہے رب سلّم صدائے محمد

خدا کی رضا چاہتے ہیں [illegible]

۳۔ تیسرا معنٰے فصل لربک کا یہ ہے کہ اپنے رب کا شکر ادا کیجئے اور شکر ادا کرنے میں ہمیشگی اور دوام کا مظاہرہ کیجئے جیسا کہ اھدنا الصراط المستقیم کا معنٰے یہ ہے کہ ہم کو ہدایت پر ثابت قدم رکھ۔ اس صورت میں لفظِ "فاء" جو کہ ترتیب بلا مہلت پر دلالت کرتا ہے اور اتصال و اقتران کو چاہتا ہے اس کے ذکر میں حکمت یہ ہوگی کہ جب بھی منعم کیطرف سے نعمت وصول ہو فوراً اس کا شکر ادا کیا کریں اور اس میں تاخیر و سستی کو روا نہیں رکھنا چاہیئے۔ نیز لفظِ "فا" کا ذکر اس حکمت کے پیشِ نظر ہے کہ میرے انعام کا انجام اور منتہیٰ و غایت میرا شکر اور میری عبادت ہونی چاہیئے جیسا کہ فرمایا وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون "میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا فرمایا ہے کہ وہ میری عبادت یعنی ان کی تخلیق پر عبادت والا انجام اور غایت مترتب ہو۔ نعمت کا شکر یہ ہر اس شخص پر لازم ہے جس پر بھی انعام کیا جائے خواہ وہ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہوں یا کوئی اور ہو لہذا آپ کی تخصیص فرما کر شکر کی اہمیت و ضرورت پر تنبیہ فرمادی کہ جب حبیبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر شکر لازم ہے تو دوسروں پر بطریقِ اولیٰ لازم ہوگا۔

لیکن ان تینوں معنوں میں سے سب سے پہلا معنٰے زیادہ اولیٰ و انسب ہے کیونکہ عرفِ شرع اور اصطلاحِ شرع میں صلوٰۃ بمعنے نماز ہی متعارف و مشہور ہے نیز یہ مقامِ شکر ہے لہذا دوسرا معنٰے موزوں نہ ہوگا اور چونکہ نماز میں شکر کے تینوں ارکان مکمل طور پر پائے جاتے ہیں لہذا پہلا معنٰے تیسرے معنے کو متضمن بھی ہے اس لئے وہی معنٰے اس جگہ مراد ہے کہ اے محبوب! صلے اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی عطا و بخشش اور انعام و اکرام کا شکر ادا کرنے کے لئے اپنے رب کی نماز ادا کرو۔ اور محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حکم کی تعمیل اس طرح فرمائی کہ نوافل میں کھڑے کھڑے آپ کے مبارک پاؤں سوج جاتے بلکہ پھٹ جاتے اور خون بھی بہنے لگتا لیکن آپ یادِ الٰہی میں محو و مستغرق اور نعم کی بجائے ذاتِ منعم میں اس قدر فانی و گم ہوتے کہ اپنی ذات سے بھی بے نیاز ہو جاتے۔ حضرتِ صدیقہ عرض کرتیں کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو

مغفرت و بخشش کا مژدہ سنا چکا ہے تو پھر آپ اس قدر زیادہ عبادت کیوں کرتے ہیں؟ تو آپ فرماتے افلا اکون عبدًا شکورًا "کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟"
جب اس کا انعام اتنا زیادہ ہے تو اس کا شکریہ بھی اتنا ہی زیادہ کرنا چاہیئے۔

فائدہ اولیٰ جب نماز رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر لازم ہے اور کسی حالت میں آپ کے لئے اس کا ترک کرنا درست نہیں تو دوسروں کے لئے اس کا ترک کرنا بطریق اولیٰ حلال نہیں ہوگا لہذا وہ لوگ جو مشائخِ کرام اور اولیاءِ عظام کے روپ میں ظاہر ہو کر نماز کو ترک کرتے ہیں بلکہ اپنے مریدین وغیرہ کو بھی نماز سے روکتے ہیں ایسے لوگ قطعاً دینِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور صراطِ مستقیم پر نہیں بلکہ وہ شیطان کے ایجنٹ ہیں جو دینِ خدا میں رخنہ اندازی کے لئے اور امتِ مسلمہ کو گمراہ کرنے کے لئے اس لباس میں رونما ہوئے ہیں۔

نیز یہ کہنا کہ ہم اللہ تعالےٰ تک پہنچے ہوئے ہیں ہمیں نماز کی کیا ضرورت ہے، لغو و باطل ہے۔ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اونچے مرتبہ والا کوئی نہیں اور نہ ان سے زیادہ کوئی اللہ تعالےٰ تک واصل ہے جنہوں نے سَر کی آنکھوں سے ربِ کریم کو لامکاں میں بے حجاب و بے نقاب دیکھا بلکہ ہر وقت جمالِ یار ان کے سامنے ہے لیکن پھر بھی نماز کو ترک نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں کہ جعلت قرة عینی فی الصلوٰة "میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے"۔
لہذا ایسے لوگ بے دین ہیں انہیں اللہ تعالےٰ، رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور اولیاءِ کرام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

فائدہ ثانیہ پہلے انعامات و عطیات کو ذکر فرما کر پھر نماز کا حکم دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ ہماری نماز اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا شکریہ ہے اور دل و جان سے، جوارح و اعضاء اور زبان سے منعم کی عظمت اور برتری کا اظہار ہے کیونکہ بلوغت تک اس کی نعمتوں اور عطیات پر پرورش پانے کے بعد نماز اور دیگر عبادات ... لیتا

ہے اور کام بعد میں کرتا ہے۔ اگر وہ بعد میں کام نہ کرے تو وہ نمک حرام سمجھا جاتا ہے لہذا وہ انسان جو اللہ تعالٰے کی نعمتوں پر پل رہا ہے اور پرورش پا رہا ہے اگر اپنے خالق کے سامنے سر بسجود نہیں ہوتا اور فرائض و احکام بجا نہیں لاتا تو وہ بھی نمک حرام مزدور کی مانند ہے اور اس کا کھانا پینا وغیرہ سب حرام ہے اور اسے رب تعالٰے کی نعمتوں کو کھانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اللہ رب العزت چاہے تو اپنی عطاء و بخشش سے اسے محروم کردے لیکن وہ کتنا کریم ہے کہ اس قدر احسان فراموش ہونے اور ناشکری کے باوجود اپنی عطا کو بند نہیں فرماتا اور روزی سے محروم نہیں فرماتا ؎

اے کریمے کہ از خزانہ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

فائدۂ ثالثہ جب نماز انعامات ربانیہ کا شکریہ ہے اور اسی طرح دوسرے تمام عبادات بھی محض احسانِ خداوندی کا شکر ہیں تو معلوم ہوا کہ ہم ان پر کسی اجر و ثواب کے مستحق نہیں ہیں کیونکہ ہم نے تو نعمتیں پہلے حاصل کرلیں اور بعد میں شکر بجا لائے لیکن اس کریم کا کتنا کرم ہے اور اس ارحم الراحمین کا کتنا فضل و احسان ہے کہ وہ ان عبادات اور فرائض کی بجا آوری پر بھی ایسی نعمتیں عطا فرمائے گا

مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر "جو آج تک نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں اور نہ ہی کسی بشر کے دل میں کماحقہ ان کا تصور و خیال آیا۔" فانی زندگی کو اس کی عبادت میں صرف کرنے اور دنیوی آرام و سکون کو اس کی یاد میں ترک کرنے پر ابدی زندگی اور دائمی راحت و سکون عطا فرمائے گا اور فانی و ناپائیدار نعمتوں پر شکر ادا کرنے سے ابدی اور غیر فانی نعمتوں سے سرفراز فرمائیگا۔ بلکہ وہ مقدس ہستیاں جو صرف اسی کی ذات سے لو لگا لیتے ہیں اور دنیا کی ہر چیز سے منہ موڑ کر صرف منعم کی ذات میں فانی و مستغرق ہو جاتے ہیں ان کو دنیا و

آخرت میں عزت و عظمت اور سر بلندی و سرفرازی عطا فرماتا ہے۔ منصب محبوبیت و ولایت پر سرفراز فرمائے جاتے ہیں اور ہر قسم کے خوف و خطر اور رنج و ملال سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ فرمایا الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ "آگاہ ہو جاؤ جو اللہ کے ولی ہیں نہ ان پر خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔" ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملٰئکۃ الا تخافوا و لا تحزنوا و ابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۔ "بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس پر ثابت قدم ہو گئے اور اس قول کے تمام تقاضوں کو پورا کیا اور اپنے پروردگار کے ہر حکم کو تسلیم کیا ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچاتے ہیں کہ تم بالکل خوفزدہ نہ ہونا اور نہ ہی غمگین اور اس جنت کا مژدہ و بشارت قبول کرو جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں وعدہ دیا تھا۔"

جو لوگ عبادات و ریاضات اور مجاہدات سے اپنے رب کریم کا حقِ نعمت ادا کرتے ہیں تو اللہ رب العزت ان کو اپنا محبوب بنا کر انہیں اپنے انوار سے منور فرما دیتا ہے اور ان کی آنکھوں، کانوں، ہاتھوں اور پاؤں کو اپنے تجلیات سے نورانی بنا دیتا ہے، ان کی زبان تقدیرِ الٰہی کی ترجمان بن جاتی ہے اور "کُن" کی کنجی بن جاتی ہے حدیثِ قدسی میں ہے:۔

لا یزال عبدی یتقرب الی باداء ما افترضت علیہ و کثرۃ النوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و لسانہ الذی یتکلم بہ و یدہ التی یبطش بھا و رجلہ التی یمشی بھا و لئن سالنی لاعطینہ و لئن استعاذنی لاعیذنہ۔

"میرا بندہ ہمیشہ فرائض کی ادائیگی اور نوافل کی کثرت سے میرے قرب حاصل کرتا رہتا ہے

حتےٰ کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کی زبان ہوتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے اور میں اس کا ہاتھ ہوتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں ہوتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے وہ مجھ سے جو بھی مانگے گا میں اس کو عطا کردوں گا اور جہاں بھی وہ مجھ سے پناہ طلب کرے گا میں اسے پناہ دوں گا۔"

امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں الشیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شرح فتوح الغیب میں اور قاضی عیاض نے شفاء شریف میں اس حدیثِ پاک کا معنے و مقصد یہ بیان فرمایا ہے کہ جب بندہ اپنے آپ کو اللہ رب العزت کے عشق و محبت والی آگ میں جلا کر فنا کر دیتا ہے اور نفسانیت و انانیت والا زنگ اور میل کچیل دور ہو جاتا ہے اور انوارِ الٰہیہ سے اس کا بدن منور ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے انوار ہی سے دیکھتا ہے اور انہی کی بدولت سنتا ہے، اس کا بولنا انہی انوار کے ذریعے ہے اور اس کا چلنا پھرنا اور پکڑنا مارنا انہی سے ہوتا ہے۔ امامِ رازی کے الفاظ میں حدیثِ قدسی کا معنے اور منصبِ محبوبیت کی عظمت کا بیان سنئے، فرماتے ہیں :-

واذا صار نور جلال اللہ لہ سمعا سمع القریب والبعید
واذا صار نور جلال اللہ لہ بصرا رأی القریب والبعید
واذا صار ذلک النور یدا لہ قدر علی التصرف فی الصعب والسھل والقریب والبعید۔[۱]

"اللہ رب العزت کا نورِ جلال جب بندۂ محبوب کے کان بن جاتا ہے تو وہ ہر آواز کو سن سکتا ہے نزدیک ہو یا دور، اور آنکھیں نورِ جلال سے منور ہو جاتی ہیں تو دور و نزدیک کا فرق ختم ہو جاتا ہے اور ہر گوشۂ کائنات پیشِ نظر ہوتا ہے اور جب وہی نور بندہ کے ہاتھوں میں جلوہ گر ہوتا ہے تو قریب و بعید اور مشکل و

---

[۱] تفسیر کبیر ۔۔۔ [illegible]

آسمان میں اسے تصرف کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔

حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے حضرتِ ساریہ اور ان کے لشکر کو نہاوند کے مقام پر مدینہ منورہ سے چودہ سو میل کی مسافت سے دشمنوں کے نرغہ میں آتے ہوئے دیکھ کر فوراً راہنمائی فرمائی اور آواز دی یاساریۃ الجبل" اے ساریہ پہاڑ کا خیال کر د،، ادھر انہوں نے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی آواز سنکر دشمن سے اپنے آپ کو بچا لیا۔

حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ؎

نظرت الی بلاد اللہ جمعًا
کخردلۃ علی حکم اتصال

اور فرماتے ہیں "نظرِ من در لوحِ محفوظ است،، (میری نظر لوحِ محفوظ پر ہے)

حضرتِ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریائے نیل کو اپنے رقعہ سے جاری فرما دیا جو اس وقت تک پانی سے لبریز نہیں ہوتا تھا جب تک اس میں نوجوان لڑکی کو نہ پھینکا جاتا تھا۔ حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے حکم دیا کہ اگر تو اپنی مرضی سے چلتا ہے تو بے شک خشک رہ جا ہمیں تیری ضرورت نہیں ہے اور اگر تو اللہ تعالےٰ کی مرضی سے چلتا ہے تو میں اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے جاری فرمائے۔ چنانچہ جب آپ کا رقعہ جس پر یہ الفاظ درج تھے، دریا میں ڈالا گیا تو وہ فوراً طغیانی پر آگیا اور لبالب بھر گیا۔

مدینہ طیبہ میں آگ لگ گئی جسے کسی طرح بھی بجھایا نہ جا سکا تو حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے کاغذ کے ایک پرزہ پر اسکنی یا نار" اے آگ ٹھہر جا" لکھ کر خادم کو دیا۔ اس نے وہ پرزہ آگ میں پھینکا تو یوں معلوم ہوا کہ یہاں آگ لگی ہی نہ تھی۔

ایک دفعہ زلزلہ آیا اور مکانات لرزنے لگے اور بہت بڑی تباہی کا خطرہ پیدا ہو گیا تو حضرتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا درہ زمین پر زور سے مارا اور فرمایا اے زمین ٹھہر جا، آج تک وہاں زلزلہ نہیں آیا۔

سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے مردوں کو زندہ فرمایا۔ حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی علیہ الرحمۃ ہر دن عصر کی نماز مسجدِ نبوی مدینہ طیبہ میں ادا فرمایا کرتے رہتے تھے۔

الغرض ان مجاہدات و ریاضات کی بدولت پورا جسم انوارِ الٰہیہ سے منور ہو جاتا ہے اور نفسانیت و انانیت کی میل و زنگ سے آئینۂ دل صاف ستھرا ہو جاتا ہے اور اسی میں پوری کائنات نظر آنے لگتی ہے بلکہ خدائے بزرگ و برتر کی تجلیات براہِ راست اس سرائے میں نزولِ اجلال فرماتی ہیں اور اسے اپنا عرش بناتی ہیں جیسا کہ فرمایا گیا ہے قلب المؤمن عرش اللّٰہ "مومن کا دل اللہ تعالےٰ کے انوار و تجلیات کا عرش ہوتا ہے۔ اور حدیثِ قدسی میں ہے لا یسعنی ارضی و لا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المؤمن "میری گنجائش نہ زمین میں ہے اور نہ آسمان میں، میں کسی مکان میں نہیں سما سکتا اگر کہیں میری جلوہ گری کی گنجائش ہے تو وہ بندۂ مومن کا دل ہے ؎

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

امام رازی نے فرمایا کہ جب انسان مجاہدات و ریاضات کے ذریعے اپنے دل پر سے حجابِ غیر کو ہٹا دیتا ہے اور ماسوٰے اللہ سے رغبت و تعلق کو دور کر دیتا ہے تو پوری کائنات اس کے آئینۂ قلب میں نظر آنے لگتی ہے بلکہ خود اللہ رب العزت کا نورِ جلال بھی دل کے صحن میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:-

وھھنا دقیقۃ عقلیۃ وھی ان نور جلال اللّٰہ لا ئح غیر زائل ولا منقطع البتۃ والارواح البشریۃ لا تصیر محرومۃ عن تلک الانوار الا لاجل الحجاب ولیس ذلک الحجاب الا الاشتغال بغیر اللّٰہ تعالیٰ (الی) تجلی لہ ملکوت السمٰوات والارض بالتمام بل تجلی لہ نور جلال اللّٰہ تعالیٰ۔[عہ]

عہ تفسیر کبیر ص ج ۲

نکتہ اللہ تعالےٰ مکان سے منزہ ہے اور کسی مکان میں سما نہیں سکتا کیونکہ مکان محدود ہیں اور اس کی ذات غیر محدود ہے اور محدود غیر محدود کی گنجائش نہیں رکھتا ، اس لئے آسمانوں اور زمینوں میں تمام تر وسعتوں کے باوجود اس کی ذات پاک کی گنجائش نہیں ہے تو وہ دل جو سینہ کے اندر پوشیدہ ہے یعنی انسانی سینہ انتہائی محدود ہے اور وہ دل جو اس میں رکھا ہوا ہے وہ اس سے بھی تنگ اور محدود ہے لہذا جس ذات پاک کی گنجائش آسمانوں اور زمینوں میں نہیں ہے وہ اس تنگ اور محدود دل میں کیسے سما سکتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ بندۂ مومن کا وہ دل جو بظاہر انتہائی مختصر تنگ اور محدود ہے . وہ عبادات و ریاضات اور مجاہدات کی بدولت غیر محدود ہو جاتا ہے اور حدود قیود سے آزاد ہو جاتا ہے ، عیبِ تناہی سے منزہ ہو جاتا ہے لہذا اس غیر محدود اور غیر متناہی ذات کی جلوہ گاہ بن جاتا ہے اور یہ مختصر سا مجسمہ پوری کائنات کا احاطہ کر لیتا ہے . فلک الافلاک و عرشِ عظیم سمٹ کر اس کے گوشۂ دل میں آ جاتے ہیں ؎

وتزعم انک جسم صغیر
وفیک انطوی العالم الاکبر (روح المعانی)

عارف ابو یزید اور عارف محی الدین نے فرمایا :-

لو ان العرش وما حواہ مائۃ الف الف مرۃ وضع فی زاویۃ من زوایا قلب العارف ما احس بہ وکیف یحس بالحادث من وسع القدیم -

• اگر عرشِ عظیم اور جو کچھ اس کے اندر ہے یعنی سارے آسمان اور زمین بمع ان تمام مخلوق کے جو آسمانوں پر اور زمینوں میں ہے ،

اس کا دس کروڑ گنا عارف کے دل کے گوشوں میں سے ایک گوشہ کے اندر رکھ دیا جائے تو اسے اس کی عظمت ذرہ بھر محسوس نہ ہوگی اور وہ ان تمام کی وسعت اور مقدار و کمیت کو ذرہ بھر اہمیت نہ دے گا اور اس حادث کی وجہ سے مومن کے دل میں تنگی کیسے محسوس ہو سکتی ہے جس میں قدیم ذات واجب الوجود اللہ رب العزت کی گنجائش

موجود ہے جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے ولٰکن وسعنی قلب عبدی المؤمن۔ یہ موضوع تو بہت تفصیل طلب ہے اور اولیاءِ کرام کے کرامات وخوارقِ عادات جو منصبِ محبوبیت وولایت پر فائز ہونے کے بعد ان سے صادر ہوتے ہیں وہ حد وحصر سے باہر ہیں اور فنا وبقا کے ابحاث صرف اربابِ حال ہی کماحقہ بیان کر سکتے ہیں اور اس حقیقت سے پردہ وہی اٹھا سکتے ہیں جو اس کو پالیں اور اس کا مشاہدہ کر لیں لیکن اتنا تو ہر خاص وعام کو سمجھ آسکتا ہے اور احادیثِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور اقوالِ اکابرِ امت سے یہ پتہ چل سکتا ہے کہ فرائض ونوافل کی کثرت اور مجاہدہ وریاضت کی بدولت انسان مرتبۂ محبوبیت پر پہنچ جاتا ہے اس کا دل عرشِ الٰہی بن جاتا ہے اور اس کا سارا بدن انوارِ الٰہیہ سے منور ہو جاتا ہے، اسکی آنکھیں نزدیک ودور کو دیکھتی ہیں، اس کے کان قریب وبعید سے سنتے ہیں، اسکا ہاتھ نزدیک ودور اور مشکل وآسان میں تصرف پر قادر ہوتا ہے، اس کے پاؤں کے سامنے ساری زمین بلکہ عرش تک کی وسعتیں سمٹ کر ایک قدم کے برابر بھی نہیں رہتیں بلکہ پوری کائنات اس کے کاشانۂ دل کے ایک گوشہ میں سمٹ کر رہ جاتی ہے اور اس کی زبان سے جو نکلتا ہے وہ تقدیرِ الٰہی ہوتا ہے اور اس کی زبان کُن کی کنجی بن جاتی ہے۔ یہ تمام تر کمالات منصبِ محبوبیت کا ثمرہ ہیں اور مرتبۂ محبوبیت کے لوازمات، لہٰذا جب تک یہ منصب حاصل رہے گا تب تک یہ کمالات بھی رہیں گے۔

تنبیہ

جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واقتدا اور ان کی غلامی سے یہ مقام نصیب ہو سکتا ہے تو خود نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور درجہ کتنا بلند ہو گا اور انہیں یہ مدارج ومراتب کس قدر کامل واکمل اور اعلیٰ واتم طریقہ پر حاصل ہوں گے۔ لیکن مقامِ حیرت ہے کہ امتیوں کے لئے یہ منصب ومرتبہ ماننے والے

جب سیدِ انبیاء، پیشوائے رسل، ہادئ کل، حبیبِ خدا محمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والاصفات پر تبصرہ کرنے لگتے ہیں تو کہتے ہیں کہ انہیں دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں (براہینِ قاطعہ) جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کے مالک و مختار نہیں (تقویۃ الایمان)۔

امامِ دیوبند مولوی اسماعیل دہلوی کی زبانی اس حدیثِ قدسی کا معنے بھی سن لیجئے اور بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخی و بے ادبی بھی ملاحظہ فرمایئے "پھر جب توفیق کا راہبر اس مشاہدہ کی خوشی کے سرمست کا ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچتا ہے تو فناء و بقاء کا مقام پوشیدگی کے پردہ سے باہر آتا ہے۔ اس اجمال کا بیان یہ ہے کہ جس طرح لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں ڈال دیتے ہیں اور آگ کے شعلے ہر طرف سے اس کا احاطہ کر لیتے ہیں بلکہ آگ کے اجزائے لطیفہ اس لوہے کے ٹکڑے کے نفسِ جوہر میں داخل کر جاتے ہیں اور اس کی شکل اور رنگ کو اپنے جیسا کر لیتے ہیں اور گرمی اور جلانا جو آگ کی صفتوں میں سے ہیں، اس لوہے کے ٹکڑے کو بخش دیتے ہیں تو اس وقت ضرور وہ لوہے کا ٹکڑا آگ کے انگاروں میں شمار ہو جاتا ہے لیکن نہ اس وجہ سے کہ وہ لوہا اپنی حقیقت کو چھوڑ کر خالص آگ کی حقیقت سے بدل گیا ہے کیونکہ یہ امر تو صریح البطلان ہے بلکہ یہ لوہے کا ٹکڑا فی الحقیقت لوہا ہی ہے مگر شعلہ ہائے ناریہ کے لشکروں کے ہجوم کی وجہ سے اس کا لوہا پن اپنے آثار و احکام سمیت بھاگ گیا ہے اور جو آثار و احکام آگ پر مترتب ہوتے تھے وہی آثار و احکام سارے کے سارے بے کم و کاست اس لوہے کے ٹکڑے پر مترتب ہو سکتے ہیں یوں نہیں بلکہ وہ آثار و احکام اب بھی آگ ہی پر مترتب ہیں جس نے اس لوہے کے ٹکڑے کا احاطہ کیا ہوا ہے لیکن چونکہ آگ نے اس لوہے کے ٹکڑے کو اپنی سواری بنایا ہوا ہے اور اپنی سلطنت کا تخت قرار دے رکھا ہے اس لئے وہ آثار و احکام لوہے کے ٹکڑے کی طرف نسبت کئے جاتے ہیں (تا) اور یہ حدیثِ قدسی کنت

سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بھا

اور ایک روایت کے لحاظ سے ولسانہ الذی یتکلم بہ۔ اسی حال کی حکایت ہے (تا) یہ ایک نہایت باریک بات اور نازک مسئلہ ہے (تا) اس مقام کے لوازم میں سے ہے عجیب عجیب کرامات و خوارق کا ظاہر ہونا اور قوی تاثیروں کا ظاہر ہونا اور دعاؤں کا مستجاب و قبول ہونا اور آفتوں و بلاؤں کا دور کر دینا اور اس معنی کی تصریح اسی حدیثِ قدسی میں ہے لئن سالنی لاعطینہ ولئن استعاذنی لاعیذنہ "یعنی اگر وہ بندہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں ضرور اسے دوں گا اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرے تو ضرور اسے پناہ دوں گا" اور منجملہ لوازم اس مقام کے یہ ہے کہ اس صاحب حال کے دشمن و بد اندیش پر وبال اور مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے چنانچہ حدیثِ قدسی میں ہے من عادلی ولیا فقد اذنتہ بالحرب (جو میرے ولی سے دشمنی رکھتا ہے تو میں اس کے ساتھ لڑائی کا اعلان کرتا ہوں)"

(صراطِ مستقیم مطبوعہ اشرف پریس لاہور ص۲۷)

یہی امام الطائفۃ الدیوبندیہ اپنے پیر و مرشد کے ملفوظات صراطِ مستقیم میں شغل دورہ کا بیان نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں، منجملہ اس کے آثار کے ذاکر کے روح کی نورانیت ہے اور ارواحِ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء و ملائکہ عظام سے ملاقات اور جنت و دوزخ اور آسمانی مقامات کی سیر کرنا جیسے سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور اور لوحِ محفوظ کی سیر کرنا اور وہاں کے واقعات کا منکشف ہونا (تا) ہر چند روح بشری عالمِ قدس اور سمٰوات میں عروج کے قابل نہیں لیکن ذکرِ الٰہی اس کا بدرقہ بن گیا پس جہاں پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی بدرقہ مذکورہ کی طاقت سے پہنچ جاتی ہے ص۲۳۶"

ثمراتِ اشتغال کے توارد کیوجہ سے ایک امر مستقر طالب کے نفس میں پیدا ہو جاتا ہے کہ اس امر کے سبب سے طالب کا عالمِ قدس سے ارتباط ہو جاتا ہے اور وہی امر حضرت حق جل وعلا کے ساتھ طالب کے علاقہ کا موجب ہوتا ہے اور وہ امر ہمیشہ طالب کے نفس میں موجود رہتا ہے خواہ اس کی طرف طالب کو ملاحظہ ہو یا نہ ہو۔ ہاں اس امر کیطرف ملاحظہ کے سبب سے اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں

ورنہ جوہر نفس میں پوشیدہ رہتے ہیں اور اس امر کو عرفِ قوم میں نسبت کہتے ہیں، مثال اس کی یہ ہے کہ ایک شخص معقول کی کتابوں کی مزاولت کرتا ہے یا دوسرے صنائع میں جیسے موسیقی یا آہنگری یا زرگری کی مشق کرتا ہے تو البتہ کچھ مدت کے بعد ایک امر مستقر حادث ہو جائے گا جس کو ملکۂ صناعت کہتے ہیں اور وہ ملکہ اس شخص کے نفس میں مستقر رہتا ہے خواہ وہ شخص اس کی طرف التفات کرے یا نہ کرے ص۳۷۔

امام دیوبندیہ اور اس کے پیر و مرشد کا کلام ملاحظہ فرمانے کے بعد اب دوسرے دیوبندیہ کے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کا کلامِ صداقت نشان ملاحظہ فرماتے جائیے:۔

اما قربِ نوافل ایں است کہ صفاتِ بشریۂ سالک از وے زائل شوند و صفاتِ حق تعالےٰ بروے ظاہر آیند چنانچہ زندہ گرداند مردہ را و بمیراند زندہ را باذن اللہ و بیند از جمیع بدنِ خود و بشنود مسموعات را و بیند مبصرات را از بعید و علیٰ ہذا القیاس باقی صفات سوائے ایں۔ (ضیاء القلوب ص۱۹)

"لیکن قربِ نوافل یہ ہے کہ سالک کی صفاتِ بشریہ اس سے زائل ہو جائیں اور صفاتِ حق اس پر ظاہر و غالب ہو جائیں چنانچہ وہ سالک مردوں کو زندہ کر دے اور زندوں کو ہلاک کر دے باذن اللہ تعالےٰ اور اس کا سارا بدن بمنزلہ آنکھ کے ہو جائے۔ سارے بدن سے دیکھے اور سننے سے تعلق رکھنے والی یا دیکھنے سے تعلق رکھنے والی اشیاء کو دور سے دیکھ لے اور علیٰ ھذا القیاس باقی صفات بھی (انتہےٰ ترجمۃ العبارت)

ادھر تصوف کے یہ مسائل اور نفسِ سالک میں صفاتِ خداوندی سے متصف مان کر زندہ کرنے اور مارنے پر قدرت ماننا، دور و نزدیک سے سننے اور دیکھنے کی طاقت ماننا اور اس استعداد و ملکہ اور کیفیت ... کو ہمیشہ کے لئے نفسِ سالک

میں تسلیم کرنا اور اس میں آسمانوں اور بیت المعمور اور لوحِ محفوظ تک رسائی اور وہاں کے حالات پر اطلاع کی قدرت تسلیم کرنا اور ادھر نبی اکرم سید العرب والعجم، امام رسل، عرش نشین، راز دارِ فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ، اور محرمِ رازِ مجلسِ دنیٰ فتدلّٰی کے حق میں یہ دریدہ دہنی، اور منبعِ ولایت اور سرچشمۂ کمالاتِ روحانیہ مولائے مرتضٰے کے حق میں یہ گستاخی کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کے مالک و مختار نہیں۔ سب بندے بڑے ہوں یا چھوٹے یکساں بے خبر اور نادان ہیں۔ (تقویۃ الایمان) ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

بہرحال یہ ایک طویل موضوع ہے اور اکابرین صوفیاءِ کرام نے اسے کماحقہ تحریر فرمایا اور اس کے ثمرات و نتائج کو بیان فرمایا۔ امام رازی نے بھی تفسیر کبیر صفحہ ۴۶۴ جلد ۵ پر خوب وضاحت فرمائی۔ بندہ نے صراطِ مستقیم اور ضیاء القلوب کی عبارتیں تو صرف اس لئے نقل کی ہیں تاکہ علمائے دیوبند کی تضاد بیانی منصبِ نبوت سے بیگانگی اور دشمنی ظاہر ہو سکے اور ان کی کلہاڑی سے ان کے پاؤں کاٹے جا سکیں اور الحق ما شھدت بہ الاعداء کے مصداق انہی کی عبارات سے واضح ہو جائے کہ جن کی غلامی سے منصبِ محبوبیت ملتا ہے اور بندہ صفاتِ خداوندی سے متصف ہو جاتا ہے خود ان کا مقام کیا ہوگا؟

؎ محبوب اور بھی ہیں پر ایسے تو نہیں
یوں تو محبوب ہے ہر چاہنے والا تیرا

الغرض جب بندہ اپنے رب کریم کا شکر ادا کرتا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرتا ہے اور نعمتوں میں مشغول و مصروف ہونے کی بجائے اپنے منعم و محسن کیطرف راغب ہوتا ہے اور فرائض و نوافل کے ذریعے اس کا قرب طلب کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اسے اپنی ذات تک پہنچا دیتا ہے اور وہ منزلِ وصول و شہود

پر فائز ہوتا ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ منصبِ محبوبیت و ولایت پر فائز ہوتا ہے اور وفات سے قبل اسے جنت کی بشارت دیجاتی ہے الاّ تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون ہ اور ہر قسم کے خوف و خطر سے انہیں محفوظ کر دیا جاتا ہے الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون ہ لیکن اس کے بر عکس ناشکر گزار، فانی لذتوں میں مستغرق ذو منہمک منعم و محسن رب العالمین کی یاد سے غافل صرف یہ نہیں کہ ان درجاتِ عالیہ سے محروم رہتا ہے بلکہ اخروی راحت و سکون سے محروم رہتا ہے، عذابِ الیم میں داخل ہوتا ہے اور دوزخ کا ایندھن بنایا جاتا ہے لہذا عقلِ سلیم اور طبعِ مستقیم کا تقاضا یہ ہے کہ فانی دنیا سے دل لگانے اور دنیا کی فانی لذتوں کے درپے ہونے کی بجائے ہمیشہ باقی رہنے والی آخرت و جنت اور ابدی آرام و سکون کو طلب کیا جائے اور رضائے رب کو تمام امور پر مقدم رکھا جائے۔

فائدہ رابعہ

اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب و مطلوب محمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو عطاء و بخشش فرمائی اور اس کے بعد ادائیگی شکر کے لئے نماز کا حکم دیا ہے حالانکہ جس طرح نماز میں رب العالمین کی ربوبیت اور اس کے انعام و احسان کا شکریہ ادا ہو جاتا ہے اسی طرح دوسری عبادت میں بھی اس کا شکریہ ادا ہو سکتا ہے مثلاً روزہ ہے، حج ہے، زکوٰۃ ہے لیکن صرف نماز کو علی الخصوص ذکر فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ نماز سب عبادات سے افضل و اعلیٰ ہے اور سب سے تاکیدی عبادت ہے۔ اسی لئے قرآنِ کریم میں ایمان کے بعد باقی سب عبادات سے پہلے اس کا ذکر ہے الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ، اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وغیرہ۔

اور اسی لئے رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الصلوٰۃ عماد الدین "نماز دین کا ستون ہے" اور ظاہر ہے کہ ستون سے ہی چھت کا قرار ہے اور چھت سے ہی مکان [illegible]

گویا اسلام ہی نہیں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من ترك الصلوٰة متعمدا فقد کفر "جس نے دیدہ و دانستہ نماز کو ترک کر دیا تو وہ کفر کے کنارے پہنچ گیا یا درحقیقت کافر ہو گیا اور روزِ قیامت حقوق اللہ میں سے سب سے پہلے نماز کے متعلق باز پرس ہو گی۔ لہذا اس اہم فریضہ کو ہرگز ہرگز ترک نہیں کرنا چاہئے اور اپنے آپ کو غضبِ ربِ کائنات نہیں بنانا چاہئے۔

وَانْحَرْ

"اور اپنے رب کیلئے قربانی کیجئے"

عام مفسرین نے لفظِ "نحر" سے اونٹوں کی قربانی دینا مراد لیا ہے اور یہی زیادہ موزون و مناسب ہے کیونکہ قرآنِ کریم میں نماز کے بعد عموماً صدقہ و زکوٰۃ کا حکم دیا ہے لہٰذا اگر یہاں بھی قربانی والا معنےٰ لیا جائے تو دوسری آیات سے مطابقت ہو جائے گی۔ نیز مشرکین نے بتوں کی عبادت اور ان کے لئے قربانی کو اپنا وطیرہ بنایا ہوا تھا اس لئے ہادیٔ امم رسولِ معظم صلے اللہ علیہ وسلم کو خالص اپنے رب ہی کی عبادت اور اسی کے لئے مالی صدقہ اور قربانی دینے کا حکم دیا علاوہ ازیں اگر "وانحر" سے قربانی والا معنےٰ مراد لیں تو معانی و مطالب میں زیادہ وسعت پیدا ہو جائے گی کیونکہ فصلّ لربك میں تعظیم باری کا حکم ہے اور "انحر" میں خلقِ خدا پر شفقت و عنایت کا حکم اور عبودیت و بندگی کا کوئی شعبہ ان دو سے خارج نہیں ہے نیز لفظِ نحر کا قربانی کے معنےٰ میں استعمال عام ہے اور الفاظِ قرآن سے وہی معانی مراد لینے ضروری ہوتے ہیں جن میں استعمال شائع و کثیر ہے۔

لیکن قربانی کرنے کے علاوہ بھی چند معانی بیان کئے گئے ہیں۔ امام فراء اس طرف گئے ہیں کہ نحر کا معنےٰ استقبال قبلہ ہے یعنی اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور منہ قبلہ کیطرف کیجئے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا فول وجهك شطر المسجد الحرام " اپنے چہرۂ انور کو مسجد حرام کعبہ شریف کیطرف پھیرو" (۳) [illegible]

متوجہ ہونے کے حکم میں حکمت یہ ہوگی کہ انسان دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے روح جو عالم امر سے ہے اور بدن جو کہ مٹی کا پتلا ہے۔ ارواح کا اصل نور جلال ہے اور ان کا قبلہ اور مرکزِ توجہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور بدن زمین سے پیدا کیا گیا ہے اور اس کا اصل اور مرکز کعبہ شریف والا حصہ ہے۔ سب سے پہلے پانی پر اسی کعبہ والی جگہ ایک حباب اور بلبلا سا موجود تھا جس کے نیچے سے اللہ تعالیٰ نے زمین کو بنایا اور پھیلا دیا۔ لہٰذا جب نماز میں روح کو اللہ تعالیٰ کیطرف متوجہ ہونے کا حکم دیا گیا تو بدن کو کعبہ کیطرف متوجہ ہونے کا حکم دیا گیا۔ گویا روح براہِ راست ذاتِ باری تعالیٰ کیطرف متوجہ ہو سکتا ہے لیکن بدن صرف اپنے مرکز اور اصل یعنی کعبہ شریف" جو کہ تجلیاتِ الٰہیہ کا مہبط و مرکز ہے"، کی بدولت ہی متوجہ ہو سکتا ہے لہٰذا روح و بدن دونوں کو اپنے مرتبہ کے لائق معبودِ حقیقی کیطرف متوجہ کرنے کا حکم فرمایا گیا۔

امامِ رازی نے فرمایا :۔

والنکتۃ المعنویۃ فیہ کانہ تعالیٰ یقول الکعبۃ بیتی وھی قبلۃ صلوٰتک و قلبک قبلۃ رحمتی و نظر عنایتی فلتکن القبلتان محاذ یتین۔

"کعبہ میرا گھر ہے جو کہ آپ کی نماز کے لئے قبلہ ہے اور تمہارا دل میری رحمت اور نظرِ عنایت کا مرکز اور قبلہ ہے لہٰذا حالتِ نماز میں دونوں قبلے ایک دوسرے کے مقابل اور سامنے ہونے چاہئیں تاکہ آپ میرے گھر کیطرف متوجہ رہیں اور میری رحمت اور نظرِ عنایت تمہارے دل کیطرف متوجہ رہے۔

حضرتِ عطار کہتے ہیں کہ نحر سے مراد دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا ہے حتیٰ کہ سینہ سیدھا اور ظاہر ہو جائے یعنی جلسہ کو مکمل طور پر ادا کرنا، نہ یہ کہ ذرا سا سر اٹھایا اور پھر دوسرے سجدہ میں چلا گیا۔

ضحاک اور سلیمان تیمی کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے بعد

دعا کے وقت اپنے ہاتھوں کو سینہ تک اٹھاؤ۔

حضرتِ علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "وانحر" سے مقصود یہ ہے کہ نماز میں ہاتھوں کو بحالت قیام سینہ کے قریب باندھو فرمایا رفع الیدین قبل الصلوٰۃ عادۃ المستجیر العائذ ووضعہا علی النحر عادۃ الخاضع الخاشع "نماز سے پہلے تکبیرِ تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا امن طلب کرنے اور پناہ حاصل کرنے کی علامت ہے اور انہیں حالتِ قیام میں سینہ پر باندھنا خضوع و خشوع اور عاجزی و انکساری والے کی علامت و عادت ہے۔"

یہ معانی اگرچہ فی نفسہٖ صحیح بھی ہیں لیکن اس سورت میں لفظِ "انحر" سے یہ معنے مراد لینا موزون نہیں ہے کیونکہ اگر یہ معانی یہاں مراد ہوتے تو جمہور مفسرین ان کو ترک نہ فرماتے۔ علامہ محمود آلوسی نے فرمایا ولعل فی الاحادیث عند الاکثرین مقالا والا فما قالوا الذی قالوا۔ "شاید کہ اکثر مفسرین کے نزدیک ان روایات کی صحت میں کلام ہے ورنہ ان معانی کو چھوڑ کر صرف قربانی والے معنے مراد نہ لیتے نیز ہم پہلے بتلا آئے ہیں کہ لفظِ "نحر" بمعنے قربانی دینا شائع اور کثیر الاستعمال ہے اور قرانِ کریم کے الفاظ کو ایسے ہی معانی پر محمول کرنا لازم ہے جو کہ عام فہم اور متبادر ہوں اور جن میں الفاظ کا استعمال زیادہ ہو۔

تنبیہ

جس طرح صلوٰۃ کا حکم بظاہر صرف رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن درحقیقت سب مسلمانوں کو ہے اسی طرح قربانی کا حکم بھی صرف رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ امت پر بھی لازم ہے اور امت کے نبی و رسول پر جو انعام و احسان اور فضل و کرم ہوتا ہے وہ فضل و احسان اور لطف و کرم امت کو بھی شامل ہوتا ہے لہذا ان پر بھی اتباعِ رسول میں شکریہ ادا کرنا لازم ہوگا۔ لہذا امتِ محمدیہ علی صاحبہا

سنت کی اتباع لازم ہے۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قالوا ماھذہ الاضاحی قال سنۃ ابیکم ابراھیم "کیا ہیں یہ قربانیاں اور ان کا مقصد کیا ہے تو آپ نے فرمایا یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے" عرض کی گئی اس سنت پر عمل سے کیا نفع ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ ذبح کئے جانیوالے جانور کے بدن پر جتنے بال ہوں گے یا اس کی اون کی جتنی تاریں ہوں گی ہر بال اور ہر تار کے بدلے میں ایک نیکی لکھی جائے گی اور اس کا اجر و ثواب عطا کیا جائے گا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما عمل ابن آدم من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اهراق الدم وانہ لیأتی یوم القیامۃ بقرونها واشعارها واظلافها وان الدم لیقع من اللہ بمکان قبل ان یقع بالارض فطیبوا بها نفسا رواہ الترمذی۔

"حبیب خدا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا دس ذوالحج کو انسان کے لئے اللہ کی راہ میں جانور قربان کرنے سے بڑھ کر کوئی عمل بھی اللہ تعالےٰ کے ہاں زیادہ پسندیدہ نہیں ہے[ع] اور وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور سموں سمیت آئے گا اور

ع اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اصل عبادت جانور کا ذبح کرنا اور اس کا خون بہانا ہے لہذا جو لوگ کہتے ہیں کہ جانور کو ذبح کرنے کی کیا ضرورت بلکہ اسکی قیمت صدقہ کر دینی چاہئے یا حکومت کے خزانہ میں داخل کر دینی چاہئے الغو اور باطل ہے اور حدیث و قرآن کے بالکل خلاف ہے قرآن کریم نے جانور کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس عمل کو سب اعمال سے افضل و اعلیٰ اور اللہ تعالےٰ کے ہاں پسندیدہ ترین فرمایا ہے نیز خود رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر سو اونٹ قربان کئے اور ان کی قیمت کو بیت المال میں داخل نہ فرمایا جبکہ اسلامی لشکر کی تیاری کیلئے بہت بڑی ضرورت درپیش ہوتی تھی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اکثریت ابھی اتنی خوشحال نہیں تھی اور نہ ہی ان کے پاس مال و دولت کی فراوانی تھی لہذا یہ بات لغو و باطل ہے اور دین میں رخنہ اندازی اور فتنہ پردازی کے مترادف ہے اعاذنا اللہ من ذلک ۱۲ منہ غفرلہ

مومن کی نیکیوں والے پلڑہ میں رکھا جائے گا) اوراس جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالےٰ کے ہاں محلِ قبولیت تک پہنچ جاتا ہے لہٰذا ان صدقات اور قربانیوں کو فراخ دلی اور کھلے دل سے کیا کرو۔

حضرتِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ عشر سنین یضحی" رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف میں دس سالہ مدتِ اقامت میں قربانی دیتے رہے۔ عہ

حضرتِ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:۔

ذبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الذبح کبشین املحین اقرنین موجوئین فلما وجھھما الی القبلۃ قال انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوات والارض علی ملۃ ابراھیم حنیفا وما انا من المشرکین۔ ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریک لہ و بذلک امرت وانا من المسلمین اللّٰھم منک و لک عن محمد وامتہ بسم اللہ اللہ اکبر وفی روایۃ اللھم ھذا عنی وعمن لم یضح من امتی۔

" نبی الانبیاء سرورِ ہر دوسرا احمدِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے دس ذوالحج کو مدینہ منورہ میں ذبح فرمائے جو کہ سیاہ رنگ والے، سینگ دار اور خصی کئے ہوئے تھے۔ جب ان دونوں کو قبلہ رخ لٹایا تو اس وقت آپ نے پڑھا کہ میں نے اپنے منہ کو اس ذات کیطرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ میں ملت ابراہیم علیہ السلام پر ہوں جو باطل سے منہ موڑ کر حق کیطرف متوجہ ہونیوالے تھے

عہ یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ قربانی دینا صرف میدانِ منیٰ کے ساتھ خاص نہیں اور صرف حاجیوں پر لازم نہیں بلکہ ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر لازم ہے اور حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے دس سال قیامِ مدینہ کے دوران قربانی دیکر اس وہم کو باطل فرما دیا اور عملی طور پر ہر سال قربانی دیکر اس کی اہمیت کو واضح فرما دیا۔ محمد غفرلہ

اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ بے شک میری نماز اور قربانی، میری زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب اور پروردگار ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں مطیع و فرمانبردار لوگوں میں سے ہوں۔ اے اللہ قربانی کی توفیق تیری طرف سے ہے اور یہ عبادت صرف تیرے لئے ہے۔ یہ قربانی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کی امت کیطرف سے قبول فرما۔ اور بعض روایات میں ہے اے اللہ یہ قربانی میری طرف سے ہے اور میری امت کے ان افراد کیطرف سے جو غربت و افلاس کیوجہ سے قربانی نہیں کر سکتے اور پھر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ان مینڈھوں کو ذبح فرمایا۔

تنبیہ اول رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری امت یا مفلس و نادار افراد کو اپنے ساتھ قربانی کے ثواب میں شریک فرمایا تو اس احسان و اکرام کا تقاضا یہ ہے کہ امتی بھی رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کیطرف سے قربانی کریں اور ثواب آپ کی بارگاہ میں پیش کریں۔ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ ہمیشہ دو مینڈھے ذبح فرمایا کرتے تھے۔ جب پوچھا گیا کہ آپ دو جانور کیوں ذبح کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا اوصانی خلیلی ان اضحی عنہ۔ فانا اضحی عنہ "میرے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں ان کیطرف سے قربانی کروں اس لئے میں دوسرا جانور ان کی طرف سے ذبح کیا کرتا ہوں۔

تنبیہ ثانی امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی امت کیطرف سے فرمائی خواہ وہ موجود تھے یا نہ تھے بلکہ بعد میں پیدا ہونیوالے تھے یا پہلے وفات پا چکے تھے تو معلوم ہوا کہ کسی بھی مسلمان کیطرف سے صدقہ کرنا اور اپنے ثواب میں اسے شریک کرنا، خواہ وہ زندہ ہو یا فوت ہو چکا ہو یا ابھی پیدا بھی نہ ہوا ہو، بالکل جائز اور کارِ ثواب ہے بلکہ سنتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے وسیجیئ ہذا البحث ۔

حجۃ الوداع کے موقع پر سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے سو اونٹ قربان کیا جن میں سے تریسٹھ اونٹ آپ نے اپنے دستِ اقدس سے ذبح فرمائے اور باقی

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح فرمائے ثم انصرف الی المنحر فنحر ثلاثا وستین بدنۃ بیدہ ثم اعطی علیا فنحر ما غبر رواہ مسلم۔

عجیبہ جب رسول عالم صلی اللہ علیہ وسلم ذبح کرنے کے لئے خنجر ہاتھ میں لے کر اونٹ کے سامنے آئے اور اونٹ پانچ پانچ چھ چھ کی ٹولی میں آپ کے پاس لائے جانے لگے تو وہ ایک دوسرے کو دھکیل کر اپنی گردن آگے کرتے تاکہ سب سے پہلے اسے ذبح کیا جائے۔ عبد اللہ بن قرط رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں:۔

قرب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدنات خمس او ست فطفقن یزدلفن الیہ بایتھن یبدأ۔

سبحان اللہ! جانوروں کو بھی محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے کتنا عشق ہے کہ جان جانے کا غم نہیں، بھاگ کر جان بچانے کی فکر نہیں بلکہ ہر ایک اس خواہش پر کہ سب سے پہلے مجھے ان کے دست اقدس سے ذبح ہونا نصیب ہو دوسرے کو دھکیل کر گردن آگے بڑھاتا ہے ؎ جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف اے کشتۂ ستم تری غیرت کو کیا ہوا

جب جانوروں کے اندر اتنا سوز و گداز ہے اور محبوب کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ذبح ہونے کا اس قدر شوق ہے تو پھر انسانوں کے اندر عشق و محبت کے جو جذبات اس وقت موجزن ہوتے ہوں گے جب محبوب کے قدموں پر وہ اپنی جانیں قربان کرتے ہوں گے، اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ وہ تو اس عظیم نعمت کا دشمن کے حصہ میں آنا کبھی گوارا ہی نہیں کرتے ؎

نشود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

جب حضرتِ خلیل نے حضرتِ اسماعیل (علیہما السلام) کو فرمایا انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری تو عرض کرتے ہیں یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین" اے بیٹے میں خواب دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں تیری کیا رائے ہے تو وہ پکار اٹھے کہ اے خلیلِ خدا تم میری گردن کو مشقِ ناز

بنائیے میرا سرِ تسلیم خم ہے اور ان شاء اللہ ذرہ بھر اضطراب و بے چینی کا مظاہرہ نہیں ہو گا، بے فکر رہیئے۔

فائدہ علامہ اسماعیل حقی صاحبِ روح البیان کشف الاسرار سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ کی امت میں سے جو بھی مفلس و درویش ہو اور قربانی نہ کر سکے تو کوئی ایسی صورت ہے جس سے وہ قربانی کا ثواب حاصل کر سکے؟ آپ نے فرمایا کہ چار رکعت نفل پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد گیارہ مرتبہ سورۂ کوثر پڑھے اللہ تعالٰے ساٹھ قربانیوں کا ثواب اس کے نامۂ اعمال اور دفترِ حسنات میں درج فرمائے گا۔

نکتۂ اولیٰ قربانی کے طور پر بھیڑ، دنبہ، بکری، گائے، بھینس اور اونٹ سبھی ذبح کئے جا سکتے ہیں لہذا "ضَحِّ" (قربانی کرو) فرما دیا جاتا وانحر' اونٹ کی قربانی کرو، کیوں فرمایا اور عام لفظ کی بجائے مخصوص لفظ کو کیونکر اختیار فرمایا گیا تو اس میں یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جس طرح نماز سب عباداتِ بدنیہ سے بڑی عبادت ہے اسی طرح اونٹ قربانی کے جانوروں میں سب سے بڑا ہے لہذا عبادتِ بدنیہ کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی قربانی ادا کیجئے۔ نیز اونٹ جیسے جانور کو غریب اور فقیر آدمی ذبح نہیں کر سکتا تو اس میں یہ بشارت بھی ہے کہ یہ فقر و فاقہ اور مسکنتِ ظاہرہ ختم ہو جائے گی اور آپ سو سو اونٹوں کی قربانی کرو گے اور یہ غیبی خبر حجۃ الوداع کے موقع پر پوری ہو گئی۔

نکتۂ ثانیہ نماز کے بعد عموماً زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے لہذا یہاں بھی اسے ہی ذکر کیا جاتا، قربانی کو ذکر کیوں فرمایا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین کی نمازیں اور سجدے بتوں کے لئے ہوتے تھے اور قربانیاں بتوں کے لئے ہوتی تھیں لہذا اللہ تعالٰے نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ آپ کی نماز اور قربانی صرف اللہ تعالٰے کے لئے ہونی چاہیئے نیز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیاری زہد کے تحت درہم و دینار اور سونا چاندی تو اپنے پاس رکھا ہی نہیں

اس لئے زکوٰۃ کا حکم نہیں دیا اور اسے واجب نہ فرمایا البتہ قربانی آپ پر واجب تھی لہٰذا فرمایا وَانْحَر ۔ نیز اونٹ عرب کے نزدیک انتہائی پسندیدہ مال ہے اور عظیم منافع میں سے ہے لہٰذا اس کی قربانی کا حکم دیکر یہ تنبیہ فرمائی کہ آپ کی توجہ لذاتِ دنیویہ اور اموالِ فانیہ کیطرف نہیں ہونی چاہیئے بلکہ تمہارا مقصودِ اصلی میری ذات ہونی چاہیئے اور آپ کو علی الخصوص یہ حکم دیکر امت کو تنبیہ کرنا ہے کہ جب دنیائے فانی کی بجائے صرف اللہ تعالےٰ کیطرف توجہ تمہارے آقا و موالے صلے اللہ علیہ وسلم پر لازم ہے تو تم پر بطریقِ اولیٰ لازم ہے اور اس میں کوئی غفلت و سستی کسی بھی طرح روا نہیں ہے۔

لِرَبِّكَ اسکا تعلق صلوٰۃ اور قربانی دونوں کے ساتھ ہے لہٰذا اصل عبارت فصل لربك وانحر لربك ہونی چاہیے تھی لیکن فَصَلِّ کے بعد جب اس لفظ کو ذکر فرمادیا گیا تو "وانحر" کے بعد بھی اس کا مراد ہونا واضح ہو گیا لہٰذا پہلے ہی کی موجودگی میں دوسرے کو لفظاً ذکر کرنا ضروری نہ رہا لہٰذا اسے اختصار کے لئے حذف کر دیا گیا اور مطلوب و مقصود بھی حاصل ہو گیا یعنی نماز اور قربانی دونوں کا فقط رب تعالےٰ کے لئے ہونا، دوسرے مقام پر بھی یہی تعلیم دی گئی ہے

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین ۔

"آپ فرمادیں کہ میری نماز اور قربانی، حیات و ممات اس اللہ کے لئے ہے جو کہ رب العالمین ہے ۔ میری عبادت اور قربانی اے مشرکین عرب تمہاری طرح بتوں اور غیر اللہ کے لئے نہیں ہے اور نہ میں ان میں سے کسی غیرِ خدا کو خدائے بزرگ و برتر کے ساتھ شریک ٹھہرانے والا ہوں ۔

امام رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ لربك والا لام نماز و قربانی اور جملہ عبادات کے لئے یوں ہے جیسا کہ بدن کے لئے روح ، بدن جتنا حسین سے حسین کیوں نہ ہو جب تک اس میں روح نہیں اس کا کوئی کمال کمال نہیں بن سکتا اور نہ کسی مدح و ثناء کا مستحق ہے بلکہ وہ تو تعفن اور تفرق کے در پے ہو گا، عنقریب گل سڑ کر تباہ و برباد

ہو جائے گا لہٰذا وہ پھینک دینے یا دفن کرنے کے ہی قابل ہے اسی طرح نماز اگرچہ بظاہر احسن طریقہ سے ادا کی گئی ہو۔ قیام و قرارت بڑے لمبے ہوں، رکوع و سجود بڑے طویل ہوں لیکن غیر اللہ کے لئے ہو یا ریا کاری اور دکھلاوا پیشِ نظر ہو تو وہ اس بدن کی مانند ہے جو روح سے عاری اور خالی ہو اس کی کوئی قدر و قیمت اللہ تعالےٰ کے ہاں نہیں ہے بلکہ وہ باعثِ منفعت و ثواب ہونے کی بجائے عذاب و عقاب کا باعث بن جاتی ہے۔ ایسی قربانی جو بظاہر بڑی نفیس اور قیمتی ہو لیکن خلوص و للّٰہیت والی روح اس میں موجود نہ ہو تو وہ بے کار ہے، اللہ تعالےٰ کے قرب کی بجائے بُعد اور دوری کا باعث بنتی ہے اور موجبِ عذاب و عقاب۔

مشرکین جانوروں کو اپنے بتوں کے نام پر پالتے تھے اور انہی کے نام کے ساتھ ذبح کرتے تھے۔ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرنے کی بجائے بسم اللات والعُزّٰی کہہ کر ذبح کرتے تھے اور انہی بتوں کے لئے قربانی دیتے تھے اور انہی کی عبادت ان کے پیشِ نظر ہوتی تھی اور اس عبادت میں اللہ وحدہٗ لا شریک کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے تراشے اور تیار کئے ہوئے بتوں کو بھی اللہ تعالےٰ کیساتھ شریک کرتے اور ان کے صدقات و قربانیوں کی اپنے معبودانِ باطلہ اور معبودِ برحق خالقِ کائنات جل و علا کے درمیان تقسیم کو قرآنِ کریم نے یوں بیان فرمایا ھذا للہ بزعمھم وھذا لشرکائنا فما کان لشرکائھم فلا یصل الی اللہ وما کان للہ فھو یصل الی شرکائھم ساء ما یحکمون ۵" ان کے زعم اور قولِ باطل کے مطابق یہ حصہ اللہ تعالےٰ کے لئے ہے اور یہ معبوداتِ باطلہ اور اصنام و احجار کے لئے جو ان کے شرکاء کا حصہ ہے وہ تو اللہ تعالےٰ کی طرف نہیں جا سکتا اور اس کے حصہ کے ساتھ مخلوط نہیں ہو سکتا لیکن جو اللہ تعالےٰ کے لئے ہے وہ ان معبوداتِ باطلہ اور شرکاء کیطرف پہنچ سکتا ہے اور ان کے حصوں کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے۔ ان کا یہ قول بہت ہی برا ہے اور یہ شرک بہت ہی قبیح ہے۔

جب رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ ہر قسم کی مالی اور بدنی

عبادات صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کے لئے ہیں اور کوئی ان کا مستحق نہیں ہے تو مشرکین نے کہا اجعل الالٰھۃ الٰھا واحدا ان ھذا لشیئ عجاب "کیا انہوں نے اتنے کثیر التعداد خداؤں اور معبودوں کو صرف ایک خدا بنا دیا یعنی دوسروں کی خدائی و الوہیت کی نفی کر دی اور صرف ایک ذات کو ان عبادات کا مستحق و حقدار بنایا یہ تو بہت عجیب بات ہے" اور خود قیامت میں ان کا اپنے اس زعم باطل پر اظہار افسوس کرنا اور اپنی گمراہی و بیدینی کا اعتراف کرنا قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا ہے تاللہ ان کنا لفی ضلٰل مبین ○ اذ نسویکم برب العٰلمین "بخدا ہم یقیناً اس وقت گمراہی اور کھلی بیدینی پر تھے جبکہ تمہیں اللہ رب العالمین کے برابر جانتے تھے اور اس کے شریک مانتے تھے"

اور بعض مشرکین کہتے تھے کہ ہم اس قابل کہاں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں لہٰذا ہم تو صرف ان اصنام کی عبادت کریں گے اور یہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں گے مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی۔ حالانکہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور مخلوق میں سے کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو اس میں شریک کرنا یا صرف غیر اللہ کے لئے اسے مختص کر دینا، دونوں ظلم عظیم ہیں ان الشرک لظلم عظیم۔ اور یہ فعل اتنا قبیح ہے کہ اس میں حلال اور جائز ہونے کی بالکل صلاحیت نہیں ہے۔ اسی لئے تمام ادیان سماویہ و تمام زمانوں میں حرام رہا ہے اور حرام رہے گا۔ اسی لئے اپنے محبوب و مطلوب صلے اللہ علیہ وسلم کیطرف روئے سخن کرتے ہوئے فرمایا فصل لربک وانحر "صرف اپنے رب کے لئے نماز ادا کیجئے اور قربانی دیجئے" اور جب آپ کو یہ حکم ہے تو دوسروں کے لئے بطریق اولیٰ اخلاص اور توحید فی العبادات لازم و ضروری ہو گی۔

تنبیہ اول عبادت کہتے ہیں غایۃ التذلل کو یعنی عاجزی اور انکساری کو انتہا تک پہنچا دینا۔ اور یہ اسی صورت میں متحقق ہو گی جب کسی بھی غیر اللہ میں اللہ تعالیٰ والے صفات رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین تسلیم کئے جائیں جبتک ایجاد و تخلیق اور بقا و دوام اور موت و حیات اور حشر و نشر کی قوت کسی میں تسلیم نہ کی جائے اس کے سامنے کیجانیوالی عاجزی و انکساری اور تواضع و فروتنی عبادت نہیں بن سکتی اور جب یہ اوصاف

کسی میں تسلیم کر لیے جائیں تو اسی وقت شرک لازم آجائے گا خواہ اسے سجدہ نہ بھی کرے اور اس کے سامنے دست بستہ قیام نہ بھی کرے اور یہ صفات غیر اللہ میں تسلیم کئے بغیر سجدہ بھی کرے تو شرک نہیں ہے۔

اللہ رب العزت نے فرشتوں کو حکم دیا اسجدوا لآدم "حضرتِ آدم کے سامنے سجدہ کرو" فسجدوا الا ابلیس ابی واستکبر وکان من الکافرین "تمام نے حضرتِ آدم کے سامنے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے اس نے انکار کر دیا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور کافرین میں سے ہو گیا"

حضرت یعقوب علیہ السلام، ان کی زوجہ محترمہ نے اور تمام بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ کیا رفع ابویہ علی العرش وخروا لہ سجدا "انہوں نے اپنے والدین کو اپنے تختِ سلطنت پر اپنے ساتھ عزت و کرامت کے ساتھ بٹھایا پس وہ، ان کے بھائی، ان کے سامنے سجدے میں گر گئے"، اور انہوں نے فرمایا یا ابت ھذا تاویل رؤیای من قبل "اے میرے باپ یہ ہے میرے اس پہلے خواب کی تعبیر جس کو میں نے دیکھا تھا" اذ قال یوسف لابیہ یا ابت انی رأیت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رأیتھم لی ساجدین "کہ گیارہ ستارے اور شمس و قمر میرے سامنے سجدے میں گرے ہوئے ہیں، آج وہ خواب پورا ہو گیا۔

اگر کسی کے سامنے سجدہ کرنا اس کی عبادت بن جاتا اور شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی ملائکہ کو اس کا حکم نہ دیتا ان اللہ لا یامر بالفحشاء "اللہ تعالیٰ بری باتوں کا حکم نہیں دیتا" اور شرک سے بڑھ کر تو بری شی ہے ہی نہیں۔ اور جس نے سجدہ لغیر اللہ سے انکار کیا وہ تو مستحقِ عزت و کرامت سمجھا جاتا نہ کہ قیامت تک لعنت کا مستحق ان علیک لعنتی الی یوم الدین۔ نیز حضرتِ یعقوب علیہ السلام جیسا عظیم الشان پیغمبر اور ان کا گھرانا حضرتِ یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز نہ ہوتا اور حضرتِ یوسف علیہ السلام بھی نبی ہوتے ہوئے اس شرک اور عبادتِ غیر اللہ کی اجازت نہ دیتے

اور اسے اپنے خواب کی تعبیر قرار دیکر اس پر مسرت و شادمانی کا اظہار نہ کرتے۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ عبادت وہ فعل ہے جس میں انتہائی تواضع اور انکساری ہو اور وہ اسی صورت میں ہے جبکہ صفاتِ الوہیت اور خواصِ خداوندی مثلاً رب العالمین ہونا، رحمٰن و رحیم ہونا اور مالکِ یوم الدین ہونا غیر میں تسلیم کیئے جائیں علمِ کلام میں شرک کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:-

الشرك اثبات الالوهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنى استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام۔ (شرح عقائد نسفی)

"شرک کا معنٰے ہے کسی غیر اللہ میں الوہیت ثابت کرنا خواہ الوہیت بمعنٰی وجوب الوجود ہو یعنی وہ غیر بھی اپنے وجود میں مستقل ہے اور کسی خالق کیطرف محتاج نہیں جیسے کہ اللہ تعالٰے خود بخود موجود ہے اور کوئی اس کا خالق نہیں ہے، جیسے کہ مجوسیوں نے دو خدا تسلیم کئے ہیں ایک خالقِ خیر جسے یزدان کہتے ہیں اور دوسرا خالقِ شر جسے اہرمن کہتے ہیں، یا بمعنے استحقاقِ عبادت یعنی کسی غیر کو مستحقِ عبادت سمجھنا جیسے کہ بت پرست لوگ اپنے بتوں کو عبادت کا حقدار سمجھتے تھے اور بدنی و مالی طور پر ان کی عبادت کرتے تھے۔ اذ نسويكم برب العالمين۔ ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى۔ اجعل الالهة الها واحدا، الى غير ذلك من الآيات۔

لہٰذا رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم یا اولیاء کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم و تکریم اس لحاظ سے کہ وہ اللہ تعالٰے کے پیارے بندے ہیں اور محبوب و مطلوب ہیں، نہ وہ خدا ہیں اور نہ خدا کے بیٹے، نہ خدا تعالٰے کے ساتھ اس کی صفات میں شریک، نہ تو یہ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادت ہے اور نہ ہی اولیاء کرام کی اور نہ ہی اس میں شرک کا شائبہ ہے بلکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام کی تعظیم اس لیے کہ وہ اللہ تعالٰے کے رسول ہیں

اور اللہ تعالےٰ کے ولی ہیں، یہ صرف اللہ تعالےٰ کی عبادت ہے اور ایاک نعبد میں داخل ہے جیسا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ نے تفسیر عزیزی کے اندر ایاک نعبد کے تحت فرمایا ہے کہ ان عبادات سے جو کہ آنکھ سے تعلق رکھتی ہیں، یہ ہیں :-

دیدن مشاہدِ خیر مثل کعبۂ شریفہ و قرآن مجید و دیدن بزرگان مثل انبیاء و اولیاء و زیارتِ قبورِ شہداء و صالحاں کہ جانِ خود را در راہِ او باختہ اند و اوقاتِ عزیزِ خود را در یادِ او گزرانیدہ صـ۹ ـ

" مقاماتِ خیر و برکت کو دیکھنا مثلاً کعبہ شریف و قرآنِ مجید اور بزرگ و مقدس ہستیوں کی زیارت مثلاً انبیاء کرام اور اولیاء کرام اور شہداء و صالحین کی قبروں کی زیارت کرنا جنہوں نے اپنی جان کو راہِ خدا میں قربان کیا اور اپنے قیمتی اوقات کو اللہ تعالےٰ کی یاد میں صرف کیا۔"

لہٰذا گنبدِ خضریٰ کی زیارت اور اولیاء کرام کے مزارات کی زیارت اور ان کے ادب و احترام کو شرک کہنا، میلادِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور گیارہویں وغیرہ کو شرک و کفر کہنا، اعراسِ بزرگانِ دین کو شرک و کفر کہنا بالکل لغو و باطل ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص زندہ ولی کو یا وصال کے بعد اس کی قبر کو یا رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کے مزارِ اقدس کو سجدہ کرے تو یہ شرک نہ سہی حرام ضرور ہے کیونکہ ہماری شریعت میں غیر اللہ کے لئے سجدہ حرام ہے خواہ تعظیم کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔ اور پہلی شریعتوں میں سجدہ بطور تحیۃ وسلام کے جائز تھا۔ حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر سجدہ غیر اللہ کے لئے جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ بلکہ عوام کو تو مزار بوسی کی بھی اجازت نہیں دی گئی اور خواص کو بھی عوام کے سامنے ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے تاکہ عوام اسے سجدہ نہ سمجھ لیں اور حرام کام کے مرتکب نہ ہو جائیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں " ولیکن باید کہ

مسح نکند قبر را و بوسہ ندہد چنانکہ عادتِ یہود است۔" انتہیٰ لیکن خواص کو ہاتھ لگانے اور بوسہ دینے میں بشرطیکہ عوام کالانعام کے سامنے نہ کیا جائے کوئی حرج نہیں ہے، جیساکہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ اپنے رخسار کو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے مزارِ اقدس پر رکھے ہوئے تھے جب مروان حاکمِ مدینہ نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو تنبیہ فرمائی اور منع کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مزارِ انور ہے کوئی بت تو نہیں جس کی میں تعظیم کر رہا ہوں! میں نے رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ دین پر اس وقت تک نہ رونا جب تک اس کے حاکم اہل و لائق ہوں۔ اب تجھ جیسے نالائق اور نااہل حاکم ہیں جنہیں مزارِ اقدس اور بتوں کے درمیان امتیاز ہی نہیں، تعظیمِ مصطفےٰ اور عبادتِ اصنام میں فرق ہی معلوم نہیں لہٰذا اب دین پر رونے اور آنسو بہانے کا وقت آگیا ہے۔ ؎

نیز فقہاءِ کرام نے ماں باپ کی قبروں کو بوسہ دینا جائز رکھا ہے۔ اگر بوسہ دینا عبادت ہوتا یا سجدہ کے حکم میں ہوتا تو قطعاً اس کی اجازت نہ ہوتی اور جب ماں باپ کی قبروں کو بوسہ دینا جائز ہے تو وہ ہستیاں جن کے قدموں کی خاک پر ہمارے ماں باپ اور ہم قربان ہوں ان کا بوسہ دینا کیونکر شرک و کفر، اور عبادت لغیر اللہ ہوگا؟

تنبیہ ثانی دنبہ، بکرا، گائے، بھینس وغیرہ کو غیر اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کرنا خواہ لات و عزیٰ کا نام ہو یا رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کے اولیاءِ کرام کا، بالکل ناجائز ہے اور کفر و شرک ہے کیونکہ یہی وطیرہ مشرکینِ عرب کا تھا اور اسی کو اللہ تعالےٰ نے وما اھل لغیر اللّٰہ کہہ کر حرمت کا حکم لگایا ہے اور مفسرین کرام نے اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں وضاحت فرمادی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ذبح کیوقت غیر اللہ کا نام لیکر اسے ذبح کیا جائے جیساکہ مشرکین ذبح کیوقت باسم اللات والعزیٰ کہہ کر ذبح کرتے تھے۔ یہ تفسیر میں یہی معنیٰ مذکور ہے لہٰذا وہ جانور جو ان آیات...

اللہ اکبر پڑھا جائے غیر کا نام شامل نہ کیا جائے تو وہ ذبح للہ ہے لغیر اللہ نہیں لہذا اسکا گوشت کھانا بالکل جائز ہے۔ لہذا وہ جانور جنہیں اللہ کے نام پر ذبح کیا جاتا ہے اور ان کا گوشت اللہ کے نام پر صدقہ کیا جاتا ہے اور جو ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے وہ بزرگانِ دین کے ارواح کو پیش کیا جاتا ہے اسے غیر اللہ کی عبادت قرار دینا اور شرک و کفر کے فتوے لگانا بہت بڑی جہالت اور بے دینی ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ بکرا غوثِ اعظم کا ہے یا یہ گائے خواجۂ اجمیر کی ہے تو ان کا مقصد قطعاً یہ نہیں ہوتا کہ ان کی عبادت کے لئے اسے ذبح کرنا ہے اور وہ اللہ کے ساتھ اس مالی عبادت میں شریک ہیں بلکہ صرف یہ مقصد ہوتا ہے کہ جو ثواب اس کے صدقہ کرنے سے ملے گا وہ ان مقدس ہستیوں کے لئے ہے اور اسی مقصد کے تحت یہی الفاظ خود صحابہ کرام نے انہی مواقع میں استعمال فرمائے ہیں۔

حضرتِ سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ نے انتقال فرمایا تو انہوں نے انکی طرف سے صدقہ کرنا چاہا۔ بارگاہِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا کہ کونسا صدقہ افضل ہے تو آپ نے فرمایا پانی صدقہ کرنا سب سے افضل ہے تو انہوں نے کنواں کھودا اور اسے اللہ کے لئے وقف کر دیا اور کہا ھذا لام سعد " یہ کنواں سعد کی ماں کے لئے ہے" یعنی اس کا ثواب سعد کی والدہ کے لئے ہے۔

اسی طرح حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بصرہ سے چند آدمی آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تمہارے قریب ایک قصبہ ہے جسے اُبلہ کہا جاتا ہے اسے جانتے ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا ہاں ہم جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا۔

من یضمن لی منکم ان یصلی فی مسجد العشار رکعتین
او اربع رکعات ثم یقول ھذہ لابی ھریرۃ۔

"تم میں سے کون مجھے اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ وہ ابلہ کی مسجدِ عشار میں دو یا چار رکعت نماز پڑھے! اور پھر کہے کہ یہ ابو ہریرہ کے لئے ہے یعنی اس کا ثواب ابو ہریرہ کے نامۂ اعمال میں درج ہو" (مشکوٰۃ شریف)

نماز بھی اللہ کے لئے ہے اور صدقہ بھی اللہ کے لئے ہے لیکن نماز کا ثواب حضرت ابو ہریرہ کو پہنچانا ہے اور صدقہ کا ثواب امِ سعد کو پہنچانا ہے لہذا اس نیت سے یہ کہنا کہ یہ نماز ابو ہریرہ کے لئے ہے یا یہ کنواں امِ سعد کے لئے ہے، جائز ہے لہذا اسی طرح یہ کہنا کہ یہ بکرا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے لئے ہے اور یہ گائے حضرت خواجہ اجمیری رضی اللہ عنہ کے لئے ہے وغیرہ وغیرہ، بالکل جائز ہے نیز کسی کی طرف سے جانور ذبح کر کے اسے ثواب میں شریک کرنا سنتِ مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔

الغرض عبادت مالی ہو یا بدنی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے لیکن عبادت اللہ کے لئے کی جائے اور اس سے ملنے والے ثواب کو کسی کی طرف بھی بطور ہدیہ پیش کیا جا سکتا ہے اور یہ بالکل جائز ہے۔ عقائد کی کتابوں میں ہے وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتہم عنہم نفع لہم۔ زندہ لوگوں کا فوت ہونے والوں کے لئے دعا کرنا، صدقہ کرنا اور ایصالِ ثواب کرنا ان کے لئے نافع ہے لہذا کوئی بھی اہلِ سنت والجماعت اور مذہبِ حق کا پرستار اس کو کفر و شرک اور ناجائز و حرام نہیں کہہ سکتا۔

نکتہ اہلِ سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور کسی ولی، غوث و قطب کے لئے بلکہ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی جائز نہیں البتہ عبادتِ خط کو عظمتِ مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر قربان کیا جا سکتا ہے اور ان کے ادب و احترام کی خاطر ترک کیا جا سکتا ہے۔

حضرتِ علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے نمازِ عصر کو قضا کر دیا اور محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ ناز کو اپنی گود سے باہر نہ نکالا اور اپنی نماز ادا کرنے کے لئے انہیں بیدار نہ کیا۔ نیز جان کی حفاظت جو فرائض سے مقدم فرض ہے، حضرتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اسے حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے آرام پر قربان کر دیا۔ سانپ کا ڈسنا اور جان دینا برداشت کر لیا لیکن آرامِ مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم میں خلل انداز ہونا گوارا نہ کیا۔ امامِ اہلِ سنت نے فرمایا ؎

مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز

اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے

صدیق بلکہ غار میں جان اس پہ دے چکے
اور حفظِ جاں تو جانِ فروض و غرر کی ہے
ہاں تو نے ان کو جان انہیں پھیر دی نماز
پردہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے ۔

حضرت سعید بن المعلیٰ رضی اللہ عنہ نماز میں مصروف تھے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد فرمایا تو وہ ذرا دیر سے پہنچے ، سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا میں نماز میں مصروف تھا جبکہ آپ نے آواز دی اس لئے جلدی جلدی نماز پڑھی اور پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تو نے اللہ کا یہ حکم نہیں سنا یاایھا الذین اٰمنوا استجیبوا للّٰہ وللرسول اذا دعاکم " اے ایمان والو جب اللہ اور اسکا رسول صلے اللہ علیہ وسلم پکاریں تو فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہو جایا کرو " تو پھر تم کیوں مشغول و مصروف رہے (مشکوٰۃ)

سبحان اللہ ! اللہ کے نزدیک اپنے محبوب کی عظمت و کرامت کسقدر ہے کہ بندہ اسکی نماز پڑھ رہا ہو اور ادھر اس کا محبوب اسے پکارے تو حکم فرمایا جا رہا ہے کہ میری نماز کو چھوڑ دے اور میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ صحابہ کی توحید یہ ہے اور قرآن کی توحید یہ ہے کہ نماز آرامِ مصطفٰے پر قربان ، نماز سے اہم فریضہ حفاظتِ جان ہے وہ بھی آرامِ مصطفٰے پر قربان ، نماز میں کھڑے ہوں لیکن محبوبِ خدا کا بلاوا آئے تو نماز کو چھوڑ دینا فرض اور چودھویں صدی کی توحید یہ ہے کہ نماز میں اس محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا خیال گدھے اور بیل کے خیال سے بدتر ہے نعوذ باللہ من ذٰلک (صراطِ مستقیم اسماعیل دہلوی)

نکتۂ اولیٰ فصلِّ لربّکَ وانحر ۔ فرضیتِ نماز اور قربانی کے مقام میں اپنی صفتِ ربوبیت کو ذکر فرمایا اور انا اعطیناک الکوثر میں اپنی کسی صفت کو ذکر کرنے کی بجائے لفظِ ضمیر استعمال فرمایا جو کہ محض ذات پر دلالت کرتا ہے یعنی لفظِ " نا " ضمیر متکلم مع الغیر ، اس کے کئی وجوہ ہیں :

وجہ اول، کلام میں مختلف اسلوب و انداز بیان اختیار کرنا فصاحت و بلاغت کے اہم اسباب میں سے ہے اس لئے کبھی اپنی ذات کو لفظِ ضمیر سے تعبیر فرمایا اور کبھی صفتِ ربوبیت سے تعبیر فرمایا۔

وجہِ ثانی، ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو ذکر فرمانے میں اور لفظِ ضمیر کی جگہ "ربک" کو استعمال فرمانے میں حکم کی اہمیت پر متنبہ کرنا مقصود ہے کہ نماز کو ادا کرنا اور قربانی دینا تمہارے رب کا حکم ہے جیسے کہ ایک بادشاہ کسی کو کہے کہ میں تجھے یہ حکم دے رہا ہوں۔ اس کی نسبت یہ کہنا زیادہ فصیح و بلیغ ہے اور زیادہ تاکید پر مشتمل ہے کہ امیر المؤمنین تجھے یہ حکم دے رہا ہے لہٰذا یہاں بھی نماز کی فرضیت اور قربانی کا وجوب بیان کرتے وقت واضح فرما دیا کہ یہ تمہارے رب کا حکم ہے اور کوئی بھی پروردہ نعمت اپنے مربی کی نافرمانی نہیں کرتا لہٰذا نماز و قربانی میں کسی طرح کی کاہلی اور غفلت کو روا نہیں رکھنا چاہئے۔ وجہِ ثالث، نیز ضمیر "نا" شرکت مع الغیر پر دلالت کرتی ہے اور نماز خالصتہً اللہ وحدہ کے لئے ہے لہٰذا فصل لنا کی جگہ فصل لربک وانحر فرمایا تاکہ پتہ چل جائے کہ نماز و قربانی صرف اللہ کے لئے ہے۔

نکتہ ثانیہ فصل لربک فرمایا اور فصل لنا نہیں فرمایا کیونکہ ضمیر ذات سے عبارت ہوتی ہے تو اس صورت میں ایسے شکر کی بجا آوری کا امر و حکم ہوتا جو ذاتِ رب العزت جل وعلا کے شایانِ شان ہو اور کسی مخلوق میں یہ طاقت و توانائی نہیں ہے کہ وہ اس کی ذات کے شایاں حمد و ثنا اور مدح و شکر کر سکے۔ محبوب کریم صدر نشین عرشِ اعظم، خلوت نشینِ مجلسِ دنیٰ فتدلّٰی، رازدارِ فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علٰی نفسک "اے اللہ میں کما حقہ تیری حمد و ثنا نہیں کر سکتا اور نہ تیرے صفاتِ کمالیہ غیر متناہیہ کا احاطہ کر سکتا ہوں، تو ایسی حمد کے لائق ہے جو تو نے خود اپنی حمد کی ہے اور عظمتِ شان بیان فرمائی ہے" لہٰذا فصل لنا فرمانے کی بجائے فصل لربک فرمایا یعنی نعمتِ تربیت و پرورش کے شایانِ شان حمد و ثنا اور شکر بجا لاؤ۔

نکتہ ثالثہ لربک فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم

کو بشارت دی ہے کہ میں نے تمہیں طاعت و تابعداری سے پہلے اس طرح پالا اور پرورش فرمائی اور تربیت و تادیب فرمائی کہ ہر نبی نے تم سے فیض حاصل کیا، علم و ادب اور معرفت و حکمت کا درس لیا اور آپ کو عالمِ ارواح میں ہی منصبِ نبوت و رسالت پر فائز فرما کر نبی الانبیاء بنا دیا۔ تو کیا ان عبادات کی بجاآوری کے بعد تمہیں تمہارا رب بھلا دے گا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ وہ رب ہے اور رب ہر وقت تربیت فرماتا ہے لہذا آخرت میں بھی تمہارا رب تمہیں وہ عزت و عظمت اور سربلندی و سرفرازی عطا فرمائے گا کہ سب اہلِ محشر تمہاری جنبشِ لب کے منتظر ہوں گے، تم سے شفاعت کے طلبگار ہوں گے اور تمہارے لواء الحمد اور سایۂ رحمت کی پناہ ڈھونڈتے ہوں گے۔ فصلی اللہ علی حبیبہ و محبوبہ و مطلوبہ عدد نعمہ علیہ و عدد خلقہ و زنۃ عرشہ و ملاء السموات و الارض قدر حسنہ و جمالہ و جاھہ و جمالہ و برہ و نوالہ و اصحابہ و آلہ صلاۃ تبقی و تدوم بدوام الملک الحی القیوم۔

اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ

"بے شک آپ سے بغض و عداوت رکھنے والا ہی ابتر ہے"

جو آپ سے دشمنی رکھے گا اور آپ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرے گا وہ ابتر ہے نہ اس کی یاد اور پسندیدہ ذکر باقی رہے گا اور نہ ہی نسل اور نام و نشان۔

شانِ نزول اس آیت کے شانِ نزول میں مختلف اقوال ہیں:۔

۱۔ رحمتِ عالم و عالمیان، سیدِ انس و جان صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ حرام سے باہر تشریف لا رہے تھے اور عاص بن وائل سہمی مسجد میں داخل ہو رہا تھا۔ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اس سے کچھ بات چیت ہوئی جب وہ مسجدِ حرام میں داخل ہوا تو قریش کے سردار جو اندر موجود تھے انہوں نے پوچھا تو کس سے کلام کر رہا تھا؟ تو اس بدبخت نے کہا اس ابتر کے ساتھ یعنی محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ آنحضرت کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا جب وصال ہوا اور آپ کی نرینہ اولاد باقی نہ رہی تو عاص بن وائل لعین نے کہنا شروع کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابتر ہیں یعنی ان کا کوئی بیٹا نہیں جو ان کے بعد جانشین بن سکے لہٰذا جب یہ فوت ہو جائیں گے تو ان کا ذکر ختم ہو جائے گا، ان کی یاد دلوں سے مٹ جائے گی اور تمہیں آرام و سکون مل جائے گا۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب و مطلوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے اور اس بد باطن خبیث کا رد کرنے کے لئے فرمایا انا اعطینٰک الکوثر "ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے"، تمہارا ذکرِ خیر قیامت تک اور اس کے بعد بھی باقی رہے گا بلکہ جو تم سے بغض و عناد رکھنے والا ہے وہی بے نام و نشان ہو جائے گا۔ حبرِ امت حضرتِ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل و کلبی اور عام اہلِ تفسیر نے اسی قول کو اختیار فرمایا ہے۔

۲۔ کعب بن اشرف یہودی مدینہ منورہ سے مکہ تشریف آیا اور کفار قریش کو ...

ملاقات کی۔ انہوں نے کہا تو اہلِ مدینہ کا سردار ہے اور اہلِ کتاب میں سے ہے یہ تو بتلا کہ ہم لوگ چاہِ زمزم کے مالک ہیں اور خانہ کعبہ کے محافظ ہیں کیا ہم بہتر ہیں یا یہ ابتر جو کہ مدعیٔ نبوت ہے اور ہم سے بہتر ہونے کا دعویدار ہے تو اس بدکیش نے کہا تم بہتر ہو حالانکہ وہ بدبخت تورات کا عالم ہونے کی وجہ سے صداقتِ مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح جانتا تھا اور تورات میں مذکور دلائل و معجزات، اوصاف و کمالات اور علامات ونشانات سے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا پیغمبرِ آخر الزمان ہونا جانتا تھا لیکن محض بغض وعناد کے باعث مشرکین کو افضل الخلق سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل و اعلیٰ کہہ دیا۔ اللہ تعالےٰ نے اس کا رد فرماتے ہوئے کہا کہ ان شانئك هو الابتر۔

۳۔ یہ آیتِ شریفہ ابولہب کے حق میں نازل ہوئی اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کہا تھا تَبًّا لك "تمہارے لئے ہلاکت ہو" اور آپ کی دعوتِ توحید و رسالت کو ٹھکرا دیا اور آپ کی پیٹھ پیچھے عدم موجودگی کی حالت میں کہتا کہ یہ ابتر ہے، اس کا ذکر عنقریب ختم ہو جائے گا پہلے قول کے رد میں پوری سورۂ "تبت" نازل ہوئی اور دوسرے قول کا رد کرنے کے لئے فرمایا ان شانئك هو الابتر۔

۴۔ یہ آیتِ کریمہ عقبہ بن ابی معیط کے حق میں نازل ہوئی اس نے بھی بارگاہِ مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم میں یہی گستاخی کی اور اسی کلمۂ ابتر کو آپ کے حق میں استعمال کیا تو اللہ تعالےٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا ان شانئك هو الابتر۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اقوال ہیں۔ ممکن ہے کہ متعدد کفار و مشرکین نے رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخانہ کلمہ استعمال کیا ہو اور یہ سب روایات صحیح ہوں لیکن عاص بن وائل سہمی اس گستاخی میں مشہور و معروف تھا اس لئے جمہور مفسرین نے پہلے قول کو ہی اختیار فرمایا اور ان شانئك هو الابتر کا مصداق اسی بدبخت کو ٹھہرایا ہے۔

اس آیۂ کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کتنی بڑی عزت و عظمت اور حرمت و کرامت والے ہیں۔ جب کوئی بدبخت ان کی ذات ستودہ صفات، عصمت مآب پر اعتراض کرتا ہے اور زبانِ طعن دراز کرتا ہے تو اللہ رب العزت، خالق و مالکِ کائنات خود اس کا رد فرماتا ہے اور اپنی طرف سے جواب دیتا ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں:۔

وھکذا سنۃ الاحباب فان الحبیب اذا سمع من یشتم حبیبہ تولی بنفسہ جوابہ فھھنا تولی اللہ سبحانہ وتعالیٰ جوابھم۔

"اور یہی احباب کا طریقہ ہے جب دوست اپنے دوست کے حق میں کسی کو اعتراض کرتے اور گالی بکتے ہوئے سنتا ہے تو خود اس کا جواب دیتا ہے پس یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر طعن کرنیوالوں کا خود جواب دیا ہے اور فرمایا اے حبیب جو تمہیں ابتر کہتا ہے وہ خود ابتر ہے، اس کی نسل ختم ہونیوالی ہے اور اس کا نام و نشان مٹنے والا ہے۔

صرف یہی مقام نہیں بلکہ جہاں بھی کسی بدباطن خبیث النفس نے اس آفتابِ نبوت و ماہتابِ رسالت کیطرف گردِ عیب و نقص اڑانے کی ناپاک کوشش کی اللہ رب العزت جل و علا نے خود اسی کو اس خاکِ ندامت میں مبتلا کیا اور ذلیل و رسوا کر دیا اور اپنے محبوب کے بے داغ دامن کو ان آلودگیوں سے محفوظ فرمایا اور ان کی عظمت و رفعت کو نمایاں فرمایا۔ اس بارگاہِ عالم پناہ اور پہلے انبیاء کرام میں تفاوت کو تو ملاحظہ کرو۔ اس رسولِ عالم اور رسلِ سابقین میں سنتِ خدا جل و علا تو مشاہدہ کرو۔ جب ان کی شانِ اقدس میں گستاخی کی جاتی ہے، رسالت و نبوت پر اعتراض کیا جاتا ہے تو وہ خود جواب دیتے ہیں اور اپنی بے عیب ذاتوں پر لگائے جانے والے الزامات کا جواب خود دیتے ہیں لیکن جب اپنے محبوبِ پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو ہدفِ تنقید بنایا گیا تو خود جواب دیا۔

حضرتِ نوح علیہ السلام سے ان کی قوم نے کہا انا لنرٰک فی ضلٰل مبین ہ "یقیناً آپ ہمارے نزدیک کھلی گمراہی میں مستغرق ہیں" تو انہوں نے خود جواب دیتے ہوئے فرمایا یا قوم لیس بی ضلالۃ ولکنی رسول من رب العالمین ہ اے میری قوم میرا گمراہی میں مستغرق ہونا تو کجا گمراہی تو میرے قریب بھی نہیں آسکتی لیکن میں اللہ رب العالمین کیطرف سے رسول ہوں جو تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

حضرتِ ہود علیہ السلام کو ان کی قوم نے کہا انا لنرٰک فی سفاھۃ وانا لنظنک من الکاذبین ہ "تحقیق ہم آپ کو سفاہت اور کم عقلی میں مبتلا دیکھ رہے ہیں اور ہم آپ کو جھوٹے لوگوں میں سے جانتے ہیں" تو انہوں نے بھی خود اس گستاخی کا جواب دیا یٰقوم لیس بی سفاھۃ ولکنی رسول من رب العالمین "اے میری قوم کم عقلی اور سفاہت تو میرے قریب بھی نہیں پھٹکتی بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس بھیجا ہوا رسول ہوں تاکہ تمہیں سیدھی راہ بتلاؤں۔

حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون ملعون نے کہا انی لاظنک یٰموسٰی مسحورًا " اے موسیٰ میں تجھے سحر زدہ سمجھتا ہوں اور جادو کیا ہوا خیال کرتا ہوں " تو خود موسیٰ علیہ السلام نے اس مردود کے اس طعن کا جواب دیتے ہوئے فرمایا انی لاظنک یٰفرعون مثبورًا " اے فرعون! میں تجھے ہلاکت میں مبتلا سمجھتا ہوں"

جب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں کفار نے کہا یا ایھا الذی نزل علیہ الذکر من بیننا انک لمجنون ہ " اے وہ شخص جس پر بزعمِ خویش ہماری موجودگی میں کتاب نازل ہوئی اور ہم پر نازل نہ ہوئی تو یقیناً مجنون ہے"، اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراض و الزام کو خود رد فرمایا نٓ ہ والقلم وما یسطرون ہ ما انت بنعمۃ ربک بمجنون ہ وانک لعلیٰ خلق عظیم ہ فستبصر ویبصرون ہ بایکم المفتون ہ " مجھے قسم ہے اس قلم کی جس نے لوحِ محفوظ پر کان و مایکون کو تحریر فرمایا اور قسم ہے اس کی جو فرشتے تحریر کرتے ہیں۔ آپ اپنے رب کی نعمت کی بدولت مجنون نہیں ہو اور یقیناً آپ اخلاقِ عظیمہ کے مالک ہیں پس عنقریب

آپ بھی دیکھ لوگے اور وہ بھی کہ فتنہ دجنون میں وہ مبتلا ہیں یا آپ! جن لوگوں نے آپ کو مجنون کہا ان میں سے ولید بن مغیرہ سب سے پیش پیش تھا اور قرآنِ کریم کو قصے کہانیاں کہا کرتا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے اس کی خصوصی طور پر مذمت فرمائی ارشاد فرمایا ولا تطع کل حلاف مھین ھماز مشاء بنمیم مناع للخیر معتد اثیم عتل بعد ذلک زنیم (الیٰ) سنسمہ علی الخرطوم" آپ ایسے آدمی کی بالکل اتباع نہ کریں جو بہت قسمیں کھانیوالا ہے اور رذیل ہے عیب جو، چغلخور، ہر قسم کی خیر و بھلائی سے منع کرنے والا، حد سے تجاوز کرنیوالا، گناہوں کا دلدادہ، بدخلق اور بایں ہمہ حرام زادہ ہے (تا) ہم عنقریب اس کی سونڈ جیسی ناک پر نشان لگائیں گے۔

حضرتِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے کسی شخص کے اتنے عیب بیان نہیں فرمائے جتنے کہ ولید بن مغیرہ کے بیان فرمائے ہیں۔ جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی تو اس نے اپنی ماں سے کہا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے میرے دس عیب بیان کئے ہیں۔ ان میں سے نُو کو تو میں جانتا ہوں لیکن ایک طعن (ولدالزنا) کو میں نہیں جانتا سچ بتلا کہ حقیقت کیا ہے ورنہ میں تیرا سر قلم کر دوں گا تو اس نے کہا کہ تیرا باپ نامرد تھا اور بے شمار مال و دولت کا مالک تھا، مجھے اس مال و دولت کے ضائع ہونے کا خطرہ لاحق ہوا تو میں نے ایک چرواہے کے ساتھ برائی کی اور اسی کے نطفہ سے حمل ٹھہر گیا اور تو پیدا ہو گیا۔

مغیرہ نے ولید کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد اسے اپنا بیٹا کہا اور قرآنِ پاک نے واضح فرما دیا کہ یہ خبیث رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کی گستاخی و بے ادبی اس لئے کرتا ہے کہ اسکا جوہر پلید ہے اور حرام زادہ ہے اور ولدالزنا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے بدکرداری، بداخلاقی اور خبیث خمیر کے لحاظ سے اس بھکے نو عیب ذکر فرمائے اور دسواں عیب شکل و صورت کے لحاظ سے ذکر فرمایا کہ اس کی ناک ہاتھی کے سونڈ کی مانند ہے یا خنزیر کی ناک جیسی اور اس تشبیہ سے اس کی ذلتِ ذاتیہ بھی واضح فرما دی کہ وہ شخص انسانیت کی حدود سے تجاوز کر کے خنزیر کی خست و رذالت اور ہاتھی والے تکبر و نخوت ... داخل ہو گیا ...

سونڈ پر نشان لگانے کا وعدہ الٰہی میدانِ بدر میں پورا ہو گیا جب کہ ایک انصاری کی تلوار سے اس کی ناک شدید زخمی ہو گئی اور ناسور بن کر روز بروز اس کی قباحت و بدشکلی میں اضافہ کا موجب ہوئی اور بالآخر وہ لعین اسی ذلت و رسوائی کے ساتھ جہنم واصل ہو گیا۔

تنبیہ جو لوگ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو موضوعِ بحث بناتے ہیں اور شب و روز ان کی عیب جوئی اور تلاشِ نقص میں مشغول رہتے ہیں انہیں عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو محلِ طعن و تشنیع بنانے اور ان میں عیوب و نقائص نکالنے کی مذموم کوشش سے باز رہنا چاہیئے ورنہ ولید بن مغیرہ والے انجام کے لئے تیار رہنا چاہیئے اور مسلمانوں کو یہ بھی دیکھ لینا چاہیئے کہ یہ بھی کہیں ولید بن مغیرہ کی طرح خبیث الاصل اور پلید خمیر کی پیداوار تو نہیں؟ جو محسنِ انسانیت بلکہ مربی عالم و عالمیان صلے اللہ علیہ وسلم کا حقِ نعمت اس طرح ادا کر رہا ہے۔

نکتہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں فرمایا کہ جس نے ایک کلمہ گستاخی و بے ادبی کا بارگاہِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم میں استعمال کیا اللہ تعالے نے اس کے دس عیب بیان فرمائے اس سے معلوم ہوا کہ گستاخیٔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جزاء دس گنا ہے تو جو شخص ان کی مدح و ثنا کرے گا یقیناً اسے بھی دس گنا ثواب ملے گا اسی لئے حدیثِ پاک میں ہے من صلی علی واحدۃ صلی اللّٰہ علیہ عشرًا" جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا اللہ تعالے اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔

> از یں جا معلوم شد کہ چوں او تعالے در مقامِ عدل موذیانِ رسول علیہ السلام را یک را دہ گرفتہ جزاء داد کسانے را کہ در محبتِ رسول اللہ و خدمت او مصروف اند البتہ یک را دہ گرفتہ انعام خواہد داد ولہٰذا در حدیث شریف وارد است من صلی علی واحدۃ صلی اللّٰہ علیہ عشرًا

اقول و باللّٰہ التوفیق۔ اللہ رب العزت نے جزاء کے لئے ضابطہ و قاعدہ یہ بیان فرمایا ہے،

من جاء بالحسنة فله عشر امثالها و من جاء بالسیئة فلا یجزیٰ الا مثلها وھم لا یظلمون" جو نیکی کرے گا اسے دس گنا اجر و ثواب ملے گا اور جو برائی کرے گا تو اسے برابر ہی جزاء و سزا ملے گی اور ان پر زیادتی نہیں کی جاتے گی "۔ لیکن جب محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی و بے ادبی کی سزا و جزاء دس گنا ہوئی تو ان کی مدح و ثنا، تعریف و توصیف اور تعظیم و تکریم کی جزاء صرف دس گنا نہیں بلکہ بہت زیادہ ہو گی لہذا حدیثِ پاک میں وارد ہے من صلی علی واحدۃ صلی اللہ علیہ عشر صلوات وحطت عنہ عشر خطیات و رفعت لہ عشر درجات رواہ النسائی (مشکوٰۃ) "جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا اللہ تعالےٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائیگا اور دس گناہ معاف فرما دے گا اور اسے منازلِ قرب کیطرف دس درجے بلند فرمائیگا "۔

فصلی اللہ علیہ قدر جاھہ وجلالہ وحسنہ وجمالہ و رفعتہ وکمالہ عدد ما خلق وما یخلق وما لم یخلق ولا یخلق وعدد معلوماتہ وشئون صفاتہ وذاتہ۔

جب کفار نے آپ کی شانِ رسالت پر تنقید کی اور کہا لست مرسلا "تم رسولِ خدا نہیں" اور اپنے دعوے میں سچے نہیں تو اللہ رب العزت نے فرمایا لیٓس والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم "اے بہترینِ کائنات قرآنِ حکیم کی قسم آپ یقیناً سچے رسولوں سے ہیں جو کہ سیدھی راہ پر چلنے والے ہیں اور لوگوں کو بھی اسی راہِ راست کیطرف بلانے والے "۔ فرمایا انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم "بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک ایسا رسول مبعوث فرمایا ہے جو کہ تم پر گواہ ہے "۔ انا ارسلناك بالحق" ہم نے آپ کو حق کے کیسا تھ مبعوث فرمایا محمد رسول اللہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالےٰ کے رسول ہیں "۔

الغرض ایک اعتراض کا متعدد مقامات پر جواب دیا اور کفار کے کلمۂ ناحق کی تردید فرمائی اور ساتھ ہی قسم ذکر فرما کر اس جواب کی تاکید فرمائی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا مسئلہ یہ ہے کہ مدعی پر گواہ لازم ہوتے ہیں اور مدعیٰ علیہ پر قسم جب کفار نے یہ دعوےٰ کیا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ...

پر شہادت لازم تھی اور وہ کوئی بھی شہادت اس قولِ باطل پر پیش نہیں کر سکتے تھے لہٰذا مدعیٰ علیہ یعنی رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم پر قسم لازم آتی تھی اور جب رسالت پر ہونے والے اعتراضات کا جواب اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا اور حقانیتِ رسالت کا اثبات اپنے ذمۂ کرم پر لے لیا تو محبوب کی بجائے قسم اٹھا کر ان کی رسالت سے ہر شک و شبہ کو دور فرما دیا۔

اقول اسی طرح جب انہوں نے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق جنون میں مبتلا ہونے کا دعوٰے کیا اور اس عقلِ کل کے دماغ میں نقص کا دعوٰے کیا تو اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوبِ کریم کیطرف سے قسم اٹھا کر والقلم وما یسطرون فرما کر اس دعویٰ کو رد فرما دیا جب وہ اس زعمِ باطل پر کوئی دلیل نہ پیش کر سکتے تھے اور نہ پیش کی تو اللہ تعالےٰ نے حلفیہ بیان ذکر فرما کر اس کو رد کیا اور ساتھ ہی نفیِ جنون اور اس دعوٰے کی لغویت و بطلان پر دلائل قائم کئے:

(۱) بنعمۃ ربک ۔ آپ تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور فضل و کرم کے مہبط و مرکز ہو لہٰذا مجنون کیسے ہو سکتے ہو۔ وان لک لاجرا غیر ممنون" اور بے شک تمہارے لئے ہدایت و ارشاد اور ابلاغ و انذار کیوجہ سے نہ ختم ہونے والا اجر ہے" اور مجنون تو کسی فعل پر اجر کا مستحق ہی نہیں ہوتا۔ وانک لعلیٰ خلق عظیم" اور بے شک آپ اخلاقِ عظیمہ کے مالک ہو" اور مجنون کو تو تن بدن کا ہوش نہیں ہو سکتا۔ وہ اخلاقِ عالیہ کا مالک کیسے ہو سکتا ہے۔ بہرحال شانِ رسالت پر اعتراض کیا گیا تو بھی خود جواب دیا اور آنجناب کی فطانت و ذہانت پر اعتراض کیا گیا تو اس کا جواب بھی خود دیا۔

نکتہ اللہ تعالےٰ نے اثباتِ توحید و رسالت کو محبوبِ پاک صلے اللہ علیہ وسلم اور اپنے درمیان اس طرح تقسیم فرمایا ہے کہ ان کی رسالت کو ثابت کرنا اپنے ذمہ لے لیا ہے اور اپنی توحید کا اعلان و اثبات ان کے ذمہ کر دیا ہے۔ جب یہود نے حضرتِ عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ کا بیٹا کہنا شروع کیا اور مشرکین عرب نے ملائکہ کو اللہ تعالےٰ کی بیٹیاں کہنا شروع کر دیا اور بتوں کو

اس کا شریک ٹھہرانا شروع کر دیا اور اللہ تعالےٰ کو انتظامی امور میں ان کے تعاون
کا محتاج ماننا شروع کر دیا تو فرمایا اے حبیب میری توحید اور یکتائی، میرا بیوی اور
بچوں سے، نرینہ اولاد اور بیٹیوں سے پاک ہونا تم بیان کرو قل ھو اللہ احد
اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد۔ ؎

قُلْ کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے تیرے سنی
اللہ کو ہے کتنی تیری گفتگو پسند

٭

جب مشرکین عرب نے آپ کو شاعر ہونے کا طعنہ دیا اور کہا بل ھو شاعر
نتربص بہ ریب المنون" بلکہ وہ تو شاعر ہے ہم اس پر گردشِ دوراں
کے منتظر ہیں۔" اور شاعر کی کلام خیالی ہوتی ہے اور ذہنی اختراع ہوتی ہے جس کا حقیقت
سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لہٰذا ہم ان کی اتباع کیسے کریں؟ اللہ تعالےٰ نے اپنے
محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کے دامنِ عصمت پناہ کو اس عیب سے بھی محفوظ فرمایا اور اس
الزام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ ان
ھو الا ذکر و قرآن مبین۔" ہم نے انہیں شعر نہیں سکھلائے اور نہ ہی ان کے
لائق ہے لہٰذا ان کی زبان پر جاری ہونے والی کلام شعر نہیں بلکہ ذکرِ خدا اور قرآنِ
مبین ہے لہٰذا اسے شعر کہنا اور انہیں شاعر کہنا لغو و باطل ہے۔

منکرین و معاندین نے کہا ان ھذا الا سحر یؤثر ان ھذا الا قول
البشر" یہ تو جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے اور یہ تو صرف انسانی کلام ہے۔" اس کے
کلامِ خدا ہونے اور منزل من السماء ہونے کا دعوےٰ باطل ہے تو اللہ تعالےٰ اس الزام سے
بھی ان کی براءت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے والنجم اذا ھوٰی ما ضل
صاحبکم وما غوٰی وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ
"قسم ہے چمکتے ستارے (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) کی جب وہ معراج سے لوٹے، تمہاری
طرف آنے والے مدعیٔ رسالت و نبوت [illegible]

وہ اپنی خواہشاتِ نفس کے مطابق نہیں بولتے بلکہ ان کا کلام تو وحیِ الٰہی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے لہذا ان کی زبان سے نکلنے والی کلام کلامِ خدا ہے نہ سحر ہے اور نہ ہی انسانی کلام۔ جب بدباطن لوگوں نے کہا کہ آنحضور کی کتاب خدا کی کتاب نہیں بلکہ انہوں نے خود اسے تیار کیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس افتراء واختراع میں ان کی اعانت کی ہے ان ھذا الا افك ن افتراہ واعانہ علیہ قوم اخرون۔ اللہ تعالٰی نے اس قولِ باطل کے ابطال میں فرمایا فقد جاء و ا ظلما و زورا انہ لقول رسول کریم و ماھو بقول شاعر قلیلا ما تؤمنون ولا بقول کاھن قلیلا ما تذکرون۔ "ان لوگوں نے ظلم کیا ہے اور جھوٹ بولا ہے۔ یہ قرآن تو صاحبِ عزت و کرامت رسول کا کلام ہے نہ کہ کسی شاعر کا ، بہت کم ایمان لانیوالے ہو تم اور نہ ہی کسی حسابی آدمی کا قول ہے اور بہت ہی کم نصیحت حاصل کرنیوالے ہو تم"

جب مشرکین نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا کہ یہ تو تمہارے جیسے بشر ہی ہیں تو اللہ تعالٰے نے انہیں اس قول کیوجہ سے ظالم فرمایا واسروا النجوی الذین ظلموا ھل ھذا الا بشر مثلکم۔ "ان لوگوں نے علیحدگی میں اور چھپ کر مشورہ کیا جو ظالم ہیں اور کہا کہ یہ تو تم جیسے بشر ہی ہیں گویا وہ اس قول کیوجہ سے ظالم قرار پائے۔

الغرض ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی جناب میں نازیبا کلمات استعمال کئے اپنے حبیبِ کریم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا انظر کیف ضربوا لك الامثال فضلوا فلا یستطیعون سبیلا "آپ دیکھیں تو سہی انہوں نے آپ کی کیا کیا مثالیں اور تشبیہیں بیان کی ہیں اور وہ اس وجہ سے گمراہ ہو گئے اور راہِ ہدایت سے بھٹک گئے اور ایمان واسلام ہدایت و رشد کی صلاحیت ہی کھو بیٹھے ہیں لہذا وہ کبھی بھی سیدھے راستہ کیطرف نہیں آسکتے"

انبیاءِ کرام اور رسلِ عظام کی عزت و حرمت پر اعتراض کیا گیا ، ان کی

پاکدامنی اور طہارتِ نفس پر حملہ کیا گیا۔ ان کے حسب و نسب کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی لیکن اللہ رب العزت نے براہِ راست ان کی پاکدامنی کو بیان نہ فرمایا اور ان کی نزاہت و براءت کو ذکر نہ فرمایا لیکن خاتم المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کے حرمِ محترم پر اعتراض کیا گیا۔ حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے بہتان لگایا اور افک و افتراء سے کام لیا تو خود رب العزت نے ان کی براءت اور طہارتِ نفس کو بیان فرمایا۔

حضرتِ یوسف علیہ السلام کے متعلق زلیخا نے اپنے خاوند عزیزِ مصر کو کہا ماجزاء من اراد باھلک سوءًا الا ان یسجن او عذاب الیم ۵ "اے عزیز جو تیرے حرم کے ساتھ برائی کرنے کا ارادہ کرے، اس کی جزا صرف یہ ہے کہ وہ قید خانہ میں بند کر دیا جائے یا اسے عذابِ الیم میں مبتلا کیا جائے۔ حضرتِ یوسف علیہ السلام نے خود اپنی پاکدامنی بیان فرمائی قال ھی راودتنی عن نفسی کہ زلیخا نے مجھے ورغلانے کی کوشش کی تھی اور اللہ تعالےٰ نے مجھے اس کے مکر سے محفوظ رکھا۔

عزیزِ مصر کے سامنے متضاد اور ایک دوسرے کے مخالف دو دعوے ہیں اور ان میں سے کسی پر بھی ابھی دلیل قائم نہیں کی گئی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے پیارے کی پاکدامنی ثابت کرنے کے لئے زلیخا کی قوم کے ایک شیر خوار بچے کو قوتِ گویائی عطا فرمائی اور اس نے حکیمانہ انداز میں قرائن و شواہد کے ذریعے حضرتِ یوسف علیہ السلام کی طہارت و نزاہت کو واضح فرمایا۔ اس نے کہا اگر اس کا یعنی یوسف علیہ السلام کا کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہے تو پھر یوسف علیہ السلام کا دعوےٰ باطل اور زلیخا سچی ہے اور اگر پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو پھر زلیخا نے غلط بیانی سے کام لیا اور حضرتِ یوسف علیہ السلام سچے ہیں۔

جب بچے کی راہنمائی پر اس نے یوسف علیہ السلام کے کرتے کا جائزہ لیا تو وہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا فلما رای قمیصہ قد من دبر قال انہ من کیدکن ان کیدکن عظیم ۵ یوسف اعرض عن ھذا واستغفری لذنبک انک کنت من الخاطئین ۵ "عزیز نے کہا یہ بات تو تمہارے مکروں میں سے ہے۔ بیشک تمہارے مکر بہت بڑے ہوتے ہیں۔ اے یوسف اس بات سے درگزر کیجئے اور کسی کو اس

کا ذکر نہ کیجئے اور اے زلیخا تو اپنے گناہ سے توبہ کر بیشک تو گناہگاروں اور خطاکاروں میں سے ہے۔

تنبیہ یہ حضرتِ زلیخا کا حضرتِ یوسف علیہ السلام پر ایمان لانے سے پہلے کا واقعہ ہے جو فرطِ محبت اور وفورِ عشق کی وجہ سے سرزد ہوا اور پھر نسوانی فطرت کی کمزوری کے تحت اپنے آپ کو بچانے کے لئے یہ الزام لگایا بعد میں دینِ یوسف علیہ السلام میں داخل ہوئیں اور ان کا حرمِ محترم بننے کا شرف حاصل کیا جیسا کہ تفاسیر میں مذکور ہے لہذا ان کی شان میں کوئی نازیبا کلمہ اپنی طرف سے ہرگز ہرگز نہ کہنا چاہیئے۔ بعض دیوبندی مثلاً احمد شاہ چوکیروی ان کے نکاح کے منکر ہوئے اور نازیبا کلمات استعمال کئے۔ مناظرہ کے دوران خواجہ قمرالدین سیالوی مدظلہ العالی نے پوچھا شاہ صاحب تم عدمِ ثبوت نکاح کے مدعی ہو یا ثبوتِ عدم نکاح کے؟ ثانی پر دلیل لاؤ وہ تم قیامت تک نہیں لاسکتے اور صورتِ اولیٰ میں عدمِ ثبوت سے ثبوتِ عدم لازم نہیں آتا خصوصاً جبکہ مفسرین کرام اور اکابرِ امت مثلاً جامی علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی ہے تو دیوبندی صاحب گریبان میں منہ ڈال کر بیٹھ گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔

حضرت عیسےٰ روح اللہ کے نسب پر اور حضرتِ مریم کی عفت و عصمت پر طعن کیا گیا تو خود حضرتِ عیسےٰ علیہ السلام نے معجزانہ طور پر عالمِ مہد میں کلام فرما کر اپنی عظمت اور اپنی والدہ ماجدہ کی عصمت و عفت بیان فرمائی۔ جب قوم نے حضرتِ مریم پر طعن و تشنیع شروع کی تو آپ نے ہنگھوڑے میں پڑے ہوئے اپنے لختِ جگر کیطرف اشارہ کیا کہ اس بچے سے ہی پوچھ لو تیرا نسب کیا ہے اور تیری والدہ نے کسی جرم و قصور کا ارتکاب کیا ہے یا نہیں؟

فاشارت الیہ قالوا کیف نکلم من کان فی المھد صبیا قال انی عبداللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا۔ حضرتِ مریم نے حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کیطرف حقیقتِ حال دریافت کرنے کے لئے اشارہ کیا۔ انہوں نے کہا ہم پنگھوڑے میں پڑے ہوئے بچے کے ساتھ کیسے کلام کریں تو حضرتِ عیسےٰ علیہ السلام خود بول اٹھے میں اللہ کا بندۂ خاص ہوں اللہ تعالےٰ نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے منصبِ نبوت پر سرفراز فرمایا ہے الخ

آخر الآیات۔

لیکن جب رسالت پناہ عصمت مآب امام الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم حبیبۂ حبیبِ خدا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ذاتِ اقدس پر منافقین نے بہتان باندھا اور رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو پریشان کرنے کی کوشش کی تو خود اللہ تعالیٰ نے ان کی منافقت کا پردہ چاک کیا اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عصمت وعفت اور نزاہت وطہارت بیان کرنے کے لئے سورۂ نور کی اٹھارہ آیات نازل فرمائیں، الزام لگانے والوں کے منہ کو اس طرح لگام دی لولا جاءوا علیہ باربعۃ شہداء فاذ لم یاتوا بالشہداء فاولٓئک عند اللہ ھم الکاذبون۔" وہ لوگ اپنے اس دعوٰے پر چار گواہ کیوں پیش نہیں کرتے پس جب انہوں نے گواہ پیش نہیں کئے ہیں تو وہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹے ہیں۔"

نیز مومنین کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا لولا اذ سمعتموہ قلتم مایکون لنا ان نتکلم بھذا سبحانک ھذا بھتان عظیم۔" کیوں نہیں کہا تم نے جبکہ اس بات کو سنا تھا ہمیں ایسی باتیں کرنا ہرگز لائق نہیں سبحان اللہ یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔ صرف یہ نہیں کہ مومنین کو ایسے کلمات زبان پر لانے سے منع فرمایا بلکہ انہیں حسنِ ظن اور اعتقادِ براءت رکھنے کی اہمیت پر متنبہ فرمایا اور جن سے یہ کوتاہی ہوئی انہیں ندامت دلائی، ارشاد فرمایا ولولا اذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنات بانفسھم خیرا وقالوا ھذا افک مبین۔" اور ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جب تم نے اس الزام کو سنا تو تم بحیثیت مومن ہونے کے اپنے مؤمن بھائیوں اور بہنوں کے متعلق اچھا اعتقاد اور حسنِ ظن رکھتے اور منافقین کی اختراع کردہ اس تہمت کے متعلق کہتے کہ یہ کھلا بہتان ہے اور من گھڑت الزام ہے۔ اور حرمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بے سوچے سمجھے باتیں

تنبیہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ندامت دلائی ہے اور تنبیہ فرمائی ہے کہ تم نے منافقین کی الزامی ہوئی باتیں سنتے ہی [illegible] بہتان عظیم [illegible] سے

۸ بنانیوالوں کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا ولولا فضل اللّٰہ علیکم ورحمتہ فی الدنیا

معلوم ہوا کہ حضرتِ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت اتنا واضح امر تھا کہ اس میں کسی تردد اور شک کی گنجائش ہی نہ تھی چہ جائیکہ وحی کا انتظار کیا جاتا اور تاوقتیکہ قرآن کریم ان کی پاکدامنی نہ بیان کرتا اتنے وقت تک سکوت اختیار کیا جاتا۔ اسی لئے جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ عمر و عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہم سے ان کا نظریہ معلوم کیا توحضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تمہارے جسم پر مکھی نہیں بیٹھتی کیونکہ وہ پلید جگہوں پر بھی بیٹھتی ہے لہٰذا جب اللہ رب العزت تمہیں مکھی کے پاؤں سے لگی ہوئی معمولی سی پلیدی سے بھی محفوظ رکھا ہے تو تمہارے حرمِ پاک کو کیونکر پلیدیوں سے محفوظ نہیں رکھے گا ؟ حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ نے تمہارا سایہ زمین پر پڑنے نہیں دیا تاکہ گندی جگہ پر نہ پڑ جائے۔ جب اللہ تعالیٰ تمہارے سایہ کو بھی گندگی سے اس قدر محفوظ فرماتا ہے تو تمہارے حرمِ پاک کو کیونکر ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ نہیں فرمائے گا ؟

حضرتِ علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ کے مبارک جوتے کے ساتھ کوئی ناپسندیدہ چیز لگی ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرتِ جبریل کو بھیجکر حالتِ نماز ہی میں اسے اتروا دیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے جوتے کے ساتھ ناپسندیدہ شئے کے لئے فوراً اتار دینے کا حکم دیا تو اگر حضرتِ صدیقہ میں کوئی عیب و قصور ہوتا تو فوراً ہی علیحدہ کر دینے کا حکم نازل فرما دیتا اور نزولِ وحی میں دیر نہ فرماتا (مدارک)

حضرتِ اسامہ رضی اللہ عنہ سے رائے طلب کی تو انہوں نے عرض کیا کہ وہ آپ کی زوجۂ محترمہ ہے ہم تو ان میں سوائے بھلائی اور خیر کے اور کچھ اعتقاد نہیں رکھتے، اس وقت رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ واللّٰہ ماعلمت علیٰ اھلی الا خیرًا " بخدا میں اپنے اہل میں صرف بھلائی و بہتری اور پاکیزگی و پاکدامنی کا اعتقاد رکھتا ہوں " امامِ رازی نے اس مقام کو بہت

و الآخرة لمسکم فی ما افضتم فیہ عذاب عظیم۔ اذ تلقونہ بالسنتکم و

اچھے انداز میں تحریر فرمایا ہے اور حضرتِ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کا واضح ہونا اور اس کا ہر ایک کو معلوم ہونا دلائل سے بیان فرمایا۔ اور آج کل کے دریدہ دہن گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعتراض کا کہ اگر رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو علم ہوتا تو مشورہ کیوں کرتے اور پریشان کیوں ہوتے؟ صدیوں پہلے جواب دیا لیکن چشمِ بدبین کا کیا علاج جسے ہنر بھی عیب نظر آئیں۔ بہرحال جواب مع سوال ملاحظہ فرمائیں۔

لو لم یجز ذلک لکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعرف الناس بامتناعہ ولو عرف ذلک لما ضاق صدرہ ولما سأل عائشۃ رضی اللہ عنہا عن کیفیۃ الواقعۃ قلنا انہ علیہ السلام کثیرًا ما کان یضیق صدرہ عن اقوال الکفار مع علمہ بفساد تلک الاقوال وقد قال اللہ تعالیٰ ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون فکان ھذا من ھذا الباب۔

"اگر حرمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی پلیدی کا پایا جانا ناممکن ہوتا اور یہ واضح ترین بات ہوتی تو رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ اس کا علم ہوتا اور اگر آپ کو علم ہوتا تو پریشان خاطر نہ ہوتے اور نہ عائشہ صدیقہ سے حقیقتِ حال دریافت کرتے"

اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو پریشانی کفار کی باتوں "شاعر، مجنون، ساحر وغیرہ" کی وجہ سے بھی لاحق ہوتی تھی حالانکہ آپ قطعی طور پر ان باتوں کی بیہودگی ولغویت کو جانتے تھے اور خود قرآنِ کریم نے اس کی وضاحت فرمائی ہے ولقد نعلم الآیۃ" اور تحقیق ہم جانتے ہیں کہ آپ کا دلِ اقدس کفار کی باتوں سے رنجیدہ ہوتا ہے اور پریشان ہوتا ہے تو جس طرح وہاں قولِ کفار کا فساد قطعی طور پر معلوم ہے اور پریشانی بھی عارض ہو جاتی تھی، اسی طرح یہاں بھی پاکدامنی اور عفت وعصمت کا [illegible] ہونے کے باوجود تنگ دلی اور

وتقولون بافواھھم مالیس لکم بہ علم وتحسبونہ ھینًا و ھو عند اللہ عظیم۔ اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالےٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تمہیں اس امر کیوجہ سے جس میں تم جا پڑے عذابِ عظیم لاحق ہوتا جبکہ تم اس بہتان کو اپنی زبانوں پر لاتے تھے اور اپنے منہ سے وہ کچھ کہہ رہے تھے جس کی حقیقت سے تمہیں واقفیت نہیں تھی تم اسے معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک وہ بہت ہی بُری بات تھی۔

حضرتِ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برارت بیان کرنے کے لئے ایک ضابطہ بیان کرتے ہوئے فرمایا الخبیثٰت للخبیثین والخبیثون للخبیثٰت و

پریشانئ خاطر لاحق ہو گئی۔ اقول یہ کیسے ممکن کہ صحابہ کرام کو تو پاکدامنی کا یقین ہو اور انہیں قرائن و دلائل سے جو کہ ذاتِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں تو آپ کو اس حبیبہ کی عصمت کا یقین کیونکر نہ ہو جس کے نکاح میں آنے کی بشارت اللہ تعالےٰ نے دی اور فرمایا کہ وہ دنیا و آخرت میں تمہاری بیوی ہیں انھا لزوجتک فی الدنیا والاٰخرۃ۔ نیز جن مومنین نے سکوت فرمایا ان کو بھی اللہ تعالےٰ نے تنبیہ فرمائی تو عدمِ علم کیصورت میں خود نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی وعید لازم آئیگی نعوذ باللہ۔ نیز صحابہ کرام کے اقوال اگر محض ظن و گمان کی بنا پر ہوتے تو ان پر اعتماد کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم برارت کا حلفی بیان منبر پر چڑھ کر کیسے دیتے اور اگر انہیں یقینِ کامل ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ان سے یہ علم حاصل ہوا تو امت کا علم میں نبی سے افضل ہونا لازم آئے گا اور یہ لغو و باطل ہے نیز حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کا طرزِ استدلال یہ ہے کہ وحی نہیں آئی لہذا پاکدامن ہیں اور ان گستاخوں کا اندازِ فکر کیا ہے کہ وحی جب تک نہیں آئی تھی تو آپ کو کچھ علم نہ تھا ؎

بہ بیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا

والطیبٰت للطیبین والطیبون للطیبات اولٰئک مبروٴن مما یقولون لھم مغفرۃ و رزق کریم۔ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے ہیں، پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے ہیں اور یہ مقدس لوگ اس بہتان وافترا سے منزہ ہیں جو کہ خبیث مرد و عورتوں نے ان کے حق میں تراشے ہیں ان کے لئے اللہ کی طرف سے بخشش اور پاکیزہ رزق ہے جب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم طیب واطیب ہیں بلکہ لوگوں کو پاک فرمانے والے ہیں تو ان کے حرم پاک میں کسی طرح کی پلیدی نہیں ہو سکتی۔

جن منافقین نے اس بہتان کا اختراع کیا ان کا برا انجام بیان کرتے ہوئے فرمایا ان الذین جاءو بالافک عصبۃ منکم لا تحسبوہ شرا لکم بل ھو خیر لکم۔ لکل امرء منھم ما اکتسب من الاثم والذی تولی کبرہ منھم لہ عذاب عظیم" بے شک وہ لوگ جنہوں نے بہتان باندھا ہے تمہی میں سے ایک گروہ ہے تم اسے اپنے متعلق برا نہ سمجھو بلکہ وہ تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے لئے اپنا اپنا کسب کردہ گناہ لازم ہے اور جو شخص اس الزام کو ہوا دینے کا ذمہ دار بنا ہے اس کے لئے بہت بڑا عذاب ہے فرمایا ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المومنات لعنوا فی الدنیا والاخرۃ ولھم عذاب عظیم۔" بے شک وہ لوگ جو پاکدامن، بے خبر، مومن عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں اور ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔"

ان آیات کریمہ میں اس افترا و بہتان کی غیر معمولی نوعیت اور اپنوں کے سکوت اور سرد مہری پر سخت تنبیہ کی گئی ہے اور اس میں جو لوگ ملوث ہیں ان کا انجام بد اور بری عاقبت اور حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عفت و عصمت کو جس مدلل انداز میں اللہ رب العزت نے بیان فرمایا ہے اس سے حرم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالےٰ کے ہاں جو عزت و حرمت ہے اس کا بخوبی اندازہ لگایا

جاسکتا ہے اور انبیاءِ سابقین اور نبی آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم کے مراتب و منازل اور رفعت و درجت میں فرق بخوبی معلوم ہوسکتا ہے۔

غرضیکہ بارگاہِ مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کے آداب نرالے ہیں اور اس آستانۂ عرش نشاں کے احکام نرالے ہیں جس بارگاہ ناز کے آداب اللہ رب العزت، مالک و خالقِ کائنات خود سکھلائے، جن کی تعظیم و توقیر کے طریقے خود بیان فرمائے ان کی عظمت و رفعت کو کون پاسکتا ہے اور کون ان کی برابری کا دعویدار ہوسکتا ہے؟ ارشادِ خداوندی ہے یاایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون" اے ایمان والو میرے نبی کی آواز پر اپنی آواز کو اونچا نہ کرو اور نہ انہیں اس طرح پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو تاکہ تمہارے اعمالِ خیر برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو" اگر عام لوگوں کی طرح انہیں ذاتی نام لیکر ادب و احترام کو ملحوظ رکھے بغیر پکارو گے تو تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔

قبیلہ بنی تمیم کے لوگ دوپہر کے وقت مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے مسجدِ نبوی میں پہنچ کر رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو "یا محمد یا ابا القاسم" کہہ کر پکارنا شروع کر دیا۔ آپ اس وقت گھر میں آرام فرما تھے اور ان لوگوں نے اتنا صبر نہ کیا کہ آپ خود بخود آرام فرمانے کے بعد مسجد شریف میں تشریف لائیں تو وہ اپنا مدعا عرض کریں۔ اللہ تعالٰے نے ان کی اس حرکت پر تنبیہ فرمائی اور اس بے صبری پر ان کی مذمت فرمائی ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون ٥ ولو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیرا لھم واللہ غفور رحیم۔ "تحقیق وہ لوگ جو آپ کے حجروں کے پیچھے سے آواز دیتے ہیں اور القاب کی بجائے ذاتی نام سے پکارتے ہیں ان کی اکثریت بے عقل و بے علم ہے اور اگر وہ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ خود بخود ان کی طرف نکلتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ تعالٰے بخشنے والا اور رحم فرمانیوالا ہے۔"

حضرتِ ابوبکر، حضرتِ عمر اور دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ

بڑی ہستگی سے کلام کرتے اور اپنی آواز کو پست رکھتے اللہ تعالے نے ان کی اس ادا کو پسند فرمایا اور ان کی عظمت و برتری کا اعلان فرمایا ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللّٰہ اولٓئک الذین امتحن اللّٰہ قلوبھم للتقوٰی "جو لوگ اپنی آوازوں کو بارگاہِ رسولِ خدا میں پست کرتے ہیں یقیناً اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لئے منتخب فرمالیا ہے۔"

تمام انبیاء کرام اور رسلِ عظام علیہم السلام کو اللہ تعالےٰ نے ان کا ذاتی نام لیکر پکارا یاآدم اسکن انت وزوجک الجنۃ۔ یانوح اھبط بسلام منا وبرکات۔ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا ونادینا ہ ان یاابراھیم، موسٰے کلیم اللہ علیہ السلام کو فرمایا یٰموسٰی انی اصطفیتک علی الناس برسالاتی۔ حضرتِ عیسٰے علیہ السلام کو فرمایا یٰعیسی اذکر نعمتی علیک، حضرتِ داؤد علیہ السلام کو حکم ہوا یاداؤد انا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض، حضرتِ زکریا علیہ السلام کو فرمایا یازکریا انا نبشرک بغلام، حضرتِ یحیٰی علیہ السلام کو فرمایا یایحیٰی خذ الکتاب بقوۃ۔

نیز امتوں نے بھی انہیں نام لیکر پکارا۔ بنی اسرائیل نے حضرتِ موسٰی علیہ السلام سے کہا یاموسٰی اجعل لنا الٰھا کما لھم اٰلھۃ۔ حواریوں نے حضرتِ عیسٰے علیہ السلام کو نام لیکر پکارا واذ قال الحواریون یاعیسٰی بن مریم ھل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدۃ من السماء، حضرتِ ہود علیہ السلام کو کہا یاھود اجئتنا لنعبد اللّٰہ وحدہ۔ حضرت صالح علیہ السلام کو قوم نے کہا یاصالح ائتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین۔ وغیر ذٰلک من الاٰیات۔

لیکن جب اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا تو کہیں بھی ذاتی نام لیکر نہیں پکارا بلکہ یاایھا النبی، یاایھا الرسول، یاایھا المدثر، یاایھا المزمل، یٰس، طٰہٰ [illegible] پیارے القابات سے نوازا اور

امت کو بھی ذاتی نام لیکر "یا محمد یا ابا القاسم کہکر پکارنے سے منع فرمایا ولا تجھروا له بالقول کجھر بعضکم لبعض" تم میرے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسے نہ پکارو جس طرح ایک دوسرے کو ذاتی نام لیکر پکارتے ہو، فرمایا ولا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم" تم میرے رسول کو پکارنے اور انہیں ندا دینے کو یوں نہ سمجھو جیسے کہ تمہارا ایک دوسرے کو پکارنا، بلکہ تم پکارتے وقت میری سنت پر عمل کرتے ہوئے انہیں القابات کے ساتھ یارسول اللہ، یاحبیب اللہ کے پیارے الفاظ کے ساتھ پکارو، اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ کفار ومشرکین نے اگر گستاخانہ انداز میں ذاتی نام لیکر پکارا بھی تھا تو اسے قرآن کریم میں نقل تک نہیں فرمایا۔ جب کہ حضرت ہود علیہ السلام کو کفار نے ذاتی نام لیکر پکارا تو اسے بھی نقل فرما دیا اور حضرت صالح علیہ السلام کو مخالفین ومعاندین نے ذاتی نام سے پکارا تو اسے بھی نقل فرمایا ؎

یا آدم است با پدر انبیاء خطاب
یا ایہا النبیؐ خطاب محمد است

صلی اللہ علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین وآلہ وصحبہ اجمعین

صحابہ کرام کا ہر وہ فعل جو حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بار خاطر بنا اور آپ نے بوجہ شرم وحیا انہیں متنبہ نہ فرمایا خود اللہ تعالیٰ نے ان کی تادیب فرمائی اور ایسے افعال سے باز رہنے کا حکم دیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ دعوت ولیمہ پر اپنے غلاموں کو مدعو فرمایا۔ کچھ صحابی باتوں میں مشغول ہو گئے اور زیادہ دیر تک بیٹھے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا یہ طریقہ ناگوار گزرا لیکن آپ نے اظہار نہ فرمایا اور نہ خود انہیں یہ خیال آیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا یا ایھا الذین امنوا لاتدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم الی طعام غیر ناظرین اناہ لکن اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسین لحدیث ان ذلکم کان یؤذی النبی فیستحیی منکم واللہ لا یستحیی من الحق" اے مومنو! تم ہرگز نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو تاوقتیکہ

تمہیں کھانے کیطرف بلایا جائے نہ یہ کہ بیٹھ کر برتنوں کی انتظار کرتے رہو۔ جب بلایا جائے تو داخل ہوا کرو، جب کھا چکو تو فوراً چلے جایا کرو اور باتوں میں محو ہو کر نہ بیٹھ جایا کرو تمہارا یہ فعل نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو تکلیف میں مبتلا کر رہا تھا لیکن وہ تم سے شرما رہے تھے اور کچھ کہہ نہیں رہے تھے لیکن اللہ تعالےٰ حق بات کہنے سے نہیں رکتا۔"

جب جنگوں کی شدت اور جہاد و قتال میں موت کے خوف کیوجہ سے قریب تھا کہ بعض مؤمنین گھبرا جائیں اور رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ دیں تو ایسے لوگوں کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا:-

ما كان لاهل المدينة ومن حولهم من الاعراب ان يتخلفوا عن رسول الله ولا يرغبوا بانفسهم عن نفسه۔

"اہلِ مدینہ اور ان کے اردگرد والے اعراب کو یہ ہرگز روا نہیں ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلا میدانِ جنگ میں چھوڑ کر گھروں میں بیٹھے رہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ ان کی ذاتِ اقدس سے بے پرواہی کرتے ہوئے صرف اپنی ذاتوں کو عزیز و محبوب رکھیں

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

قل ان كان اباؤكم وابناؤكم واخوانكم وازواجكم وعشيرتكم واموال ن اقترفتموها وتجارة تخشون كسادها ومساكن ترضونها احب اليكم من الله ورسوله وجهاد في سبيله فتربصوا حتى ياتي الله بامره۔

"اے میرے رسول صلے اللہ علیہ وسلم آپ انہیں فرما دیں اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں اور قریبی رشتہ دار، وہ مال جنہیں تم نے بڑی محنت سے حاصل کیا، وہ مالِ تجارت جس کے خسارہ سے تم خوفزدہ ہو اور رہائشی مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ تعالےٰ اور اس کے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پیارے ہیں

اور اللہ تعالٰے کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ میں تو پھر اس وقت کی انتظار کرو جبکہ اللہ تعالٰے کا عذاب تم پر نازل ہو اور تمہیں نیست و نابود کر دے۔"

جب بعض احکام نازل ہونے کے بعد بعض صحابہ نے ان کے متعلق مختلف سوالات شروع کر دئیے تو اللہ تعالٰے نے انہیں تنبیہ فرمائی ام تریدون ان تسئلوا رسولکم کما سئل موسٰی من قبل کیا تم بھی یہ ارادہ رکھتے ہو کہ اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی سوالات کرو جیسا کہ موسٰے علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے گائے ذبح کرنیوالے حکم کے سلسلہ میں کئے تھے۔ تم ان سے ایسے سوالات ہرگز نہ کرنا ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا "میرا محبوب صلے اللہ علیہ وسلم جس چیز کا حکم تمہیں دے اس کو لازم پکڑو اور جس سے منع فرمائے اس سے رک جاؤ اور خواہ مخواہ تحقیق و تجسس میں پڑ کر بنی اسرائیل کی طرح اپنے لئے پابندیاں نہ لگوایا کرو، ارشاد فرمایا لاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہ "تم اپنی باتوں اور اعمال میں اللہ تعالٰے اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے آگے نہ بڑھو اور نہ ہی راہ چلتے ان سے آگے بڑھو الٰی غیر ذلک من الآداب۔

آخر میں یہ بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کسقدر بلند ہے کہ ہر وہ کلمہ جو ایک مخلص صحابی کی زبان سے نکلتا ہے اس کا لفظی معنٰی صحیح ہے اور خلوصِ نیت کے ساتھ ادب و احترام کے ساتھ استعمال کرتا ہے لیکن مخالف اس کی آڑ میں گستاخی کر سکتا ہو اور اسی لفظ میں معمولی تغیر پیدا کر کے اپنے خبثِ باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخی کر سکتا ہو وہ بھی زبان پہ لانا حرام ہے اور اس کا استعمال کرنا ممنوع ہے۔

جب صحابہ کرام کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات سمجھ نہ آتی اور دوبارہ سننے کی ضرورت ہوتی تو عرض کرتے راعنا یا رسول اللہ "اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہماری رعایت فرما دیں اور اس کلام مبارک کو دہرائیں تاکہ ہم سمجھ سکیں آپ اس کلام

کا اعادہ فرما دیتے اور وہ حضرات آپ کا مقصد اچھی طرح ذہن نشین کر لیتے۔ یہ لفظ اپنی معنوی حیثیت سے بالکل موزوں تھا، اس میں کوئی بے ادبی نہ تھی اور عرض کرنے والوں کے خلوصِ دل اور نیاز مندی و عقیدت کیشی میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن یہود و منافقین اسے بدنیتی کے ساتھ استعمال کرتے اور اس لفظ کو ادا کرتے وقت زبانوں کو اس طرح پھیرتے کہ یہی لفظ گالی بن جاتا اور مغرور و متکبر یا "ہمارا چرواہا" کے معنے میں بن جاتا اور حبیبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ عظمت نشان میں گستاخی لازم آتی اور ان کی ساری خباثت کی آڑ صحابہ کرام کا اس لفظ کو استعمال کرنا بن جاتا۔ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں پر اس لفظ کے استعمال کو حرام فرما دیا اور حکم فرمایا یا ایھا الذین اٰمنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا وللکافرین عذاب الیم۔ "اے ایمان والو راعنا کا لفظ استعمال نہ کیا کرو بلکہ اس کی جگہ انظرنا کہا کرو یعنی اے رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء ہم پر نظرِ رحمت فرمادیں اور ہماری طرف توجہ فرمادیں، اور غور سے سنا کرو تاکہ دوبارہ انہیں تکلیف دینے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے اور گستاخی کرنے والے کفار و منافقین کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

اسی لفظ کو صدیق با صفا نے استعمال کیا، عثمان جیسے باحیا نے استعمال کیا، عمر فاروق جیسے جانثار نے اور علی المرتضےٰ جیسے وفا شعار نے استعمال کیا۔ لفظ درست، معنیٰ صحیح، نیت میں صدق و اخلاص لیکن جب وہ لفظ گستاخیٔ رسول کا ذریعہ بن گیا اور منافقین نے اس سے فائدہ اٹھانے کی ناپاک کوشش کی تو اسے بھی حرام کر دیا گیا ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ ہر وہ لفظ جس سے شہبازِ لامکان عرش نشین نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی و بے ادبی کا احتمال ہو اگرچہ ذرا لہجہ میں لچک اور تبدیلی پیدا کر کے ہی کیوں نہ ہو، وہ بھی استعمال کرنا حرام ہے اگرچہ نیت میں بے ادبی و گستاخی کی [illegible]

اب اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں اور پہلے بیان کردہ آیات کی راہنمائی میں بارگاہِ مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی نزاکت کا اندازہ کیجئے اور ادھر اکابرینِ دیوبند کی بے لگامی اور شانِ بے نیازی کا مشاہدہ کیجئے جنہیں ان عبارات کے نقائص خود بھی معلوم اور اکابرینِ امت نے بار بار تنبیہ بھی فرمائی لیکن انہوں نے اپنی قلم کے لکھے ہوئے کو لوحِ محفوظ کی طرح ناقابلِ تبدیل و تغیر سمجھا اور اس تبدیلی کو اپنی ہتک سمجھتے ہوئے ان عبارات کی تصحیح پر زور دینا شروع کر لیا اور طرح طرح کی تاویلات و تعبیرات کی آڑ لینی شروع کر دی اور عظمتِ مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کی عزت وحرمت کو پسِ پشت ڈال کر اپنی انانیت و نفسانیت کو مقدم رکھ کر دین اسلام میں فتنہ و فساد کی بنیاد رکھی اور محبان رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبور کر دیا کہ وہ ان عباراتِ عداوت نشان اور تحریراتِ شقاوت نشان پر کفر و بے دینی کے فتوے لگائیں اور امتِ مسلمہ کو ان صوف پوش بھیڑیوں کی حقیقتِ حال سے آگاہ کریں۔

سب سے پہلے جس نے نجدیت کی بنیاد ہندوستان میں رکھی اور مقربان بارگاہِ خداوندی کی شانِ رفیع میں زبانِ وقاحت کو کھولا اور گستاخیوں کا آغاز کیا وہ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی ہیں اور باقی سب دیوبندی صاحبان ان کے اندھے مقلد، سب سے پہلے انہی کے گستاخانہ انداز کا نمونہ دیکھئے:۔

(۱) "یہ یقین جان لینا چاہیئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے (تقویۃ الایمان صـ۱۲)"

اب اس عبارت کو دیکھ کر آپ اندازہ کریں کہ مصنف صاحب ادب و تعظیم کی حدود سے نکل کر کس بے باکی کے ساتھ بڑی مخلوق کو بھی چمار سے زیادہ ذلیل کہہ رہا ہے جبکہ بڑی مخلوق میں ملائکہ مقربین و اولیاء کاملین، انبیاء و مرسلین خصوصًا سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں۔ سب مسلمانوں کے نزدیک کوئی بھی مخلوق اپنے خالق کے برابر نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے بلکہ سب اس کے بندے ہیں اور تابعِ فرمان اور ہر صاحبِ کمال اور صاحبِ اختیار کے تمام تر

کمالات واختیارات صرف اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے ہیں لیکن اس عقیدہ کو بیان کرنے کے لئے کیا صرف یہی عبارت ہو سکتی تھی؟ اس کے علاوہ کوئی اور موزوں و مناسب الفاظ نہیں مل سکتے تھے؟ اور اگر اچھے سے اچھا طریقہ موجود تھا تو پھر اس اندازِ بیان کو اختیار کرنے کا باعث کونسی عقیدت و محبت ہو سکتی ہے؟ نیز نفسِ مسئلہ ہی کو دیکھ لیجئے مخلوقات میں وہ ہستیاں بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں انی جاعل فی الارض خلیفۃ، مسجودِ ملائکہ ہیں اسجدوا لآدم، اور علم میں سب جن و ملک سے افضل و اعلیٰ، نیز سید الرسل امامِ کل صلے اللہ علیہ وسلم کیا نعوذ باللہ العظیم یہ ہستیاں بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں چمار سے زیادہ ذلیل ہیں؟ نیز اگر یہ چمار سے زیادہ ذلیل ہیں تو منصبِ نبوت و خلافت پہ اسے متعین کیا جاتا اسے چھوڑ کر ان حضرات کو یہ منصب کیوں عطا کیا گیا؟ علاوہ ازیں اگر چمار مسلمان ہے تو پھر اسے ذلیل سمجھنا اور دوسری مخلوق کی حقارت و ذلت بیان کرتے وقت اسے بطورِ مثال ذکر کرنا کونسی قرآن دانی ہے؟ اور کونسا اسلام و ایمان کا حصہ ہے اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم "تم میں سے زیادہ عزت والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے" خواہ وہ کسی بھی قبیلہ و نسل سے تعلق رکھنے والا ہو اور کسی بھی پیشہ کو اختیار کئے ہوئے ہو، نیز فرمایا للہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنافقین لایعلمون ۰ "عزت و حرمت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اس کے رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے اور مومنین کے لئے ہے لیکن منافقین کو رسولِ خدا اور مومنین کی عزت و عظمت معلوم نہیں ہے اور اگر وہ مسلمان نہیں ہے تو مومنین کو، اولیاء کرام کو، ملائکہ اور روحانیین کو اور انبیاء کرام و رسلِ عظام کو اس سے زیادہ ذلیل کہنا توحید پرستی ہے یا قرآنِ کریم کی ان آیات کا کھلا انکار؟ اور ان مقربانِ بارگاہِ خداوندی کی شانِ اقدس میں گستاخی و بے ادبی! ایک محتاط عالم کو یہ کلمہ لکھنے سے پہلے [illegible]

منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے حق میں استعمال کر چکا تھا۔ قرآنِ کریم نے اس کی بے ادبی و گستاخی کو یوں بیان فرمایا ہے" لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منہا الا ذل" اگر ہم مدینہ کیطرف لوٹیں گے تو عزت والے ذلیلوں کو نکال دیں گے "۔ یعنی ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو وہاں سے نکال دیں گے، اللہ تعالےٰ نے اس لعین کا رد کرتے ہوئے فرمایا وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنافقین لا یعلمون۔

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ تاویل و توجیہ کرے کہ یہاں یہ مقبولِ خدا اور محبوبانِ خدا داخل نہیں بلکہ دنیوی وجاہت وغیرہ مراد ہے اور اس صورت میں "ذلیل" کا لفظ استعمال کرنا بالکل صحیح ہے، حدیثِ پاک میں ہے الدنیا ملعونۃ و ملعون ما فیہا الا ذکر اللہ او من والاہ۔" دنیا ملعون ہے اور جو کچھ بھی اس میں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنیوالوں یا ان سے تعلق رکھنے والوں کے"۔ دنیائے فانی کے طلبگار اور آخرت سے بالکل غافل لوگوں کے متعلق فرمایا الدنیا جیفۃ وطالبہا کلاب" دنیا مردار ہے اور اس کے طلبگار کتے ہیں"۔ لہٰذا مولانا کا بھی یہی مقصد ہوگا اور عبارت صحیح ہو جائے گی، تو جواباً گزارش ہے کہ مولانا کا قطعاً یہ مقصد نہیں ہے، وہ تو اولیاء کرام اور رسلِ عظام سے توسل و استمداد سے انکار کے لئے اس منطق کو استعمال فرمارہے ہیں اور پوری کتاب میں یہی مقصد پیشِ نظر ہے کہ لوگوں کو اللہ والوں سے دور رکھا جائے۔

نیز مولانا رشید احمد صاحب دیوبندی نے فتاویٰ رشیدیہ ص۴۳ میں اس وہم کا ازالہ کر دیا اور اس حسنِ ظن کا خاتمہ کر دیا ہے، عبارت ملاحظہ ہو:۔

"فخرِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ تمام مخلوق سے برتر و معزز و بے نہایت عزیز ہیں کہ کوئی مثل ان کا ہوا، نہ ہوگا مگر حق تعالےٰ کی ذات کے مقابلہ میں وہ بھی بندۂ مخلوق ہیں۔ اس عبارت سے

مراد حق تعالےٰ کی بے نہایت بڑائی ظاہر کرنا ہے کہ اس کی سب مخلوقات اگرچہ کسی درجہ کی ہو اس سے کچھ مناسبت نہیں رکھتی، کمہار لوٹا مٹی کا بنا دے اگرچہ خوبصورت پسندیدہ ہو اس کو احتیاط سے رکھے مگر توڑنے کا بھی مختار ہے اور کوئی مساوات کسی وجہ سے لوٹے کو کمہار کے ساتھ نہیں ہے پس حق تعالیٰ کی ذاتِ پاک جو خالق محض قدرت سے ہے اس کے ساتھ کیا نسبت و درجہ کسی خلق کا ہو سکتا ہے؟ (تا) تو یہ حق ہے مگر کم فہم اپنی کجی فہم کی وجہ سے اعتراض بیہودہ کر کے شانِ حق تعالےٰ کو گھٹاتے ہیں اور اس کا نام حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم رکھتے ہیں۔" فقط بندہ رشید احمد۔

اب اتنے بڑے مفتی صاحب کی تحریر و توضیح کے بعد اس قسم کے حسنِ ظن والا کوئی پہلو اس عبارت سے نکالنا قطعاً درست نہیں ہے اور خود رشید احمد صاحب کی حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی واضح ہو گئی کہ بڑے مولانا صاحب نے تو صرف بڑی مخلوق کے عموم و ابہام میں ان مقدس ہستیوں کی شانِ اقدس میں توہین کی لیکن چھوٹے مولانا کا اس ابہام پہ دل ٹھنڈا نہ ہوا لہذا خاص طور پہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر کر کے اسماعیل صاحب والا حکم "یعنی اللہ کے آگے چمار سے ذلیل ہیں نعوذ باللہ من ذلک" صادر فرمایا اور پھر لوٹے اور کمہار کی مثال دیکر عظمتِ خالق اور احتیاجِ خلق کی جو وضاحت کی ہے اس سے تخیل کی بلندی اور عظمتِ خداوندی کی تصویر بھی سامنے آ گئی ما قدروا اللہ حق قدرہ۔ انظر کیف ضربوا لک الامثال فضلوا فلا یستطیعون سبیلا۔

نیز فرماتے ہیں کہ مولانا کی اس عبارت پہ اعتراض کرنا بیہودہ ہے اور وہ اعتراض دراصل اللہ تعالےٰ کی شان گھٹانا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عزت و عظمت کسی میں تسلیم کرنے سے اللہ تعالےٰ کی شان کم ہو جائے گی اور جب تک ان پاک لوگوں کو چمار سے بھی ذلیل نہ مانا جائے تب تک خداوندی کا حق ادا نہیں

ہو سکتا نعوذ باللہ من سوء الادب فی حق اللہ وحق رسولہ الکریم۔

(۲) "ہمارا جب خالق اللہ ہے اور اس نے ہم کو پیدا کیا تو ہم کو بھی چاہئے کہ اپنے ہر کام میں اسی کو پکاریں اور کسی سے ہم کو کیا کام جیسے کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا تو وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اس سے رکھتا ہے، دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا اور کسی چوہڑے چمار کا تو کیا ذکر!

(تقویۃ الایمان ص۱۵)

ہر مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ حقیقی کارساز اللہ تعالٰے ہے، وہی ہمارا معبود ہے ہم اسی کے بندے ہیں، وہی خالق بھی ہے اور وہی رازق بھی، اسی کی شان رب العالمین ہے اور اسی کا نام احکم الحاکمین ہے۔ تمام انبیاء کرام، رسل عظام اور اولیائے کاملین، ملائکۂ مقربین اسی کے بندے ہیں، نہ ان میں سے کوئی اللہ کے برابر، نہ اللہ تعالٰے ان میں سے کسی کیطرف محتاج بلکہ یہ سب اللہ تعالٰی کیطرف محتاج ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اس عقیدہ کو بیان کرنے کے لئے صرف یہی الفاظ تھے؟ اور کیا اللہ تعالٰے کو اپنا بادشاہ سمجھنا صرف اسی وقت صحیح اور قابلِ اعتبار ہوگا جبکہ اس کے خلفاء اور وزراء انبیاء و رسل اور اس کے مقربانِ بارگاہ اولیاء اللہ کی تعظیم و توقیر کو ترک کر دیا جائے اور ان کی اطاعت و اتباع سے انکار کر دیا جائے! بلکہ ان کی شانِ اقدس میں گندی زبان استعمال کی جائے۔ کیا بادشاہ ایسے آدمی کو اپنا غلام سمجھے گا یا باغی؟ اسے مستحقِ انعام سمجھے گا یا واجب التعزیر؟ اسے مسندِ عزت پر بٹھائے گا یا قعرِ مذلت میں گرائے گا؟

حضرتِ آدم علیہ السلام کی تعظیم و توقیر نہ کرنے والے عابد و موحد کا انجام کیا ہوا فاخرج منہا فانک رجیم وان علیک لعنتی الی یوم الدین بلکہ وزراء اور نائبین کی تعظیم و توقیر دراصل بادشاہ کی تعظیم و توقیر ہے اور ان کی اہانت دراصل بادشاہ کی گستاخی ہے اسی لئے شیطان کو مسندِ عزت سے اتار کر چاہِ ذلت میں گرا دیا گیا اور قیامت تک اسے لعنت کا مستحق بنا دیا گیا۔ بلکہ اس بادشاہِ حقیقی نے

خود ان کی اطاعت و غلامی کا حکم دیا ہے وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ ۔ ہم نے ہر رسول کو اس لئے بھیجا تاکہ اللہ کے امر سے اس کی اطاعت کی جائے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ۔ اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور اپنے مسلمان خلفاء وامراء کی اطاعت کرو ۔ بلکہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت فرمایا من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ان کی اطاعت سے سرکشی کو اپنی نافرمانی قرار دیا من یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا ان کے ادب و احترام کا حکم دیا وتعزروہ وتوقروہ ۔

اور یہ ہر شخص پر واضح ہے کہ عامی آدمی کو بادشاہ کی بارگاہ میں وزراء اور خواص کی بدولت رسائی جلد ہو سکتی ہے اور مطلب برآری وحاجت روائی جلدی ہو سکتی ہے ۔ ان کے سہارے کے بغیر انعام کا مستحق بھی ہو سکتا ہے اور غضب وجلال کا نشانہ بھی بن سکتا ہے اسی طرح احکم الحاکمین کی بارگاہ میں رسائی کے لئے اس کے اولیاء و خواص بارگاہ اور انبیاء کرام سے توسل بھی اسی مقصد کے تحت ہوتا ہے نہ کہ انہیں کارساز وحاکم سمجھ کر ، زندہ اولیاء کرام اور انبیاء کرام کی بارگاہ میں حاضری کے وقت یا پردہ فرمانے کے بعد ان کے مزارات پر حاضری دیتے وقت ہر دو صورت میں یہ عرض کیا جاتا ہے کہ تم دعا کرو اللہ تعالےٰ یہ مشکل آسان فرمائے ، یا یوں عرض کیا جاتا ہے کہ اے اللہ اپنے ان مقبول بندوں کے طفیل ہماری یہ مشکل آسان فرما ، یہ توسل صحابہ کرام نے کیا ۔ حضرت آدم علیہ السلام نے حبیبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا سہارا ڈھونڈا فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ ۔ پہلی امتوں نے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کا واسطہ دیکر اللہ سے کفار و مشرکین پر فتح ونصرت طلب کی وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا وغیرہ وغیرہ ، کیا انہوں نے اللہ تعالےٰ کے علاوہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی بادشاہِ حقیقی مان لیا تھا اور کفر و شرک کا ارتکاب کیا تھا ۔ نعوذ باللہ ۔

لہٰذا موحدِ ہند کا یہ کہنا " اور کسی سے ہمیں کیا کام " ابی واستکبر کے ہم معنی ہے

اور ادب و نیاز مندی سے بہت دور ہے نیز یہ گوہر افشانی کہ "جو ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا وہ اپنے کام میں کسی دوسرے بادشاہ سے بھی واسطہ و تعلق نہیں رکھتا کسی چوہڑے چمار کا تو ذکر ہی کیا" عجیب مضحکہ خیز ہے جب اللہ رب العزت کے مقابل نہ کوئی بادشاہ ہے اور نہ ہی کوئی مسلمان اس کا قائل۔ البتہ اللہ رب العزت کی شانِ جباری و قہاری کے پیشِ نظر اس کے پیاروں کا سہارا اہلِ سنت تلاش کرتے ہیں اور ان کی غلامی و نیاز مندی کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری سمجھتے ہیں تو اس موحد کے چوہڑے چمار کا مصداق کون لوگ ہیں اور ان گندے الفاظ سے کن ہستیوں کو تعبیر کیا جا رہا ہے؟ نیز کیا بادشاہ کے بعد دوسرا درجہ صرف چوہڑے چمار کا ہے تاکہ وہ شخص جو ایک بادشاہ کا ہو چکا ہے وہ جب دوسرے بادشاہ سے کوئی تعلق نہیں رکھے گا تو پھر صرف چوہڑے چمار کا ہی مقام رہ جائے گا؛ نہیں نہیں یہ محدث و مفسر اور موحدِ اعظم بے خبری میں نہیں، دیدہ و دانستہ تعظیم و توقیر کی حدود کو پھلانگ کر بے ادبی و گستاخی کی گھاٹی تک جا پہنچا ہے اور مقدس ہستیوں کی جناب میں ان گندے الفاظ کو استعمال کر رہا ہے جو منصبِ محبوبیت پر فائز ہیں اور جو مسندِ خلافت و نیابت پر جلوہ افروز ہیں، کہیں نماز میں ان کے تصور و خیال کو گدھے اور بیل کے خیال میں مستغرق ہونے سے بدتر بتلاتا ہے (صراطِ مستقیم و قد تقدّ الکلام علیہ)۔ اور کبھی انہیں چوہڑے چمار جیسے ناپاک الفاظ کا مصداق بناتا ہے اور کہیں چمار سے ذلیل بتلاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی سے اس بے ادب کے متعلق فرمایا ؎

یہ ہے دیں کی تعویت اس کے گھر یہ ہے مستقیم صراطِ شر
جو شقی کے دل میں ہے گاؤ خر تو زباں پہ چوہڑا چمار ہے

نیز یہ دعوٰے کہ جو بادشاہ کا ہو چکا اسے اور کسی سے کیا کام، کتنا مضحکہ خیز ہے اس پر کیا سند و شہادت ہے جبکہ وہ نہ کہے کہ واقعی یہ میرا ہے اور اس کے تو وہ ہیں جو اس کے محبوب کے غلام ہیں فاتبعونی یحببکم اللہ نہ کہ بے ادب و گستاخ!

۳۲۔ "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی شئے کا مالک و مختار نہیں ہے۔"
(تقویۃ الایمان صفحہ ۳۴)

یہ ایک مستقل مسئلہ ہے جو تفصیل طلب ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ نے کسی کو اختیار دیا یا نہیں دیا اور رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کسی شئے کا مالک و مختار بنایا یا نہیں بنایا اور اگر بنایا ہے تو کتنی چیزوں میں اور ان کی گنتی و شمار اور ناپ تول کے لئے کونسا پیمانہ یا ترازو ہے اور وہ مخلوق کو کہیں سے مل سکتا ہے یا نہیں؟

مختصر یہ کہ اگر مستقل طور پر ملکیت و اختیار مانیں جس سے اللہ تعالیٰ کی عطا و بخشش کی نفی ہوتی ہو تو یہ شرک ہے خواہ ہم اپنے متعلق نشست و برخاست، قول و فعل اور حرکت و سکون میں یہ اختیار و ملکیت تسلیم کریں یا کسی اور مقبولِ بارگاہ ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے دئے ہوئے اختیارات سے کسی شئے کا مالک و مختار مانیں تو یہ بالکل جائز ہے۔ ہم اپنے لئے اس اختیار اور ملکیت کو تسلیم کرتے ہیں، فرشتوں کے لئے مختلف قسم کے اختیارات مثلاً قبضِ ارواح، بارش برسانا، ہوائیں چلانا، زمین کا تھامنا، عرش کا تھامنا وغیرہ وغیرہ مانتے ہیں اور موحدین دیوبند شیطان کے لئے مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک پہنچنے کی قدرت اور ہر جاندار کے دل پر تصرف تسلیم کرتے ہیں تو سیدِ اولادِ آدم فخرِ بنی آدم و آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس قسم کا اختیار اور ملکیت مان لینے میں کونسا قصرِ توحید مسمار ہو رہا ہے جنہوں نے انگلی کے اشارہ سے چاند کو چیرا، سورج کو غروب ہونے کے بعد لوٹایا، درختوں کو پاؤں کے بغیر چلایا، پتھروں کو پانی پر تیرایا، اپنی انگلیوں سے پانی کے چشموں کو جاری فرمایا وغیرہ وغیرہ۔ اور منبعِ ولایت مولی المؤمنین حضرتِ علی رضی اللہ عنہ میں بھی اسی قسم کا خدا داد اختیار و تصرف مان لینے میں کونسا شرک و کفر لازم آئے گا؟ بلکہ اللہ تعالیٰ کے اختیارات اور اس کی قدرت کی دلیل ہی یہ ہے کہ اس کے بندوں میں جب اتنی قدرت ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ... جو ان کا خالق ہے ... کس قدر قوت و قدرت ہو گی، اور

اس کی شانِ مالکیت کا کیا اندازہ ہو سکے گا؟ محدث دہلوی نے تکملۂ مدارج میں فرمایا:

"وایں خود عین کمالِ الٰہی است کہ ایں چنیں ذاتے ابراز نمودہ واظہار کردہ"

بہرحال مسئلہ کی تحقیق سے قطع نظر ہمیں تو مولانا کے اندازِ تحریر میں کلام کرنا ہے کہ ایک مخلص مسلمان اور دیندار جب مولانا کی اس شانِ بے نیازی کو دیکھے گا کہ "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں" اس جملہ میں جو تجاہل کار فرما ہے اس کا ملاحظہ کرے گا تو یقیناً وہ یہی سمجھے گا کہ لکھنے والے کو ان کی ذات سے کوئی بھی واقفیت نہیں ہے اور نہ کسی قسم کی آشنائی و تعلق، اگر مصنفِ تقویۃ الایمان ان کے منصب و مرتبہ کو جانتا، ان کے مولد و مسکن کو پہچانتا اور کسی قسم کا تعلقِ قلبی ان کی ذات سے ہوتا تو ہرگز یہ اندازِ تحریر نہ ہوتا، اگر منصبِ نبوت و رسالتِ آنحضور اور مرتبۂ محبوبیت و مقبولیت، عرش نشینی اور بارگاہِ خداوندی میں ہم نشینی، شفاعتِ عظمیٰ اور وزارتِ کبریٰ اسے معلوم ہوتا، حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کا منبعِ ولایت اور سرچشمۂ کرامت ہونا اسے معلوم ہوتا تو اس طرح ہرگز نہ کہتا کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی شئے کا مالک و مختار نہیں، وہ یوں بھی کہہ سکتا تھا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مختار و مالک بالذات نہیں، سیدِ رسل مالکِ کل صلے اللہ علیہ وسلم خود بخود مستقل طور پر بغیر اللہ تعالےٰ کی عطا کے ہر چیز پر متصرف نہیں۔ منبعِ ولایت، بابِ مدینۃ العلم ہر شئے پر قادرِ مطلق نہیں ہیں، وہ تمام تر قوتوں کے باوجود اللہ تعالےٰ کے محتاج ہیں، لیکن ایسا ہرگز نہیں کیا، لفظِ محمد کے ساتھ "حضرت" لکھنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی اور جس کا نام محمد یا علی ہے کی بجائے "جن کا نام" لکھنا گوارا نہ کیا، نہ لفظِ محمد کے بعد "صلے اللہ علیہ وسلم" لکھنا پسند کیا اور نہ لفظِ علی کے بعد "کرم اللہ وجہہ" کی ضرورت سمجھی اور عبارت دیکھنے والا یہ بھی نہیں سمجھ سکتا کہ محمد یا علی سے مراد رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں یا مولوی اسماعیل کے نوکر چاکر نعوذ باللہ من ذٰلک۔

یہ اندازِ تحریر ادب و نیاز مندی سکھلاتی ہے اور اس کا یہاں نام و نشان نہیں ہے

اور ایسے القابات و اوصاف ذکر کرنے سے گستاخی مانع ہوتی ہے اور اس کے یہاں بے شمار خزانے موجود ہیں اسی لئے مقدور بھر بے ادبی و گستاخی کی اور دائرہ ادب و نیاز سے نکل کر ویرانہ ضلالت میں جا پہنچا ہے

محمدِ عربی کابروئے ہر دو سراست
کسے کہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ او

الغرض یہ داستان بہت طویل ہے۔ صرف تقویۃ الایمان میں اور بہت سی ایسی عبارات موجود ہیں جن میں کھلم کھلا گستاخی و بے ادبی موجود ہے اور بارگاہِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام کی شانِ اقدس میں زبان درازی کی گئی لیکن کسی فاضلِ دیوبند کو ان الفاظ میں قباحت نظر نہیں آئی بلکہ مولانا رشید احمد صاحب نے تو فتاویٰ رشیدیہ میں یوں تصدیق و توصیف فرمائی ہے :

"تقویۃ الایمان نہایت عمدہ اور سچی کتاب ہے اور موجب قوت و اصلاح ایمان کی ہے اور قرآن و حدیث کا مطلب پورا اس میں ہے اس کا مؤلف ایک مقبول بندہ تھا" (صٹا)

دوسرے مقام پر فرمایا :۔

"کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور ردِ شرک و بدعت میں لاجواب، استدلال اس کے بالکل کتاب اللہ اور حدیث سے ہیں۔ اس کا رکھنا، پڑھنا اور عمل کرنا عینِ اسلام ہے اور موجب اجر، جو اس کے رکھنے والے کو برا کہتا ہے وہ فاسق اور بدعتی ہے (تا) اگر کسی گمراہ نے اس کو برا کہا تو وہ خود ضال و مضل ہے"

تعجب ہے کہ وہ کتاب جس میں اس قدر گستاخیاں و بے ادبیاں ہوں محبوبانِ خدا کو چوہڑے چمار سے تعبیر کیا گیا ہو، سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو مر کر مٹی میں ملنے والا کہا گیا ہو (صٹ) سب انبیاء و اولیاء کو بے خبر و ناداں کہا گیا ہو (صٹ) منصب محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو صرف بڑے بھائی کے برابر ... (صٹ) لیکن

بایں ہمہ ارشاد یہ ہے کہ کتاب سرچشمہ ہدایت اور لکھنے والے ولی کامل اور انکار کرنیوالے فاسق، گمراہ، بدعتی و بے دین۔ مولانا اشرفعلی صاحب کی حفظ الایمان والی عبارت اور مولوی خلیل احمد کی براہین قاطعہ میں شیطان کے علم کو محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر فوقیت دینا پہلے گذر چکا ہے اور ان کے علاوہ بھی بے شمار ہذیانات و لغویات موجود ہیں۔ ہمیں ان کی تفصیل سے غرض نہیں، ہمیں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اللہ رب العزت کے نزدیک اپنے محبوب کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کیا ہے اور ان کی شان میں بے ادبی و گستاخی کسقدر ناگوار ہے۔ بیگانے بکواس کریں، گالیاں بکیں تو جواب خود عنایت فرمائے اور اپنے ایسے افعال کے مرتکب ہوں جو پریشانی خاطر کا موجب ہوں تو فوراً متنبہ فرمائے سان کا کوئی ایسا کلمہ جو غیروں کی گستاخی کے لئے آڑ بن سکتا ہو اسے فوراً حرام فرما دے لیکن ادھر امتی ہونے کے دعویدار اور محدث و مفسران تمام تفصیلات پر نگاہ کرکے باوجود اس قدر بے باک و بے لگام اور بے ادب و گستاخ اپنی ان لغو عبارات پر اصرار اور ضد اور تصحیح میں سارا زور بیان صرف کریں، لیکن یہی الفاظ ان پر استعمال کرو تو ان کے حواری غیظ و غضب سے جل اٹھیں اور مرنے مارنے پر تل جائیں اور اسے ان نام نہاد ملاؤں کی شان میں بے ادبی و گستاخی قرار دیں ؂،

؂ حضرت العلامہ مولانا ابوالفضل محمد سردار احمد صاحب محدث اعظم پاکستان قدس سرہ امرتسر میں مولوی منظور دیوبندی کے ساتھ مناظرہ کر رہے تھے۔ اشرفعلی صاحب کی حفظ الایمان والی عبارت کا کفر ہونا زیر بحث تھا۔ جب وہی تشبیہیں مولوی اشرفعلی کے حق میں محدث اعظم علیہ الرحمۃ نے جاری فرمائیں اور اس کے علم کو گدھے وغیرہ کے علم سے تشبیہ دی تو مولوی منظور صاحب چیخ اٹھے کہ تم نے مولانا اشرفعلی صاحب کی شان اقدس میں گستاخی کی ہے۔ قبلہ محدث اعظم نے فرمایا کہ یہی عبارت سید عالم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں گستاخی و بے ادبی نہیں تھی اور وہی عبارت تمہارے مولوی پر چسپاں کی گئی ہے تو اس کی بے ادبی ہو گئی ہے۔ الغرض سامعین سخت مشتعل ہو گئے اور دیوبندی صاحب بمشکل جان بچا کر بھاگے۔

اسی لئے امامِ اہلِ سنت حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے فرمایا ؎

اور تم پر میرے آقا کی عنایت نہ سہی
نجدیو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

اور اسی لئے علامہ سر ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم لاہوری نے مولوی حسین احمد مدنی پوری کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا ؎

بہ مصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

اللہ تعالٰے کے ارشاد اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ میں چند لفظی نکات ہیں جو ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں :-

۱- شانئک میں لفظِ شانیٔ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جو کہ کافِ خطاب کی طرف مضاف ہے اور شنآن سے ماخوذ و مشتق ہے جس کا معنٰے بغض و عداوت ہے تو شانیٔ کا معنٰی ہوا بغض و عداوت رکھنے والا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ مشتق پر حکم لگایا جائے تو مبدأ اشتقاق اور ماخذ مصدر اس حکم کی علت بن جاتا ہے اور یہاں "الابتر" حکم ہے جس کا معنٰے ہے دُم کٹا، بے اولاد، بے نام ونشان، بے برکت، لہٰذا ان شانئک ھو الابتر سے پتہ چلا کہ ولید بن مغیرہ ہو یا دوسرے دشمن اور کینہ ور، گستاخ و بے ادب وہ سب عداوت اور بغض و گستاخی و بے ادبی اور توہینِ بارگاہ عالم پناہ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ابتر ہو گئے خیر و برکت سے محروم ہوئے اور ان کا نام ونشان مٹ گیا ؎

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

کفار و مشرکین، معاندین و منافقین نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ابتر کہا

تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں ان شانئک ھو الابتر فرمایا۔ اس جملہ میں اسم و خبر کے درمیان ھو ضمیر ہے اور خبر معرف باللام جو کہ حصر و قصر پر دال ہیں یعنی ابتر صرف وہ ہیں جو تجھ سے عداوت رکھنے والے ہیں نہ کہ آنجناب۔

۳۔ ان شانئک ھو الابتر میں کئی وجوہ تاکید سے ذکر کئے گئے ہیں۔ لفظ اِنَّ جو کہ تحقیق ثبوت کے لئے ہوتا ہے، جملہ اسمیہ جو کہ دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے اور ضمیر فصل جو کہ تحقیق ثبوت کے لئے ہوتی ہے اور اس کے ساتھ حصر و قصر پر بھی دلالت کرتی ہے۔

نیز کلام میں تاکید ذکر کرنے کے کئی مقاصد ہوتے ہیں کبھی مخاطب کے تردد یا انکار کو زائل کرنا اور کبھی اس حکم کے ساتھ اپنی رغبت بیان کرنا جیسا یہاں اللہ رب العزت نے ان شانئک ھو الابتر فرما کر دشمنانِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی بربادی، ہلاکت اور بے نام و نشان ہونے سے اپنی رغبت کا اظہار فرمایا ہے۔

نیز اس حکم کے مخاطب رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان میں کسی قسم کا تردد وغیرہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا آنجناب کی ظاہری حالت کو دیکھ کر یعنی مکہ مکرمہ میں انتہائی تنگی اور مشکلات میں مدت گزارنا، در بالآخر ترک وطن پر مجبور ہو جانا اور تمام مال و منال اور ساز و سامان (آپ کا تھا یا آپ کے جانثاروں کا)، سب کچھ کفار کے قبضے میں چلے جانا، کفار و مشرکین کی کثرت اور مومنوں کی قلت، معاندین کی ظاہری شان و شوکت اور آنجناب و صحابہ کرام کی ظاہری بے سروسامانی وغیرہ ایسے امور تھے جن کی وجہ سے یہ احتمال تھا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو اس حکم میں تردد اور شک و شبہ کرتا اس لئے اس حکم کو مؤکد کر دیا اور فرمایا ان شانئک ھو الابتر "یقیناً قطعاً حتماً آپ کے معاند و مخالف صفحۂ ہستی سے مٹنے والے ہیں اور بے نام و نشان اور نیست و نابود ہونے والے ہیں" ہمارے اس فیصلہ اور حکم میں کسی طرح کے شک و تردد کی گنجائش ہے نہ انکار کا امکان۔

۴۔ معاندین کی ذاتوں کو ذکر نہیں فرمایا بلکہ ان کو شانئ والے عنوان سے

تعبیر فرما کر یہ واضح کر دیا کہ جب تک ان میں عداوت و بغض رہے گا تب تک ابتر والا حکم بھی ان کے حق میں ہوگا۔ اگر وہ ابتر بننے سے بچنا چاہتے ہیں تو بغض و شنآن کو ترک کرنا چاہیئے اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم اگر صدقِ دل سے توبہ کر لو اور میرا محبوب تمہیں معاف کر دے تو میں بھی معاف کر دوں گا اور تم ابتر ہونے سے بچ جاؤ گے بلکہ تمہیں حیاتِ ابد اور راحتِ جاوداں نصیب ہو جائیگی اور میری رحمتوں سے سرفراز ہو جاؤ گے ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیماہ

۵۔ پہلے اللہ تعالٰے نے اپنے رسول معظم صلے اللہ علیہ وسلم پر اپنے انعامات کو ذکر فرمایا لیکن انعامات کی تکمیل اتنے وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ اعداء اور مخالفین مغلوب و مقہور نہ ہوں اس لئے اللہ تعالٰے نے ان شانئک ھو الابتر فرما کر دشمنوں کو مغلوب کرنے کا وعدہ بھی فرمایا لیکن میں فوری طور پر انہیں ہلاک نہیں کرتا تاکہ تمہارے بخت و اقبال اور جاہ و جلال کو دیکھ لیں اور جنگوں میں پے در پے شکستیں کھا کر ذلت و رسوائی کا منہ دیکھ لیں تاکہ خود بخود غیظ و غضب کی آگ میں جلتے رہیں۔

۶۔ ان دشمنانِ دین و اسلام کو شانئ (معاند و کینہ ور) سے تعبیر فرما کر یہ اشارہ فرما دیا کہ وہ لوگ سوائے بغض و عناد کی آگ میں جلنے کے اور کچھ نہیں کر سکیں گے۔ اللہ تعالٰے تمہارا محافظ و نگہبان ہے واللہ یعصمک من الناس۔ اس کی نصرت و امداد ہر وقت تمہارے ساتھ ہے حسبک اللہ۔ لہٰذا یہ لوگ صرف حسد و بغض کی آگ میں جلتے ہیں تمہارا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔

۷۔ کفار نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ابتر کہا۔ بعض کا مقصد تو یہ تھا کہ ان کی نرینہ اولاد نہ رہی حضرتِ قاسم و حضرتِ عبداللہ رضی اللہ عنہما مکہ شریف میں انتقال فرما گئے اور حضرتِ ابراہیم رضی اللہ عنہ مدینۂ پاک میں وصال فرما گئے لہٰذا کوئی ان کا قائم مقام نہیں، ان کا دین و مذہب فورًا ختم ہو جائے گا۔ بعض کا مقصد یہ تھا کہ اسلام

پوری طرح پھیل نہیں سکیگا اور یہ اپنے مقصود تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ بعض کا خیال یہ تھا کہ یہ تن تنہا ہیں ان کا کوئی معاون و مددگار نہیں۔ بعض کا زعم یہ تھا کہ ہم باعزت ہیں اور وہ ذلیل نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ان عزائم و مقاصد کو بُری نیتوں اور ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ ان کی پاکیزہ نسل میں وہ برکت فرمائی کہ تمام اطراف و اکنافِ عالم میں آپ کی اولادِ پاک پھیلی ہوئی ہے۔ ان کے ملک و سلطنت کو وہ وسعت بخشی کہ روم و فارس جیسے عظیم ملک بھی فتح ہو کر اسلامی سلطنت کے زیرِ نگیں آ گئے اور وہ دشمن و کینہ ور خاک میں مل گئے اور ان کے معاون و مددگار تباہ و برباد ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد ہر مقام پر آپ کے شاملِ حال رہی۔ ان کے ذکرِ خیر کو اس طرح باقی رکھا کہ اذانوں میں ان کے نام کا اعلان ہو رہا ہے، منبروں پر انہی کی یاد کی جا رہی ہے، ہر نماز میں ان پر سلام و درود پڑھا جا رہا ہے اور ہر سال لاکھوں غلام و جاں نثار پروانہ وار ان کے آستانۂ اقدس پر حاضری دیتے ہیں اور ان کے روضہ کی زیارت سے صبر و قرار حاصل کرتے ہیں۔

ہاں اگر نسل قطع ہوئی تو ان کفار کی، نام و نشاں مٹا بھی تو انہی مخالفین و معاندین کا بے یار و مددگار ہوئے بھی تو وہی بدبخت، حاسد و کینہ ور، اور اللہ تعالیٰ نے کونین کی نعمتوں میں سے کوئی نعمت ایسی نہیں جو اپنے محبوب و مطلوب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا نہ فرمائی ہو۔ تمام خیراتِ دنیا و آخرت و نعمتہائے دنیویہ و اخرویہ انہیں عطا فرمائے

ہر مرتبہ کہ بود در امکاں بر وست ختم
ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بر و تمام

۸۔ انا اعطیناک الکوثر فرما کر اللہ تعالیٰ نے تمام خزائن ان کے حوالے فرما دئے لانہ لم یقید ذلک الکوثر بشیئ دون شیئ ادجرم تناول جمیع خیرات الدنیا و الآخرۃ (رازی)" کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوثر میں کسی قسم کی تخصیص و تقیید نہیں فرمائی لہذا تمام دنیوی و اخروی خیرات۔ اس میں داخل ہیں۔ اور آخر میں ان شانئک ھو الابتر فرما کر ان نعمتوں کی تکمیل و تتمیم کر دی [illegible] کی

ذلالت و رذالت پر مہر لگا دی اور اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے واضح فرما دیا کہ ابتداء فیضان کرنیوالا بھی میں ہوں اور اس کی تتمیم و تکمیل فرمانے والا بھی میں ہوں لہذا نعمت ہی پر قانع نہیں ہو جانا چاہیئے بلکہ صاحب نعمت و انعام پر نظر رکھنی چاہیئے بلکہ نعمت پر صرف اس لحاظ سے نظر ہونی چاہیئے کہ یہ اس کی طرف سے آنے والی ہے اور اسکی دی ہوئی ہے۔ فقط واللہ اعلم و رسولہ ❖

اس سورتِ کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ انعام فرمایا اور الکوثر کے عموم میں جو جو خزائن کمالات و دقائق درجات داخل ہیں اس سورتِ کریمہ میں جو جو فوائد و نکات موجود ہیں وہ ہمارے احاطہ سے باہر ہیں اور کوئی فصیح و بلیغ انہیں کماحقہ بیان نہیں کر سکتا۔

امام رازی علیہ الرحمۃ اس مقام پر اپنی خدا داد ذہانت و فطانت اور ذکاوت و فراست کو پوری طرح بروئے کار لائے لیکن بالآخر یہی فرمایا :-

ان الفوائد التی ذکرناھا بالنسبۃ الی ما استاثر اللہ بعلمہ من فوائد ھٰذہ السورۃ کالقطرۃ بالنسبۃ الی البحر۔

"وہ فوائد و نکات جو ہم نے یہاں ذکر کئے ہیں وہ ان حکم و نکات اور اسرار و دقائق کے مقابلہ میں جو اللہ تعالےٰ کے علم میں ہیں، ایسے ہیں جس طرح کہ سمندر ناپیدا کنار کے مقابل قطرہ' بلکہ حق تو یہ ہے کہ اس سورتِ کریمہ کمالاتِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے جو سمندر موجزن ہیں ان کے ساتھ ان تمام کمالات کی جو مفسرین و محدثین نے بیان فرمائے ہیں، وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہے۔ یہ تو بہر حال متناہی کی متناہی کی طرف نسبت ہے اور ہمارے بیان کردہ اوصاف و کمالات کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خدا داد مراتب و مناصب اور درجات و منازل کیطرف متناہی کی غیر متناہی کیطرف نسبت ہے

امام بوصیری علیہ الرحمۃ نے فرمایا ؎

ان من معجزاتک العجز عن وصفک اذ لا یحدہ الاحصاء

۔"آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ مخلوق آپ کے اوصاف و کمالات بیان کرنے سے عاجز ہے کیونکہ وہ کسی گنتی و شمار میں آ ہی نہیں سکتے۔ ہماری کلام تمہارے اخلاقِ عالیہ اور مراتبِ رفیعہ کا احاطہ کیسے کر سکتی ہے، کیا ڈول سمندروں کو خالی کر سکتے ہیں اور ان کا سارا پانی باہر نکال سکتے ہیں؟" اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے فرمایا ہے

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ کہ کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضؔا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا مولےٰ کہوں تجھے

هذا ما تيسر لهذا العبد الضعيف في مدح النبي الحبيب الحسيب النسيب شرحا وتفصيلا وتاويلا وتفسيرا لسورة الكوثر وما للاختصار وقصدا للاقتصار على ما ذكر في التفاسير وكتب السير في شرف الرسول المختار صلى الله عليه وآله الاطهار واصحابه الاخيار وانا المتبرئ من حولي وقوتي والمعترف بقصور فهمي وفطنتي المدعو ابو الحسنات محمد اشرف السيالوي عفى الله ذنبه الخفي والجلي۔

فہرست